رودادِ اجتماعِ عام دہلی

[۱۹۷۴]

شعبۂ تنظیم

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

گاندھی درشن (متصل گاندھی سمادھی) کے میدان میں ۸ تا ۱۰ رنومبر ۱۹۷۴ جماعت اسلامی ہند کا پانچواں کل ہند اجتماع منعقد ہوا۔ ۱۱ رنومبر کی تاریخ اجتماع ارکان کے لیے مخصوص تھی۔

اجتماع گاہ کے خیموں اور کیمپوں میں مقیم شرکاے اجتماع کی کثرت، بیرون ہند سے آنے والے مہمانوں کی خلاف توقع تعداد کی شرکت، ہندوستان کے متعدد صاحبان علم کی تقاریر، اتنے کثیر مجمع کے قیام وطعام کے انتظام اور جماعت اسلامی ہند کی ۲۷ سالہ تاریخ میں اس کے کل ہند اجتماع سے نیشنل پریس کی دل چسپی اور اس کی طرف توجہ کے لحاظ سے جماعت اسلامی ہند کا پانچواں کل ہند اجتماع بے شک ایک یادگار اجتماع تھا۔

دس ہزار مردوں اور پانچ سو عورتوں کے شریک ہونے کا اندازہ لگایا گیا تھا لیکن مندوبین کی تعداد سترہ ہزار اور خواتین کی پانچ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اندازہ تھا کہ بیرون ہند سے دس بارہ افراد شریک ہوسکیں گے۔ لیکن ان کی تعداد ۳۸ تک پہنچ گئی تھی۔ بیرونی مہمانوں اور ہندوستان کے مختلف مذہبی طبقات کے افراد وشخصیات کی خصوصی شرکت دو ایسے امتیازات ہیں، جن سے جماعت کے گزشتہ سبھی کل ہند اجتماعات خالی تھے۔ غیر مسلم معاونین کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد خصوصی مہمان کی حیثیت سے شریک تھی۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی شرکت کی توقع سے ملک کا بڑا حصہ آگاہ ہو چکا تھا اور بہت سے لوگوں کے لیے یہ بات بے حد باعث کشش تھی۔ باہر کے مہمانوں بالخصوص عرب ممالک کے ممتاز افراد کی شرکت، مندوبین کے مجمع کثیر کے اکٹھا ہوجانے کا ایک بڑا

محرک تھا۔ اگر چہ آخر میں یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ مولانا مودودی اجتماع میں شریک نہ ہو سکیں گے، لیکن جو بات پھیل چکی تھی اس کی بنا پر لوگوں کی توقعات بالکل ختم نہیں ہوئی تھیں اور بہت سے لوگوں تک تو یہ آخری اعلان پہنچ بھی نہیں سکا تھا۔

خطاب عام اور بعض دوسرے پروگراموں میں خاص وعام شرکا کی تعداد ۵۰۔۶۰ ہزار تک پہنچ گئی تھی لیکن دہلی جیسے شہر میں، جہاں ۱۴ سال کے بعد جماعت کا کل ہند اجتماع منعقد ہو رہا تھا اور جہاں جماعت اسلامی ہند کا مرکز بھی قائم ہے، یہ کوئی ایسی تعداد نہیں ہے جسے 'بہت' کہا جا سکے۔

۱۹۶۰ء میں جماعت کا جو کل ہند اجتماع دہلی میں منعقد ہوا تھا اس میں بھی اس کا وسیع آڈیٹوریم (خطاب عام کی جگہ) ناکافی ہو گیا تھا۔ دلی کی سڑکوں پر گلیوں اور مسلمانوں کے مختلف مجمعوں میں اس اجتماع کا چرچا بھی ہوا تھا۔ جماعت اسلامی اور اس کی دعوت وہاں کے سنجیدہ طبقوں میں موضوع بحث بھی بنی تھی۔ حیدرآباد میں جماعت کا جو کل ہند اجتماع ۱۹۶۷ میں منعقد ہوا تھا اس میں بھی تقریباً ہر اجتماع میں ۴۰۔۵۰ ہزار کا مجمع اکٹھا ہو جاتا تھا، حالاں کہ اجتماع کا محل وقوع زیبا باغ حیدرآباد شہر سے کنارے پر تھا۔

عام طور سے کسی جماعت یا کسی تنظیم کے بڑے اجتماعات کی کام یابی و ناکام یابی کے لیے شرکا کی تعداد کو معیار بنایا جاتا ہے۔ اگر کسی اجتماع میں زیادہ لوگ شریک ہوئے ایک بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا تو اس کو کام یاب قرار دیا جاتا ہے اور اگر کم لوگ شریک ہوئے کوئی بڑا مجمع اکٹھا نہیں ہوا تو اسے ناکام کہا جاتا ہے۔ بے شک یہ بھی ایک معیار ہے لیکن یہ کوئی حقیقی معیار نہیں ہے۔ بعض حالات میں تو یہ ایک بالکل سطحی اور ظاہری معیار ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سامعین کی شرکت کے محرکات مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی تو کسی مشہور اور نمایاں شخصیت کو دیکھنے اور اس کی تقریر سننے کے اشتیاق میں بہت لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے اس کو دیکھ لیا، اس کی تقریر سن لی، اس کی شخصیت اور تقریر پر اظہار خیال کر لیا۔ بس ان کا کام ختم ہو گیا۔ لیکن یہ معیار اس قدر ذہنوں پر چھا گیا ہے کہ بعض تنظیمیں، ایک بھیڑ جمع کر لینے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتی ہیں۔ کسی نظریاتی تحریک و تنظیم کے ذمے داروں کو

گہرائی اور بصیرت کے ساتھ یہ جائزہ لینا چاہیے کہ ان کے کل ہند اجتماعات میں جو لوگ بحیثیت مندوبین شریک ہوئے ہیں یا مختلف اجلاسوں میں سامعین کی حیثیت سے جو لوگ شریک ہوئے ہیں وہ کن محرکات کے تحت شریک ہوئے ہیں۔ اگر گہرائی کے ساتھ یہ جائزہ نہ لیا جائے تو اپنی قوت اور اپنے اثرات کے بارے میں بڑی غلط فہمی ہو سکتی ہے۔

اجتماع عام میں کی گئی تقریریں اور اکثر چیزیں ٹیپ ریکارڈر سے لی گئی ہیں۔ بعض تقریروں میں کچھ جملے یا تو ریکارڈ ہونے سے رہ گئے ہیں یا سمجھ میں نہیں آئے ہیں اس لیے وہاں جگہ خالی رہ گئی ہے۔

جماعت اسلامی ہند کا پانچواں کل ہند اجتماع اس لحاظ سے بھی ایک ممتاز اجتماع تھا کہ اس کی پوری کارروائی نہ صرف یہ کہ ٹیپ ریکارڈر میں محفوظ ہوگئی ہے بلکہ تمام اہم چیزیں کاغذ کے صفحات میں منتقل ہوگئی ہیں۔

اس اجتماع کی شان وشوکت اور سنجیدگی و وقار کی مدح وثنا کے ہجوم میں خود احتسابی کی صدائیں بھی بلند ہوئی ہیں اور ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اقامت دین کی جدوجہد میں تیز گام کرے اور اس اجتماع کے اچھے اثرات سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

۱۷ر جنوری ۱۹۷۵ء

سید احمد قادری

درسِ قرآن

میثاقِ الٰہی

مولانا جلیل احسن ندوی

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۚ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (المائدہ: ۷-۱۱)

’’اللہ نے تم کو جو نعمت عطا کی ہے، اُس کا خیال رکھو اور اُس پختہ عہد و پیمان کو نہ بھولو جو اُس نے تم سے لیا ہے، یعنی تمہارا یہ قول کہ ’’ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی۔‘‘ اللہ سے ڈرو، اللہ دلوں کے راز تک جانتا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو ۔کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے گا اور انہیں بڑا اجر ملے گا۔ رہے وہ لوگ جو کفر کریں اور اللہ کی آیات کو جھٹلائیں، تو وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔ اے لوگو!

جو ایمان لائے ہو، اللہ کے اُس احسان کو یاد کرو جو اُس نے (ابھی حال میں) تم پر کیا ہے، جب کہ ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا ارادہ کرلیا تھا، مگر اللہ نے اُن کے ہاتھ تم پر اٹھنے سے روک دیے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، ایمان رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔''

یہ چند آیتیں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں سورۂ مائدہ کی آیتیں ہیں۔ سورۂ مائدہ درحقیقت تجدیدِ میثاق کی سورت ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو جو اس کی کتاب پر ایمان لائے ہیں وہ عہد یاد دلاتا ہے جو انھوں نے خدا سے کیا ہے اور وہ عہد بھی یاد دلاتا ہے جو اس نے بر بنائے رحمت اپنے بندوں سے کیا ہے۔ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی ہے جب کہ دین مکمل ہو چکا ہے۔ احکام وقوانین نازل ہو چکے ہیں اور اللہ کا دین زمین پر غالب ہو چکا ہے۔ ایسے حالات میں جب کہ حکومت ہاتھ میں ہوتی ہے، اہل ایمان کے پھسلنے کا بڑا اندیشہ رہتا ہے۔

اس سورت میں بار بار ''اِتَّقُوْا'' کا لفظ دوہرایا گیا ہے اور وہ ساری باتیں بیان کی گئی ہیں جو اہل کتاب کی لغزش کا باعث بنیں۔ اس سورت میں ان لوگوں کا حال بیان ہوا ہے جنھوں نے اللہ سے پختہ عہد باندھا، اس کی بندگی پر رہنے اور جمنے کا قول وقرار کیا لیکن انھوں نے اسے پورا نہیں کیا۔ اللہ نے ان عہد شکنوں کی پوری تاریخ بیان کر کے مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ وہ بھی خدا سے کیے ہوئے عہد کو اگر توڑیں گے تو اس کی سزا پائیں گے۔ ان کے ساتھ خدا کا کوئی نسلی رشتہ نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کے ساتھ رعایت کی جائے۔ جس طرح کہ پہلے کے لوگوں سے اس کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ ان کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا ان کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوگا۔

اس سورت میں خطاب ان لوگوں سے ہے جنھوں نے بندگی کا عہد کیا۔ سورت شروع ہورہی ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے۔ ان آیات میں جو ہدایات ہیں وہ اہلِ ایمان کے لیے ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جہاں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر ہدایات دی گئی ہیں وہاں خطاب میں مردوں کے ساتھ خواتین بھی برابر کی شریک ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے اہل ایمان، اے اللہ کے وفادار بندو! اللہ نے تم پر جو احسانات کیے ہیں، انہیں یاد رکھنا۔ ان احسانات میں سب سے بڑا احسان اس کی کتاب ہے جو

اس نے تمہیں دی ہے اور پھر اس نے تمام راہ کی رکاوٹیں، جو اللہ کی بندگی میں حائل ہوسکتی تھیں۔ ایک ایک کر کے دور کر دی ہیں۔ ان احسانات کو نہ بھولنا ورنہ تم ناشکری اور نافرمانی کی راہ پر جا پڑو گے۔ اللہ نے جو عہد تم سے کیا ہے جب کہ تم نے سمعنا واطعنا کہا تھا اسے بھی یاد رکھنا۔ یعنی ہمارے تمہارے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے۔ جو تم نے ہم سے کیا ہے اور ہم نے تم سے کیا ہے اسے یاد رکھنا۔ تم نے عہد کیا تھا کہ تم بندہ وغلام کی حیثیت سے ہماری باتوں کو سنو گے (سَمِعْنَا) اور بندہ وغلام ہی کی حیثیت سے خوش دلی کے ساتھ ان پر عمل کرو گے۔ (اَطَعْنَا) کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا یہی مطلب ہے۔ جب کوئی شخص یہ کلمہ پڑھتا ہے تو اس کے اور اس کے خدا کے درمیان معاہدہ ہوتا ہے۔ وہ یہ طے کرتا ہے کہ میں سمع وطاعت کی راہ پر چلوں گا، خدا کی طرف سے اس کا رسول جو کچھ فرمائے گا اسے سنوں گا اور وفادار بندے کی طرح اس پر عمل کروں گا۔ تم نے جو یہ معاہدہ ہم سے کیا تھا، اس وقت ہم نے بھی تم سے معاہدہ کیا تھا۔ وہ معاہدہ یہ تھا کہ ''میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔'' مخالف طاقتیں اس راہ پر چلنے کے جرم میں تمہیں ستائیں گی اور تم کو اکھاڑ پھینکنے کی کوشش رہیں گی، تو میں ان کی دست درازیوں سے تمھیں بچاؤں گا۔ دنیا میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔ اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گا۔ تو تم اپنے اور میرے دونوں معاہدوں کو یاد رکھو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ: قرآن میں جب اِتَّقُوا اللّٰهَ آتا ہے تو اس میں دونوں پہلو ہوتے ہیں جو کام کرنے کے ہیں انہیں کرو، جو نہ کرنے کے ہیں ان سے بچو۔ اللہ کی معصیت سے دور رہو، اللہ کے غضب سے بچو، اس کے عذاب سے ڈرو۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ: اللہ ان رازوں سے باخبر ہے جو تمہارے سینوں میں ہیں۔ تمہارے ساتھ جو کچھ معاملہ ہوگا، علیم وخبیر خدا کی طرف سے ہوگا۔ خدا تمہارے ساتھ ہے، تمہارے ظاہر وباطن کو جانتا ہے۔ اگر تم زندگی بھر اس کی ہدایات پر عمل پیرا رہے تو وہ تمہارے ساتھ وفادار بندوں کا سا معاملہ کرے گا۔ لیکن اگر تم نے اس کی ہدایات کو بھلا دیا اور اللہ سے کیے ہوئے عہد اور اس کے احسانات کو فراموش کر دیا تو تمہارے ساتھ اس کا معاملہ دوسرے ڈھنگ کا ہوگا۔ نافرمان اور غدار بندوں کے ساتھ جیسا معاملہ ہوتا ہے ویسا ہی ہوگا۔ تم

اس سے اپنا حال ذرا بھی چھپا نہیں سکتے۔

يَآيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ۔

اے اہل ایمان! تم حق پر اور اس دین پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے والے بنے رہنا اور اس نظامِ قسط کے دوسروں کے سامنے گواہ بننا جو خدا نے تم پر نازل کیا ہے۔ یہ دو ذمہ داریاں ہیں۔ جو اہل ایمان پر ڈالی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دین پر پوری راست بازی سے عمل کریں گے اور اپنی عملی زندگی میں اسے قائم کریں گے۔ ان کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ دوسروں کے سامنے اس حق کو گواہی دیں گے جو ان کے پاس ہے۔ گواہی کیسے دی جائے گی۔ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ میں صرف ایک بات نہایت جامع انداز میں کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ شہادت انبیائی لہجہ میں ہوگی۔ انبیائی مزاج کے ساتھ ہوگی، انبیائی درد و سوز کے ساتھ ہوگی۔ خدا کی خوشنودی و رضا کے لیے ہوگی۔ جب اس طرح شہادت دی جائے گی تو وہ بارآور ہوگی اور اس کے اچھے نتائج سامنے آ کر رہیں گے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اور لوگوں کی دشمنی تمھیں انصاف ترک کرنے پر نہ ابھارے۔ تم عادلانہ نظام کے علم بردار ہو، ان لوگوں نے تمہارے ساتھ جو دشمنی کی ہے تم اس کی کسر نہ نکالو۔ ان کے ساتھ جور و ناانصافی کا معاملہ کبھی نہ کرو۔ چونکہ امت مسلمہ کے ہاتھ میں اقتدار آ گیا تھا اس لیے یہ بات زور و قوت کے ساتھ کہی جارہی ہے۔ اِعْدِلُوْا تمھیں ہر حال میں عدل کرنا ہے، منصفانہ بات کہنی ہے، منصفانہ کام کرنا ہے، منصفانہ معاملہ کرنا ہے۔ دوست کے ساتھ بھی دشمن کے ساتھ بھی۔

هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ یہی بات خدا ترسی و تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اگر تم خدا کی نافرمانی و عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو دوست دشمن سب سے انصاف کرو۔ اگر تم نے انصاف نہ کیا تو یہ خدا کی نافرمانی ہوگی اور تم اس نافرمانی کے درناک انجام سے دوچار ہو گے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اور اللہ کی نافرمانی سے بچو۔ اس کے احکام پر عمل کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ: تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس سے تفصیلی طور پر واقف ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: اللہ نے اپنے وفادار بندوں سے ان لوگوں سے جنھوں نے خدا پر اعتماد کیا رسول پر اعتماد کیا، بندگی کی راہ اختیار کی۔ بندگی کے جو تقاضے ہیں، اعمال کی شکل میں انہیں پورا کیا، ایسے بندوں سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ کیا وعدہ فرمایا ہے؟

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ: اللہ انہیں اپنی رحمت سے ڈھانپ لے گا۔ انہیں جہنم کی آگ سے بچائے گا۔ ان کی زندگیوں میں اگر کچھ کوتاہیاں رہ جائیں گی تو انہیں معاف کردے گا۔ انہیں پاک ومطہر کردے گا۔

وَاَجۡرٌ عَظِیۡمٌ: بڑی مزدوری۔ معلوم ہوا کہ تمام اہل ایمان مزدور ہیں۔ کارکن ہیں۔ خدا نے ان کو کام پر لگایا ہے۔ اگر وہ پوری وفاداری وتن دہی سے کام کریں گے تو اللہ ان کو پورا اجر دے گا اور انہیں دار السلام میں داخل کرے گا۔ جس کا دوسرا نام جنت ہے۔

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ: جنھوں نے انکار کیا خدا پر ایمان لانے سے، ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ہماری نعمت کبریٰ کی ناقدری کی۔ ایسے لوگ جہنم کے ہولناک عذاب کے مستحق ہوں گے۔ یہ خدا کے ناشکرے اور نافرمان بندے ہیں۔ اے اہل ایمان! اللہ کے احسان کو یاد کرو۔ اس احسان کو کہ تمہارے دین کے مخالف لوگوں نے فیصد کیا تھا کہ تمہیں ہر طرح کا نقصان پہنچائیں، مگر اللہ نے ان کی کوششوں کو ناکام بنادیا اور ان کی مخالفانہ سرگرمیوں کے علی الرغم دین کو غالب کردیا۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اللہ کی نافرمانی سے بچو۔ ہر حال میں اس کا تقویٰ اختیار کرو۔ اس کی راہ پر چلتے ہوئے اس پر بھروسہ کرو۔ اہل ایمان اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اس آیت میں مکہ اور مدینہ کی پوری تاریخ آگئی ہے۔ جس طرح ۱۳ سال تک اہل مکہ نے اہل ایمان کی مخالفت کی۔ پھر جس طرح مدینہ میں حق کے خلاف ہر طرح کی سازشیں اور کوششیں ہوئیں اور اہل حق کو خطرناک جنگوں سے دوچار ہونا پڑا۔ پھر ان سب کے علی الرغم اہل ایمان کامیاب وکامراں ہوئے اور حق سربلند ہوا۔ یہ پوری داستان اس آیت میں آگئی

ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان کو یاد دلا رہا ہے کہ کس طرح اس نے حق اور اہل حق کو مخالفین کی دست برد سے بچایا اور ان کی ساری کوششوں کو ناکام بنا دیا۔

ہم آپ بھی ان آیات کے اسی طرح مخاطب ہیں جس طرح قرن اول کے لوگ تھے، ہم پر بھی اللہ کے بے شمار احسانات ہیں۔ میں اس موقع پر ان میں سے صرف ایک احسان کا ذکر کرنا چاہتا ہوں ۔ وہ یہ کہ ہمارے سامنے دین کی راہ واضح نہ تھی۔ اللہ نے اپنے کچھ بندوں کو اٹھایا۔ انھوں نے ہمارے سامنے دین کی اور دین کی خدمت کی راہ رکھی۔ یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا پہلا فضل ہے۔ اس کا دوسرا فضل یہ ہے کہ ہم نے اس کی توفیق سے اس کی بندگی کی راہ اختیار کی۔ اس سے سمع وطاعت کا عہدو پیمان باندھا۔ ہمارے لیے ہماری دنیا وآخرت کی کامرانی کے لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ کے ان احسانات کو یاد کریں۔ اس سے سمع وطاعت کا جو عہد کیا ہے اسے پورا کریں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو اس کی رحمت ونصرت ہمارے ساتھ ہوگی۔ لوگ خواہ ہماری کتنی ہی مخالفت کریں۔ ہمیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ یہ کائنات عزیز وقوی خدا کی ہے۔ کسی اور کی نہیں۔ اس کے سوا یہاں کسی کے پاس کوئی طاقت نہیں۔ یہاں اس کی مشیت اور اس کا حکم چلتا ہے۔ اگر اس کی مشیت آپ کے حق میں ہوئی تو کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنا وفادار اور اطاعت شعار بندہ اور اپنے دین کا سچا پیرو اور حقیقی خادم بنائے۔ اپنی رحمت ونصرت سے نوازے اور ہماری حقیر کوششوں کو قبول فرمائے۔

آمین!

درسِ قرآن

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد

مولانا سید احمد عروج قادری

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ﴿۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا هَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُجَاهِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱﴾ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ وَیُدۡخِلۡکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَهَا ؕ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰهِ کَمَا قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ لِلۡحَوَارِیّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَکَفَرَتۡ طَّآئِفَۃٌ ۚ فَاَیَّدۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰی عَدُوِّهِمۡ فَاَصۡبَحُوۡا ظٰهِرِیۡنَ ﴿۱۴﴾ (الصّف:۹–۱۴)

''وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے، خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمھیں عذابِ الیم سے بچادے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمھیں عطا فرمائے گا۔ یہ ہے بڑی کام یابی۔ اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمھیں دے گا۔ اللہ کی طرف سے

نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہوجانے والی فتح، اے نبیؐ! اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے مددگار بنو۔ جس طرح عیسیٰ بن مریم نے حواریوں کو خطاب کر کے کہا تھا: کون ہے اللہ کی طرف (بلانے میں) میرا مددگار؟ اور حواریوں نے جواب دیا تھا: ہم ہیں اللہ کے مددگار۔ اس وقت بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا۔ دوسرے گروہ نے انکار کیا۔ پھر ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں تائید کی اور وہی غالب ہو کر رہے۔''

حضرات! ابھی سورۃ الصّف کی جو آیتیں تلاوت کی گئیں اور جن کا ترجمہ پیش کیا گیا ان میں جو باتیں کہی گئی ہیں انہیں چھ نکات میں سمیٹا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ ان میں جو باتیں کہی گئی ہیں وہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہی گئی ہیں۔ ان کا تعلق ہر اس شخص سے ہے جسے ایمان کی دولت نصیب ہے۔ خواہ وہ جماعت اسلامی ہند کے اندر ہو یا اس سے باہر اور خواہ وہ جماعت اسلامی کا رکن ہو، یا متفق و متاثر۔ اس لیے ہر مسلمان ان پر غور و فکر کرنے اور انہیں جامہ عمل پہنانے کا مکلف ہے۔ اب میں چھ نکات اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔

۱۔ انبیا کرام علیہم السلام کے بعد ان پر ایمان لانے والی امتیں اس کام میں ان کی جانشین تھیں جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والی امت مسلمہ بھی قیامت تک اس کام میں آپ کی جانشین ہے جس کے لیے آپؐ مبعوث ہوئے تھے۔ اس لیے ہر مسلمان کے لیے یہ جاننا بے حد اہم ہے کہ حضورؐ کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟ میں نے سورۂ صف کی جو آیتیں تلاوت کی ہیں ان میں پہلی آیت اسی سوال کا جواب ہے۔ اس میں پوری وضاحت کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین حق دے کر اپنے آخری رسول کو اس لیے بھیجا کہ وہ اس دین حق کو دوسرے تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دے۔ یہ تھا حضورؐ کی بعثت کا مقصد۔ اگر صرف اسی آیت میں آپؐ کی بعثت کا یہ مقصد بتایا گیا ہوتا تو ہمارے لیے کافی تھا لیکن معاملہ چوں کہ اہم تھا اور حضورؐ پر نبوت و رسالت ختم کر دی گئی تھی۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ تھا اس لیے اس مقصد کو قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ التوبہ آیت ۳۳ میں اور پھر سورۃ الفتح آیت ۲۸ میں ٹھیک انہیں الفاظ میں حضورؐ کی بعثت کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سورۂ توبہ اور سورۂ صف

میں آیت کو وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ پر ختم کیا گیا ہے اور سورۂ فتح میں وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا پر ختم کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمام دنیا مل کر بھی اس کا انکار کر دے تو لا حاصل ہے۔ کیوں کہ جس خدا نے آپ کو بھیجا ہے اس کی گواہی کافی ہے۔ دین حق کو ادیان باطلہ پر غالب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو سچا دین دیا گیا ہے وہ کسی دوسرے دین یا نظام زندگی کا تابع اور مغلوب بن کر رہنے کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ اس لیے آیا ہے کہ تمام باطل ادیان پر غالب آئے اور دوسرا کوئی بھی دین یا نظام زندگی اس دین حق کا تابع اور مغلوب بن کر رہے۔ سورۂ صف، توبہ اور فتح میں جو بات کہی گئی ہے وہی بات اقامت دین کی اصطلاح میں سورۂ الشوریٰ آیت ۱۳ میں کہی جا چکی ہے۔ وہاں حضورؐ کے علاوہ حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے نام لے کر حکم دیا گیا ہے کہ ''دین قائم کرو۔'' دین کو قائم کرنا اور دین کو غالب کرنا ایک ہی مفہوم کی دو تعبیریں ہیں۔

یہ ایک سراسر غلط خیال ہے جو مستشرقین نے پھیلایا ہے کہ اسلام مکہ میں محض ایک ٹھنڈی تبلیغ تھا اور جب مدینہ میں حکومت حاصل ہوگئی تو اس نے تلوار سونت لی۔ تاریخی طور پر تو یہ خیال غلط ہی ہے کیوں کہ سب جانتے ہیں کہ تیرہ سال تک مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کے لیے ایک انتہائی گرم بھٹی بنا رہا اور اسلام کو شکست دینے کے لیے مخالفین اسلام مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑتے رہے۔ اس کے علاوہ خود قرآن کی وہ آیتیں جو مکہ میں نازل ہوئی ہیں اس خیال کی مکمل تردید کرتی ہیں۔ بلاشبہ مکہ میں آیت قتال نازل نہیں ہوئی یعنی مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی گئی لیکن جہاں تک دین اسلام کی نوعیت واضح کر دینے کا مسئلہ ہے اس پر کوئی پردہ نہیں ڈالا گیا۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو قرآن لے کر ''جہاد کبیر'' کا حکم دیا:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝۵۲ (الفرقان: ۵۲)

''پس اے نبیؐ! کافروں کی بات ہر گز نہ مانو۔ اور اس قرآن کو لے کر ان سے جہاد کبیر کرو۔''

اور دوسری طرف انسان کو حیران کر دینے والی پیش گوئیوں کے ذریعے واضح کر دیا

گیا کہ اسلام اور کفر کی ٹکر ہو کر رہے گی اور اللہ کا لشکر شیطان کے لشکر پر غالب آ کر رہے گا۔ اس سلسلے کی بہت سی آیتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن اختصار کے لیے میں چند آیتوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کروں گا۔

سورۂ القمر میں فرمایا گیا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

(القمر: ۴۴، ۴۵)

"یا ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ہم ایک مضبوط جتھا ہیں اپنا بچاؤ کر لیں گے۔ عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے۔"

احادیث و سیر کی کتابیں ہمیں بتاتی ہیں کہ غزوۂ بدر میں جب کفار کو شکست ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ کی آیت جاری تھی۔ جو واقعہ رونما ہونے والا تھا اس کی خبر ہجرت سے پانچ سال پہلے مکہ ہی میں دے دی گئی تھی۔

سورۂ الصّافّات کے اخیر میں فرمایا گیا ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ (الصافات: ۱۷۱–۱۷۵)

"اپنے بھیجے ہوئے بندوں سے ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔ پس اے نبیؐ! ذرا کچھ مدت تک انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور دیکھتے رہو، عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔"

عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے، یعنی اپنی شکست اور تمہاری فتح اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ ان آیتوں پر بہ مشکل ۱۴۔ ۱۵ سال گزرے ہوں گے کہ کفار مکہ نے دیکھ لیا کہ رسول خداؐ فاتحانہ شہر مکہ میں داخل ہوئے۔

اور آخری بات یہ کہ مکہ میں ہجرت سے کچھ پہلے اپنے رسول سے اللہ تعالیٰ نے بصیغہ ماضی اعلان کرا دیا کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۖ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾

(بنی اسرائیل:۸۱)

''اور اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے دن حضورؐ کعبہ کے بتوں پر ضرب لگا رہے تھے اور آپ کی زبان پر یہ آیت جاری تھی۔

مکہ میں نازل شدہ ان آیتوں کو پڑھ کر کیا کوئی منصف مزاج آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام کی دعوت مکہ میں محض ایک ٹھنڈی تبلیغ تھی؟ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ مکہ ہی میں یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی تھی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کا بول بالا ہو اور وہ انسانوں کے گھڑے ہوئے دینوں پر غالب ہو کر رہے۔

۲—وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو) اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کو کبھی یہ بات گوارا نہیں ہو سکتی کہ توحید، شرک پر اور دین حق، دین باطل پر غالب آجائے۔ اس لیے رسول خداؐ اور ان کے ساتھیوں کو مشرکوں کی ناگواری کے علی الرغم توحید کو شرک پر اور دین حق کو دین باطل پر غالب کرنے کی جدوجہد کرنی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ مشرکین کے گروہ کو خوش اور رضامند کر کے دین حق کو دین باطل پر غالب کیا جا سکتا ہے تو اس کا یہ خیال عقلاً غلط اور تجربۃً نادرست ہے۔ مشرکین کے چشم و ابرو کو دیکھ دیکھ کر اقامت دین کی جدوجہد کبھی نہیں کی گئی اور کبھی نہیں کی جا سکتی۔

۳—دین حق کو دین باطل پر غالب کرنے کی تدبیر کیا ہے؟ اس سوال کا جواب مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ دیا گیا ہے کہ اللہ پر مخلصانہ اور زندہ ایمان اور راہِ خدا میں جان و مال سے جہاد اس کی حقیقی اور اصلی تدبیر ہے۔ ''اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔'' یہ ہے وہ حقیقی تدبیر جس کے بغیر نہ پہلے کبھی اللہ کا دین غالب ہوا ہے۔ اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ جہاد اور قتال مترادف الفاظ نہیں ہیں۔ جہاد کسی چیز کے حصول کے لیے انتہائی جدوجہد اور آخری حد کی کوشش کو کہتے ہیں۔ کبھی قتال، جہاد کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر بھی جہاد کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی ملک میں اللہ کا دین قتال کے

بغیر غالب آجائے لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ جہاد کے بغیر غالب آجائے۔ باشندگان ملک کو اسلام کی حقانیت پر مطمئن کرنے کی جدو جہد تو ہر حال میں کرنی ہی ہوگی۔

۴- فریضۂ اقامت دین سے عہدہ برآ ہونے کا صلہ کیا ہے؟ ان آیتوں میں اس کے اخروی و دنیوی دونوں قسم کے اجر وصلہ کا وعدہ کیا گیا ہے۔ آخرت میں دردناک عذاب سے نجات، گناہوں کی مغفرت اور جنت۔ دنیا میں اللہ کی نصرت اور فتح و کامرانی۔ یہ ہے صلہ ایمان باللہ اور اللہ کی راہ میں جہاد کا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ جسے جنت ملے گی اسے دیدار الٰہی بھی نصیب ہوگا۔ اب کیا کوئی مسلمان اس سے بھی بڑے کسی اجر وصلہ کا تصور کرسکتا ہے؟ مومن کو جس صلہ کی تمنا ہوسکتی ہے۔ ان آیتوں میں اس کا وعدہ موجود ہے۔ آخرت کے اجر کا بیان پہلے ہے اور دنیا کے اجر کا بیان اس کے بعد۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مومن کو آخرت ہی کے اجر اور وہاں کی کامیابی کو مطمح نظر بنانا چاہیے۔ اگر وہ اس فرض کو انجام دیتا ہوا فتح و کامرانی کے بغیر ہی دنیا سے گزر جائے تو کام یاب ہے۔ اس کی کامیابی و کامرانی میں ذرہ برابر کوئی کمی نہیں ہوگی۔

۵- بشارت سنانے کا حکم - اخروی و دنیوی اجر کا وعدہ کرنے کے بعد اللہ نے حکم دیا: وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اے نبیؐ! مسلمانوں کو اس کی بشارت سنادو) یہ حکم مزید ترغیب اور مزید تاکید کے لیے دیا گیا ہے۔ بادشاہ کی طرف سے اگر کسی کام کے اجر کا اعلان کرادیا جائے تو اس میں شک کا شائبہ بھی ختم ہوجاتا ہے۔

سلطان کائنات کی طرف سے اعلان کے بعد ہر وہ شخص جسے آخرت پر اور اللہ کے وعدے پر زندہ یقین حاصل ہے پوری خوش دلی اور کامل انشراح صدر کے ساتھ اللہ کی راہ میں جدو جہد کے لیے آمادہ ہوجاتا ہے۔ یا اسے آمادہ ہوجانا چاہیے۔

۶- اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو۔ قادر مطلق خدا کی طرف سے یہ پکار سن کر مومن جھوم اٹھتا ہے۔ اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ اس کی خودشناسی جاگ اٹھتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کا مالک قادر مطلق ہے۔ بے نیاز ہے۔ وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں، وہ سب کا مددگار ہے، کوئی اس کا مددگار نہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنے بھیجے ہوئے دین کی مدد کے لیے، اس کو سربلند کرنے کے لیے، اسے پکار رہا ہے۔ تاکہ دنیا میں بندۂ مومن کو حقیقی عزت کی زندگی

ملے اور آخرت میں خوش نصیبی اور سعادت اس کا حصہ ہو۔ اور وہ اس اجر کا مستحق بن جائے جو اس کام کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی

منت شناس ازدکہ بخدمت گزاشتت

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے ذکر کی دو وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ ایک یہ کہ اسی سورۂ صف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کا ذکر ہے جو انھوں نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بارے میں نبی اسرائیل کو دی تھی۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ ان کے اس مطالبے کا ذکر بھی کر دیا جائے جو انھوں نے اپنے حواریوں سے کیا تھا۔ یعنی یہ کہ کون اللہ کی طرف بلانے میں میرا مددگار ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں ان کے حواریوں نے کہا تھا: ''ہم ہیں اللہ کے مددگار۔'' لہٰذا اے محمدؐ پر ایمان لانے والو! تم بھی اللہ کے مددگار بنو۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرانی ہے کہ ایمان والوں کو اللہ کے دین کی مدد کے لیے پکارنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ دین حق پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا ہے، جس کا ہمیشہ مطالبہ کیا گیا ہے۔

پھر یہ بات بھی ذہن نشین کرادی گئی کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے ان کے منکرین پر غالب آئے، اسی طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے ان کے منکرین پر غالب آئیں گے۔

درسِ حدیث

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے

مولانا جلیل احسن ندوی

حضرات! اس نشست میں نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں سے کچھ چیزیں آپ کے سامنے پیش کرنی ہیں۔ یہاں بھی یہ بات نوٹ کیجیے کہ جس طرح کلام الٰہی کے مخاطب مرد اور خواتین دونوں ہیں۔ ان احادیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو صرف مردوں کے لیے خاص ہو۔ آیئے دیکھیں کہ ان احادیث میں کیا باتیں کہی گئی ہیں اور ہماری تربیت کا کیا ڈھنگ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلی حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں کہتے سنا ہے:

قال اللہ تعالی وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری محبت واجب ہوگئی ان لوگوں کے لیے جو محض میرے لیے باہم محبت کرتے ہیں، محض میرے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں، صرف میرے لیے باہم ایک دوسرے کو خوشی خوشی اپنا مال دیتے ہیں۔“

یہ حدیث بتاتی ہے کہ وہ لوگ جو محض خدا کے لیے خدا کے دین کے لیے خدا کی خوش نودی کے لیے باہم محبت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے پاس اٹھتے بیٹھتے ہیں، ایک

دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے خدا یقینی طور پر محبت کرتا ہے۔

حضرات! آپ سب لوگ جو یہاں جمع ہوئے ہیں ظاہر ہے کہ خدا کی خوش نودی کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ آپ کی محبت کی بنیاد صرف خدا کا دین ہے اور اس کی خوش نودی کے حصول کی تمنا ہے۔ اسی چیز نے آپ کو جوڑا ہے اور اسی چیز نے یہاں اکٹھا آپ کو بٹھایا ہے اور اسی نقطۂ نظر سے آپ ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور قلب کی پوری خوشی اور آمادگی کے ساتھ ایک دوسرے کو مال دیتے ہیں۔

یہ حدیث ایک طرف آپ کو بشارت سناتی ہے اور دوسری طرف نیت کی پاکیزگی اور خلوص کو بڑھانے کی ہدایت دیتی ہے، کیونکہ اخلاص نیت کے بغیر بڑے سے بڑا نیکی کا کام برباد ہوجاتا ہے اور آخرت کی میزانِ عمل میں اس کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ اسی مضمون کو ایک دوسری حدیث اور زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کرتی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من عباداللہ انا سًاماھم بانبیاء.........الیٰ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون○

"اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید ہیں ان کا جو اعزاز و اکرام اللہ کے یہاں قیامت کے دن ہوگا اسے دیکھ کر انبیاء اور شہداء بہت خوش ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! بتائیے وہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ ایسے لوگ ہوں گے جنھوں نے اللہ کی کتاب اور اللہ کے دین کی بنیاد پر دنیا میں باہم ایک دوسرے سے محبت کی۔ ان کے درمیان کوئی خونی رشتہ نہیں ہے جس نے انہیں جوڑا ہو اور مالی لین دین بھی ان کی محبت کی بنیاد نہیں ہے، صرف اللہ کی کتاب اور اس کے دین نے ان کو ایک دوسرے کا محب اور محبوب بنایا ہے۔ تو خدا کی قسم ان کے چہرے روشن ہوں گے اور ان پر نور چھایا ہوا ہوگا۔ انہیں کوئی خطرہ اور ڈر نہیں ہوگا۔ جب کہ لوگ خوف زدہ ہوں گے اور نہ غم ان کے پاس پھٹکے گا جب

کہ لوگ خوف زدہ ہوں گے۔"

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ یونس کی ایک آیت پڑھی:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ (یونس:۶۲)

"آگاہ ہو، بے شک وہ لوگ جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ کی ولایت اور سرپرستی میں دے دیا اور اس کے دین کے مددگار بنے، وہ نہ خوف سے دوچار ہوں گے اور نہ غم سے۔"

ان کے لیے دنیا میں خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کے وعدوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ سب سے بڑی کام یابی ہے۔

حضرات! ظاہر ہے کہ اللہ کے دین نے آپ سب کو ایک دوسرے کا ساتھی اور رفیق بنایا ہے۔ آپ لوگ مختلف علاقوں کے رہنے والے ہیں جو اللہ کی یاد کے لیے جمع ہوئے ہیں اور آپ کا مقصد ذکر اللہ کے سوا کچھ نہیں۔ 'ذکر اللہ' کا لفظ مذکورہ بالا حدیث کی ایک دوسری سند میں آیا ہے جو قرآن اور حدیث کی زبان میں بہت جامع لفظ ہے۔ اس سے مراد نماز بھی ہے اور وظائف بھی ہیں اور دینی دعوت کی مجلسیں بھی ہیں اور ہم اپنے رب سے اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ آپ کا یہ اجتماع اور اس کی پوری کارروائی ذکر اللہ کی مصداق ہے ان شاء اللہ۔

اسی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں:

يجتمعون على ذكر الله فينتقون اطائب الكلام كما ينتقي اكل التمر اطائبه۔

"یعنی یہ لوگ اللہ کو یاد کرنے کے لیے اکٹھا ہوتے ہیں اور پاکیزہ باتیں چن کر اپنی جھولی میں رکھتے ہیں جس طرح کھجور کا کھانے والا پلیٹ میں رکھی ہوئی کھجوروں میں سے عمدہ کھجوریں چنتا ہے۔"

حضرات! میں بھی آپ کے لیے کچھ پاکیزہ کلام نبوت انتخاب کر کے لایا ہوں اسے لیجیے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ایک ایسی حدیث ہم تک پہنچی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ایسے آدمیوں کا ذکر کیا جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور تین ایسے آدمیوں کا ذکر کیا جن سے اللہ نفرت کرتا ہے۔ تو وہ لوگ جن سے اللہ محبت کرتا ہے ان میں سے

ایک آدمی ایک جگہ کھڑا تھا اور اس کے قریب ہی کچھ اور لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک غریب محتاج ان لوگوں کے پاس پہنچا اور ان سے اللہ کے نام پر مانگا۔ یہ ایک اجنبی آدمی تھا، ان لوگوں کا رشتہ دار نہیں تھا، انھوں نے اللہ کے نام پر کیے گئے سوال پر کچھ نہیں دیا۔ ان کے قریب جو آدمی ذرا ہٹ کر کھڑا تھا وہ یہ ماجرا دیکھ رہا تھا۔ وہ چپکے سے ان کی نگاہوں کے سامنے سے گیا اور اس غریب کو رازدارانہ طور پر دیا۔ اتنے رازدارانہ طور پر کہ اللہ کے سوا اور اس غریب محتاج کے سوا اس کے دیے ہوئے مال کی مقدار اور کوئی نہیں جانتا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی سے محبت کرتا ہے۔ دوسرا وہ آدمی ہے جو ایک قافلہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ یہ قافلہ رات بھر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ نیند ان کے نزدیک جب سب سے زیادہ پیاری ہو گئی تو کسی جگہ پڑ گئے اور سب سو گئے۔ ان میں ایک آدمی ایسا تھا جو تھک چکا تھا اسے بھی نیند آ رہی تھی لیکن بجائے سونے کے وہ اٹھا اور خدا کے حضور رات کے آخری حصہ میں کھڑا ہوا۔ حضورؐ فرماتے ہیں: فقام یتملقنی ویتلو ایاتی یعنی یہ شخص اپنے رب کے آگے کھڑا ہوا، اس کی خوشامد کرتا ہے اس کو مناتا ہے اور قرآن کی آیتوں کو پڑھتا ہے۔ خوشامد کرتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا سے رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے۔ کہتا ہے اے میرے رب! میں بڑا گنہگار ہوں مجھے معافی دے دے۔

حضرات! اس حدیث کا جو ٹکڑا میں نے پیش کیا ہے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو آپ کو ہم کو پوشیدہ طور پر خرچ کرنے اور اخفاء کے ساتھ آخر شب میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کی تلقین فرماتے ہیں۔

ایک حدیث جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ یقیناً اس مرد پر رحم فرمائے گا جو رات کے آخری حصہ میں اٹھا اس نے نماز پڑھی اور اپنی رفیقۂ حیات کو جگایا۔ اگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے وہ نہیں اٹھتی ہے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دیتا ہے اور وہ عورت بھی اللہ کی رحمت کی مستحق ہے جو رات کے آخری حصہ میں اٹھی، نماز پڑھی اور اپنے رفیق حیات کو جگایا اور اگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے وہ نہیں اٹھتا تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دیتی ہے۔

حضرات! یہ دونوں میاں بیوی تہجد گزار ہیں اور آپس میں طے کرلیا ہے کہ ہم میں سے جس پر نیند کا غلبہ ہو تو دوسرا اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دے دے تا کہ نیند کا زور ختم ہو جائے۔ آپ کے لیے اس میں جو سبق ہے، کیا اس کی تشریح کی ضرورت ہے؟

ایک اور حدیث حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

یاابن ادم افرغ من کنزك عندی ولا حرق ولا غرق ولا سرق اوفیکه احوج ماتکون الیه

''اے آدم کے بیٹے! تیرے پاس جو کچھ زائد از ضرورت مال بچے، اسے میرے خزانے میں داخل کر کے ہر طرح کے فکر واندیشے سے فارغ ہو جا۔ تیرا یہ جمع کیا ہوا مال، نہ اسے آگ لگے گی، نہ وہ سیلاب کی نذر ہوگا اور نہ کوئی چور اسے چرائے گا۔ میں تجھے آخرت میں وہ پورا مال دے دوں گا جب کہ تو اس کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا''

حدیث کی مشہور کتاب سنن ابوداؤد میں ایک حدیث آتی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الی عباده

''تمام مخلوق اپنے روٹی کپڑے اور دیگر ضروریات میں اللہ کی محتاج ہے۔ تو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب انسان وہ ہے جو اس کے بندوں پر احسان کرے۔''

اس حدیث کے الفاظ بہت مختصر ہیں مگر مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ تمام مخلوق کے کھانے کپڑے اور دیگر ضروریات کی ذمہ داری اللہ نے اپنے ذمے لے رکھی ہے لیکن اللہ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ وہ ہر ایک کو براہ راست روٹی اور کپڑا دینے آئے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو ان کی ضرورت سے زائد ان کے حوالے کرتا ہے اور چاہتا یہ ہے کہ ایسے لوگ ان لوگوں کی ضروریات پوری کریں جن کے پاس کچھ نہیں ہے یا ضرورت سے کم ہے۔

ایک اور حدیث سنیے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان لله عند اقوام نعما اقرها عندهم ما کانوا فی حوائج الناس

مالم يملوهم فاذا ملوهم نقلها الى غيرهم

''بے شک اللہ نے اپنی کچھ نعمتیں کچھ لوگوں کے حوالے کی ہیں، ان نعمتوں کو انہیں کے پاس رہنے دیتا ہے جب تک یہ لوگ انسانوں کی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں اور محتاجوں سے نفرت نہیں کرتے لیکن جب وہ غریبوں اور محتاجوں سے نفرت کرنے لگتے ہیں تو ان سے اپنی نعمتیں چھین کر دوسرے تقسیم کرنے والے ہاتھوں کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔''

حضرات! ایک اور حدیث سنیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لن تؤمنوا حتى ترحموا قالوا يا رسول الله كلنا رحيم۔ قال انه ليس برحمة احد كم صاحبه ولكنها رحمة العامة۔

''اے لوگو! تم مطلوبہ قسم کے مومن نہیں ہو سکتے جب تک لوگوں پر رحم نہ کرو۔ لوگوں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر شخص رحم کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: جس رحم کی بات کر رہا ہوں وہ نہیں ہے جو تم اپنے ساتھ رہنے والوں سے کرتے ہو بلکہ میرا منشا یہ ہے کہ تم عام لوگوں پر رحم کرو۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا منشاء عام انسانی آبادی پر رحم کرنے کی طرف توجہ دلانا ہے۔ لوگ اپنے اعزا، اپنے بال بچوں اور ساتھیوں پر تو رحم کرتے ہی ہیں اور یہ بھی نیکی ہے لیکن سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ عام انسانی آبادی پر چاہے ان کا عقیدہ و مذہب کچھ ہو۔ بغیر اس کا لحاظ کیے ان پر رحم کرنا بڑا کارِ ثواب ہے۔ بالخصوص جب کہ لوگ کسی عمومی مصیبت میں مبتلا ہوں۔

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

''جو لوگ اہل زمین پر رحم نہیں کریں گے ان پر آسمان والا رحم نہیں کرے گا۔''

میرے ساتھیو! یہ اوپر کی جو حدیثیں پیش کی گئی ہیں ان سب کا بہاؤ اور رخ عمومی رحمت کی طرف ہے۔ ان احادیث کی روشنی میں آپ کے ایک ساتھی کی حیثیت میں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہمارا ملک غذائی بحران کے دور سے گزر رہا ہے۔

گرانی لوگوں کی کمر ہی نہیں توڑ رہی ہے بلکہ ان کی ریڑھ کی ہڈی توڑ رہی ہے۔ لوگوں کی قوت خرید مر رہی ہے اور کچھ لوگوں کی مر چکی ہے۔ یہ لوگ اپنے گھر کا اثاثہ، برتن، زیور وغیرہ بیچ رہے ہیں۔ ایسی حالت میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آپ اپنے آس پاس کے لوگوں کا جائزہ لیجیے، پوری باریک بینی سے ان کا سروے کیجیے۔ دیکھیے اس غذائی بحران میں کس کا کیا حال ہے؟ کس کی کتنی ضروریات ہے ہیں؟ پھر ان کی مدد کے لیے بے چین ہو کر ان کے پاس پہنچیے۔ ان کو سنبھالیے اور یہ مت دیکھیے کہ ان غریبوں اور محتاجوں کا عقیدہ و مذہب کیا ہے۔ خدا کا دین ایسے لوگوں کے سلسلے میں ان کا عقیدہ و مذہب نہیں ٹٹولتا، صرف یہ دیکھتا ہے کہ کون کتنا ضرورت مند ہے۔ آپ کا جو وقت صرف ہوگا مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی ہزاروں نفلوں سے زیادہ قیمتی اللہ کے نزدیک ہوگا۔

یہی ہمارے دین کی تعلیمات اور اس کے مزاج کے مناسب بات ہے۔ پھر آپ نے تو اقامت دین کا نصب العین اپنایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پاک باز ساتھیوں کو اپنا امام اور رہ نما بنایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کی اپنی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی گواہی صحیح بخاری میں موجود ہے۔ انھوں نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ نبوت کے کام میں اللہ تعالیٰ آپ کو ناکام نہیں کرے گا۔ کیوں کہ آپ نبوت کے مرتبے پر آنے سے پہلے کی زندگی میں رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے رہے ہیں۔ غریبوں اور محتاجوں کو اپنی کمائی دیتے رہے ہیں۔ عاجز اور ناتواں لوگوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے رہے ہیں۔ آپ مہماں نوازی کرتے رہے ہیں اور اجتماعی مصائب میں آپ مدد دیتے رہے ہیں۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعینہٖ اسی طرح کی گواہی قبیلۂ قارہ کے غیر مسلم سردار ابن الدغنہ نے دی ہے۔ اس نے صدیق اکبرؓ سے کہا کہ ایسے ایسے انسانیت کے کام آپ کرتے رہے ہیں۔ آپ جیسا آدمی نہ مکہ سے نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔

بھائیو! ۵۵ کروڑ سے زیادہ آبادی والے اس ملک میں آپ چند ہزار ہیں۔ لوگ طنزیہ لہجہ میں کہہ سکتے ہیں کہ چنے کا ایک دانہ یا چند دانے کیا بھاڑ پھوڑ لیں گے۔ یہ ٹھیک ہے واقعتاً ایک چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا لیکن وہ اپنی کڑھائی میں تڑپ تو سکتا ہے، اپنے کو بھون

تو دے سکتا ہے۔ تم بھی تڑپو اور بھنو یہی تمہاری کامیابی ہے۔

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

ساتھیو! یہ کلام نبوت کا ایک حصہ جو میں نے پیش کیا ہے، اسے اپنے ساتھ لے جائیے۔

خطبۂ صدارت

مولانا محمد یوسف (امیر جماعت اسلامی ہند)

محترم خواتین وحضرات!

میں جماعت اسلامی ہند کے اس پانچویں کل ہند اجتماع میں آپ کا خیر مقدم ایسے وقت میں کررہا ہوں جب کہ پوری دنیا میں پریشانی کا عالم ہے اور ہمارا ملک بھی اقتصادی بحران اور سیاسی افراتفری کا شکار ہے۔ دلوں کا چین اور ذہنوں کی یک سوئی ختم ہوتی جارہی ہے اور ہر طرف سے غم اور غصہ کی آوازیں آرہی ہیں۔ ایسے حالات میں اپنے رفقاء کو سفر کی صعوبتیں اٹھا کر ہندوستان کے کونے کونے سے یہاں آکر جمع ہونے کی زحمت دینے سے پہلے مجھے بار بار سوچنا پڑا۔ مگر میں نے اور میرے قریبی رفقاء نے یہی طے کیا کہ ان بحرانی حالات اور نازک لمحات کا ایک اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ سوچنے والے دردمند حضرات جن کو اپنی پریشانی کی طرح عام انسانوں کی بھی پریشان حالی کا احساس ہو، سر جوڑ کر بیٹھیں، اپنے سماج کو اس دلدل سے نکالنے کی تدابیر سوچیں اور حالات کو سدھارنے کا عزم لے کر اٹھ کھڑے ہوں۔

مسائل کا ہجوم اور انسان کی یہ پریشاں حالی کچھ ہمارے ملک ہندوستان ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ آج پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آتی جارہی ہے۔ یہ حالات ہر سطح پر اصحاب فکر کو صورت حال کا ازسرنو جائزہ لینے اور اصلاح حال کی تدابیر سوچنے پر مجبور کررہے ہیں۔ انہی دنوں میں جب کہ آپ دہلی میں اس اجتماع کے لیے جمع ہوئے ہیں، دنیا کی تمام قوموں کے تقریباً تین ہزار نمائندہ ماہرین عالمی مسائل کے حل کے لیے مجلس اقوام متحدہ (U.N.O) میں جمع ہو کر غور وفکر میں

مصروف ہیں۔ دنیا ایک نئے موڑ پر کھڑی ہے اور سارے انسان اس بات کے منتظر ہیں کہ انسانیت کو تباہی سے بچانے کے لیے کیا نیا لائحہ عمل تجویز کیا جاتا ہے۔ اپریل ۱۹۷۴ء میں مجلس اقوام متحدہ نے ایک نئے معاشی نظام کے اعلان کا جو مسودہ (Draft Declartion of a new International Economic Order) پاس کیا ہے، وہ ایک عالمی شخصیت کی اس رائے کی تائید کرتا ہے کہ ''دنیا نئے عالمی نظام کو جنم دینے کے درد و کرب سے گزر رہی ہے۔ ایک ایسی دنیا جنم لے رہی ہے جس کا سماج جس کی فلاح و بہبود اور جس کا اخلاقی ارتقاء اس بات کا متقاضی ہے کہ ایک دوسرے کا سہارا لیا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی تیزی کے ساتھ دنیا کو ایک کرتی جا رہی ہے اور کسی ایک ملک میں چلائی جانے والی اچھی یا بری تحریک اب پوری دنیا کو متاثر کر سکتی ہے۔''

جماعت اسلامی ہند کا دائرہ کار اگرچہ انڈین یونین تک محدود ہے۔ مگر زندگی کی صالح تنظیم کے لیے پروردگار عالم کی عطا کی ہوئی وہ ہدایت جسے اہل ملک تک پہنچانے کے لیے یہ جماعت اٹھی ہے فی الواقع پوری نوعِ انسانی کی ضرورت کی چیز ہے۔ زندگی کے جن صالح اصولوں میں ہمارے اہل ملک کی بھلائی مضمر ہے۔ انہی اصولوں سے سارے انسانوں کی بھلائی بھی وابستہ ہے۔ یہی احساس ہے جو ہمیں اس بات پر ابھارتا ہے کہ ان نازک حالات میں اپنے ملک کے باشندوں کو، جن کی عظیم ترین اکثریت کسی نہ کسی شکل میں خدا کو مانتی، خدائی ہدایات کی ضرورت سمجھتی اور روحانی اور اخلاقی قدروں کی اہمیت تسلیم کرتی ہے، غور و فکر کی دعوت دیں۔

ہماری تمنا ہے کہ دنیا کی یہ سب سے بڑی جمہوریت نئے عالمی نظام اور نئے انسانی سماج کی تشکیل کے لیے درکار اصولوں کو سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کا موضوع بنائے اور ہمارا یہ عزیز ملک اپنے سماج کی صحت مند اور صالح تعمیر نو کے ذریعے عالم انسانیت کے لیے ایک نمونہ بن کر سامنے آئے۔ آج اپنے ملک کے قلب میں ہم اسی جذبے کے ساتھ جمع ہوئے ہیں کہ وقت کے اہم مسائل کا جائزہ لے کر ان کے موزوں حل تجویز کریں۔ اس موقع کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے مناسب سمجھا کہ دنیائے اسلام کے دوسرے ممتاز مفکرین بھی اس غور و فکر میں شریک ہو کر ہماری مدد کریں۔ چنانچہ ہم نے بہت سے اہل علم و ارباب نظر کو شرکت اجتماع کی دعوت دی

اور ہمیں خوشی ہے کہ ان میں سے متعدد حضرات کے لیے یہ ممکن ہوسکا کہ وہ یہاں تشریف لائیں اور بحمداللہ وہ اس وقت ہمارے درمیان موجود بھی ہیں۔ ہمیں ان کی موجودگی سے بڑی مسرت ہے کیونکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح انسانیت کے مسائل مشترک ہیں۔ اسی طرح اسلام کے پیرؤوں کا یہ جذبہ بھی مشترک ہے کہ وہ اس نازک گھڑی میں ان مسائل کے حل کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔

آئیے، سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ عالم انسانی کے اہم اور پے چیدہ مسائل کیا ہیں۔

غذا کی قلت اور بھوک

عالم انسانی کا ایک بڑا اہم اور انتہائی پے چیدہ مسئلہ غذا کی قلت اور بھوک کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ جس قدر بھیانک شکل اختیار کرتا جارہا ہے اس کا تجربہ خود ہمیں اپنے ملک میں ہورہا ہے۔ اشیائے ضرورت کی نایابی، ہوش ربا گرانی اور فقر و فاقہ کے تاریک سائے ہر طرف گھرے ہوتے چلے جارہے ہیں۔ مختلف صوبوں میں قحط جیسے حالات پیدا ہوچکے ہیں۔ مغربی بنگال، اڑیسہ اور راجستھان سے مسلسل خبریں آرہی ہیں کہ سیکڑوں افراد بھوک سے ہلاک ہوچکے ہیں۔ مستورات ستر پوشی سے محروم پھررہی ہیں۔ ناقص غذا کے باعث بچے بینائی کھو بیٹھے ہیں۔ خود اسی دہلی میں مغربی بنگال کے فاقہ کشوں کے ہجوم چند لقموں کی تلاش میں سرگرداں، موت و زیست کی کش مکش میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ ہمارے پڑوسی ملک بنگلہ دیش کی حالت تو کہیں زیادہ تشویش ناک ہے۔ جہاں ہزاروں افراد بھوک سے مرچکے ہیں۔ سیکڑوں روزانہ مررہے ہیں۔ غذا کی یہ کمی کسی ایک ملک کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ کم و بیش سب ہی کم ترقی یافتہ ممالک اس مصیبت کا شکار ہیں اور مستقبل حال سے زیادہ تاریک نظر آرہا ہے۔ ابھی گزشتہ دنوں ممالک متحدہ امریکہ کے ایوان نمائندگان کی ایک سب کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے:

> ”تاوقتیکہ غذائی پیداوار اور اضافۂ آبادی کے موجودہ رجحان میں بنیادی تبدیلی نہیں لائی جاتی ایک ایسے غذائی بحران کا پیدا ہونا یقینی ہے جو زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ہر شخص کو اس سے کہیں زیادہ شدت سے متاثر کرے گا۔ جتنا ۱۹۷۳ء، ۱۹۷۴ء کے

توانائی کے بحران نے لوگوں کو متاثر کیا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۱۹۷۴ء کے دوران ۲۰ سے ۴۰ کروڑ تک کی تعداد میں افراد فاقہ کشی کا شکار ہوں گے اور ایک کروڑ سے زائد افراد جن میں زیادہ تعداد ۵ سال اور اس سے کم عمر کے بچوں کی ہوگی خوراک کی قلت کے براہ راست نتیجہ میں فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے۔"

بعینہٖ یہی خوف ناک اندیشہ چند دنوں قبل مجلس اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر کورٹ والڈہائم نے بھی ظاہر کیا ہے۔ ان ذمہ دارانہ بیانات کی روشنی میں ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ صورتِ حال کتنی سنگین ہے۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کی روز افزوں ترقیوں اور زیادہ غلہ پیدا کرنے کی نت نئی تدبیروں کے نتیجہ میں اگرچہ زمین اپنے خزانے زیادہ سے زیادہ اگل رہی ہے۔ مگر غذائی قلت اور بھوک کا مسئلہ دنیا کے لیے شدید سے شدید تر ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ حالات اور حقائق کی گہرائی میں اتر کر دیکھیے تو صاف معلوم ہوگا کہ نوع انسانی پر یہ عذاب اس کے اپنے ہی ہاتھوں کا لایا ہوا ہے۔ کیوں کہ یہ صورت حال جن اسباب کا ثمرہ ہے وہ براہ راست انسان کے اپنے ہی طرز فکر اور طرز عمل کی خرابیوں کی پیداوار ہیں۔ ان اسباب میں سے پہلا سبب تو دولت کی غلط تقسیم، غلط منصوبہ بندی اور غلط معاشی نظام ہے۔

دوسرا سبب ارباب اقتدار کی فرض ناشناسی اور بے کرداری ہے۔

تیسرا سبب جنگوں اور جنگی تیاریوں کے بے دریغ مصارف ہیں۔ قدرت نے جو ذرائع و وسائل نوع انسانی کی ضروریات زندگی کی فراہمی کے لیے عطا کیے ہیں انہیں مہلک اسلحوں کی نیوکلیر تجربوں اور ایٹم بموں کی نذر کیا جا رہا ہے۔

اس کا چوتھا سبب کسی ملک کے تاجروں، سرمایہ داروں اور بڑے کاشت کاروں کی نفع خوری، ذخیرہ اندوزی اور ملک کی معیشت پر کالے دھن کا تسلط ہے جو اس ملک میں موجود اشیاء کو بھی عوام کے لیے نایاب بنا دیتا ہے۔

اس کا پانچواں سبب ترقی یافتہ اور زیادہ پیداوار والے ممالک کی سنگ دلانہ خود غرضی

اور استحصال کی پالیسی ہے۔ ان مما لک کو بین الاقوامی تجارت میں دوسری قوموں کے مقابلے میں امتیازی مقام حاصل ہے جس سے یہ ملک ہر وہ ناجائز فائدہ حاصل کرتے رہتے ہیں جو حاصل کر سکتے ہیں اور اس کے نتیجے میں پسماندہ اور کم ترقی یافتہ ملکوں کی معیشت کو تباہ کرتے رہتے ہیں۔ ایک طرف تو یہ کمزور مما لک اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے ان ملکوں کی مصنوعات اور زرعی اجناس، دونوں کے محتاج ہیں۔ دوسری طرف ان ترقی یافتہ ملکوں کی انسانیت نوازی کا حال یہ ہے کہ وہ ان ملکوں سے انتہائی سستے داموں جو خام مال خریدتے ہیں اس کو مصنوعات کی شکل دے کر جب انھیں لوٹاتے ہیں تو اس کی گراں سے گراں قیمت وصول کرتے ہیں۔ پھر وہ ان کم ترقی یافتہ مما لک کو اپنی ہی مصنوعات کی خریداری کے لیے جو قرضے دیتے ہیں ان پر سود بھی لیتے ہیں اور ان کی سیاسی قیمت بھی وصول کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

محترم خواتین وحضرات! جب تک ان اسباب کا خاتمہ نہیں کیا جاتا غذائی قلت اور بھوک مری کا بھی خاتمہ نہیں ہوسکتا۔

غذائی قلت کے مسئلے کے سلسلے میں یہ امر خوشی آئند ہے کہ انہی تاریخوں میں روم میں عالمی غذائی کانفرنس (World Food Conference) منعقد ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ وہ مسئلہ کا گہرائی میں اتر کر جائزہ لے گی اور اس کا حل تجویز کرنے میں اس کے ان پہلوؤں کو ضرور نگاہ میں رکھے گی جن کی اوپر نشان دہی کی گئی ہے۔

خوف اور باہمی بے اعتمادی

عالم انسانی کا دوسرا انتہائی پے چیدہ مسئلہ جس نے قوموں کی معیشت اور سیاست، ان کے باہمی تعلقات، ان کی نفسیات وکردار اور عالمی امن وامان سبھی چیزوں کو بری طرح متاثر کر رکھا ہے۔ وہ خوف اور بے اعتمادی ہے جو مختلف گروہوں، طبقوں اور قوموں کو ایک دوسرے سے ہے۔ اس خوف زدگی اور باہمی بے اعتمادی کی کھلی ہوئی علامتیں ہم خود اپنے سماج میں دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے ملک کی اقلیتوں پر اکثریت کا خوف وہراس برابر چھایا رہتا ہے اور حالات کی ستم ظریفی یہ ہے کہ اکثریت بھی اقلیتوں کی طرف سے بے خوف نہیں ہے۔ اس کی عسکری تنظیمیں،

ان کی جارحانہ سرگرمیاں اور فرقہ وارانہ فسادات، سب خوف کی اسی نفسیات کی پیداوار ہیں۔ یہی خوف ہے جو یہاں کی تہذیبی، لسانی اور علاقائی اکائیوں کے باہمی فاصلوں کو بھی بڑھاتا جارہا ہے۔ پھر باہر کی دنیا بھی ہمارے لیے مستقل بے اطمینانی کا موجب بنی ہوئی ہے۔ ہمارے اعصاب کو بیرونی طاقتوں کا خوف برابر اپنی گرفت میں لیے رہتا ہے۔ اس صورت حال نے ہمارے اندازِ فکر، ہمارے کردار، ہماری داخلی اور خارجی پالیسی اور ہماری معیشت سب کو بری طرح متاثر کررکھا ہے۔ چنانچہ ہم اقتصادی بدحالی کے باوجود دفاع اور جنگوں پر بے پناہ مصارف کرتے رہنے کے لیے اپنے کو مجبور سمجھتے ہیں۔

جو حال ہمارے ملک میں ہے وہی دنیا کے دوسرے ملکوں کا ہے۔ ہر جگہ مختلف نسلی، لسانی اور مذہبی گروہ ایک دوسرے سے خائف نظر آتے ہیں۔ مختلف قوموں کے مابین بھی اسی خوف اور بے اعتمادی نے دیواریں کھڑی کررکھی ہیں جن کی وجہ سے آئے دن امن کے لیے خطرہ پیدا ہوتا رہتا ہے۔ امریکہ، روس اور چین تین بڑی طاقتیں جس طرح ایک دوسرے سے بدگمان اور خائف رہتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں پوری دنیا پر جنگ اور تباہی کی تلوار مستقلاً لٹکی رہتی ہے۔ مشرق اور مغرب ہر طرف اسلحہ کی جو دوڑ ہورہی ہے وہ سب اسی خوف کی وجہ سے ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قدرت کے وہ وسائل جو انسانوں کی زندگی کو امن وراحت سے مالا مال کردینے کے لیے کافی تھے۔ آج ان کے سکون خاطر کو درہم برہم کرنے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ ایٹمی توانائی جس کا پرامن مقاصد کے لیے استعمال انسانوں کے بہت سے مسائل کے حل کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اب بھی ہلاکت خیزی کے امکانات بڑھانے کے کام آرہی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی جو پوری انسانیت کے لیے باعث رحمت بن سکتی تھی انسانوں کے، انسانوں پر ظلم ڈھانے کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ دنیا اس صدی میں دو عظیم جنگوں کا شکار ہوچکی ہے۔ سرد جنگ ایک نئی شکل اختیار کرچکی ہے۔ علاقائی لڑائیوں کا لاوا ہر آن ابلتا رہتا ہے۔ پوری نوع انسانی کے اوپر ایٹمی جنگ کا خطرہ مسلسل منڈلا رہا ہے۔ قوموں کی سیاست کسی ضابطۂ اخلاق کی پابند نہیں۔ ہر طرف جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی منطق کا چلن ہے۔ ہر قوم ترقی وسربلندی کا راز معاشی اور فوجی طاقت میں مضمر سمجھتی ہے۔ کمزور کو بھی اپنی فلاح کی صرف ایک راہ نظر آتی ہے

اور وہ یہ کہ کسی طاقت ور کی سرپرستی حاصل کرکے جلد از جلد خود طاقت ور بن جائے۔ دوسری طرف طاقت ور قوموں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے امتیازی مفادات کی برقراری کے لیے ضروری سمجھتی ہیں کہ دوسرے کمزور ہی رہیں اور طاقت کے خزانوں پر ان کی اجارہ داری بدستور قائم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر تعاون کے بڑھتے ہوئے چرچے کے باوجود امیر قومیں زیادہ امیر اور غریب قومیں زیادہ غریب ہوتی جارہی ہیں اور عالمی سطح پر مال دار قوموں اور محروم قوموں کے درمیان فرق بڑھتا جارہا ہے۔ اب طاقت ور قوموں کا یہ باہمی گٹھ جوڑ کمزور قوموں کی ایک نئی صف آرائی کا سبب بن کر دنیا کو ایک نئے Confrontation کی طرف لے جارہا ہے۔

اخلاقی زوال

تیسرا بڑا مسئلہ بلکہ فی الواقع سب سے بڑا مسئلہ جس سے عالم انسانی اس وقت دوچار ہے، اخلاقی زوال کا مسئلہ ہے۔ غذائی قلت اور بھوک، باہمی خوف اور بے اعتمادی کے عذاب سے انسانیت پھر بھی جاں بر ہوسکتی ہے اگر اس کے پاس سیرت و کردار کی طاقت ہوتی۔ لیکن صورت حال آج یہ ہے کہ کوئی انسان دوسرے انسان پر بھروسہ نہیں کرسکتا۔ اس سے بہی خواہی اور ہمدردی کی توقع نہیں رکھ سکتا۔ صداقت اور امانت اور ایفائے عہد کی امیدیں وابستہ نہیں کرسکتا۔ یہ اعلیٰ اخلاقی قدریں، جو انسانیت کا اصل جوہر ہیں، مفقود ہوتی جارہی ہیں۔ اخلاق و کردار کے اس زوال نے ہماری معاشرت، معیشت اور سیاست سب کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ زندگی کے کسی بھی شعبے اور معاملے میں لوگ اخلاقی حدود کے پابند نہیں رہے۔ انھیں جھوٹ بولنے، دھوکا دینے، بددیانتی اور وعدہ خلافی کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ رشوت دینے اور لینے میں وہ بالکل چھوٹ ہیں۔ وہ بلاتکلف دوسروں کا حق مار لیتے ہیں اور چند سکوں کی خاطر انسانوں کی صحت سے کھیلا کرتے ہیں۔ ذخیرہ اندوزی اور نفع خوری کرکے خلق خدا کو مصیبتوں میں مبتلا کردیتے ہیں۔ اپنی حقیر ذاتی اغراض کی تکمیل اور دولت و اقتدار کے حصول کے لیے دوسرے انسانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سب کچھ پامال کرسکتے ہیں اور سب سے بڑی ٹریجڈی یہ ہے کہ ہماری نئی نسل جو ہمارا مستقبل ہے اس اخلاقی زوال کی دوڑ میں اور زیادہ

تیز گامی دکھا رہی ہے۔ اگرچہ یہ اخلاقی بحران کچھ ہمارے ہی ملک تک محدود نہیں ہے، بلکہ پورا عالم انسانی اس کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے مگر ہمارے ملک کی صورت حال اس بارے میں خاص طور پر تشویش ناک ہے۔ آج یہاں کا ہر آدمی کرپشن اور بددیانتی سے پریشان ہے۔ سابق صدر جمہوریہ وی وی گری کے بقول ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہر طرف پھیلی ہوئی بددیانتی ہے۔ متعدد دوسرے لیڈروں کا یہ کہنا ذرہ برابر غلط نہیں کہ بددیانتی اوپر سے نیچے تک ہمارے پورے نظام میں سرایت کر چکی ہے۔ خاص طور پر ہماری سیاست اور صحافت کا حال تو حد درجہ ابتر ہے۔ انہیں اعلیٰ مقاصد حیات کا خادم، اخلاقی ضوابط کا پابند اور مفاد پرستی سے بالاتر ہونا چاہیے تھا۔ مگر ان صفات کا ان کے یہاں مشکل ہی سے کوئی نشان ملے گا۔

ملکی اور عالمی پیمانے پر اخلاق و کردار کے اس زوال کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ خدا پرستی اور آخرت کی جواب دہی کے تصورات کو پس پشت ڈال دینے کے بعد اب اخلاقی قدروں کے ساتھ مخلصانہ وابستگی پیدا کرنے والی کوئی موثر قوت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ مغرب کی الحادی تہذیب کے طفیل دین اور دینی ہدایات کے خلاف بے یقینی اور شک و تذبذب کی جو فضا بنی اس میں نظام تعلیم سے خصوصاً اور دوسرے شعبہ ہائے حیات سے عموماً ان بنیادی افکار و تصورات کو خارج کر دیا گیا جو براہ راست یا بالواسطہ انسانوں میں اعلیٰ اخلاقی رجحانات پیدا کر سکتے تھے۔ پھر سیکولر طرز فکر نے دین و مذہب کو صرف مراسم عبودیت تک محدود کر کے سیاسی، معاشی اور اجتماعی زندگی کا راستہ اس سے بالکل منقطع کر دیا۔ مذہب کے ساتھ اعلیٰ اخلاقی اصول بھی اب زندگی کے نجی دائرے میں محصور کر دیے گئے اور سیاست، معیشت اور اجتماعی زندگی کے وسیع تر اور اہم دائروں کے لیے میکیاولی فلسفے، معاشیات کے کلاسیکی یا مارکسی مکتب فکر، فرائڈ اور دوسرے علماء نفس و اجتماع کے ظن و تخمین پر مبنی نئے ضابطہ ہائے اخلاق نے جنم لیا۔ پھر طرفہ ستم یہ کہ انسان نے اپنے ذہن کے بنائے ہوئے ان ضابطوں کو بھی اپنی خواہشات و اغراض کے مطابق معنی پہنانے کے لیے اپنے کو آزاد سمجھا۔ اپنے لیے کچھ پیمانے پسند آئے تو غیروں کے لیے دوسرے پیمانے بنائے گئے اور جہاں ضرورت سمجھی گئی وہاں ہر پیمانے کو توڑ کر رکھ دیا گیا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ اخلاقی اقدار اور انسانی کردار کے زوال سے فرد بھی

اضطراب کا شکار ہے، خاندان بھی خلوص و محبت سے محروم ہیں۔ قوموں کی داخلی سیاست میں بھی کش مکش اور خلفشار کے طوفان اٹھتے رہتے ہیں اور بین الاقوامی تعلقات میں بھی بحران پر بحران آتے رہتے ہیں۔

جہاں تک اس صورتِ حال کے علاج کا سوال ہے، کوئی بھی نہیں جو اپنے کو اس کا خواہش مند نہ کہتا ہو اور انسانوں کی بہت بڑی اکثریت یہ بھی محسوس کرتی ہے کہ یہ علاج اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ بنیادی اخلاقیات اور مستقل اخلاقی قدروں کو پوری عملی زندگی میں سمو نہیں لیا جاتا لیکن ایسے افراد کم ہی ملتے ہیں جو صورت حال کے علاج کی خواہش سے آگے جانے اور زندگی کے سارے معاملات کو اخلاقی قدروں کے تابع کر دینے کے لیے صدق دل سے کوشاں ہوں۔ پھر ایسے لوگ تو اور بھی کم ہیں جن کی نظر اس حقیقت پر ہو کہ سماج میں اخلاقی قدروں کا واقعی چلن اور صالح اصول حیات کی مخلصانہ پابندی کا جذبہ صرف منطقی دلائل یا وعظ و نصیحت سے نہیں پیدا کیا جاسکتا۔

حضرات! یہ ہیں وہ اہم اور سنگین مسائل جن سے پوری دنیا، ہمارا ملک، ہماری قوم اور ہماری ملت سبھی دوچار ہیں۔ آئیے غور کریں اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ غور کریں کہ ان پیچیدہ مسائل کو فی الواقع کیسے حل کیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلے میں ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ ان مسائل کے حل کے لیے بنیادی ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان ایک طرف تو اپنی اصل حیثیت اور اپنے اصل مقصد حیات کو سمجھے، اپنے خالق و پروردگار کی بندگی اختیار کرے اور آخرت کی جواب دہی کا دل میں زندہ شعور رکھے۔ دوسری طرف پوری نوع انسانی کو ایک کنبہ اور خدا کے بندوں پر مشتمل خاندان سمجھ کر زندگی گزارے۔ وہ دنیا کے جملہ وسائل کو اس خاندان کی مشترکہ متاع سمجھ کر برتنے پر آمادہ ہو۔ اس پر یہ حقیقت واضح ہو کہ ملکوں اور علاقوں کی جغرافیائی تقسیم صرف سہولت کا ذریعہ ہے۔ انسانی برادری کو حریف گروہوں میں بانٹ دینے کی بنیاد نہیں ہے۔ انسانیت کی اس وحدت کے لیے ایک پائدار بنیاد کی ضرورت ہے۔ یہ بنیاد وحدت اللہ کا تصور ہی فراہم کرسکتا ہے۔ لیکن وحدتِ اللہ کے اس تصور کو پوری طرح واضح ہونا چاہیے ورنہ اس کا مبہم تصور انسانی مسائل کی

گتھیوں کو سلجھا نہ سکے گا۔ وحدتِ الٰہ کا جامع اور واضح تصور یہ ہے کہ خدا کی وحدانیت پر یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ سارے انسان اسی کی پیروی اور اسی کے اقتدار اعلیٰ کے اعتراف ویقین پر مجتمع ہو جائیں۔ اسی صورت میں انسان دوسرے انسانوں پر حکم چلانے، ان کا استحصال کرنے اور ان کو اپنی اغراض کے لیے آلۂ کار بنانے سے باز آسکتا ہے۔ اسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ آزادی، مساوات اور اجتماعی عدل کے وہ نعرے عمل کا جامہ پہن کر سکیں جو ہر طرف لگائے جاتے رہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں عالم انسانی کا موجودہ فساد اسی وقت دور ہوسکتا ہے جب خدائے واحد کی ہدایات اور تعلیمات پر زندگی کی تعمیر نو کر لی جائے۔ خدا کی یہ ہدایات دنیا کے مختلف خطوں اور مختلف قوموں میں اس کے پیغمبروں کے ذریعے برابر آتی رہی ہیں۔ اسی سلسلے کی آخری کڑی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کا پیغام ساری انسانیت کے لیے تھا اور ہمیشہ کے لیے تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا:۲۸)

''ہم نے جو آپ کو بھیجا ہے تو سارے ہی انسانوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء:۱۰۷)

''ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے سراپا رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔''

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت الٰہی کے مطابق انسانی معاشرے کی جو تعمیر نو کی تھی اس میں ہر قوم اور ہر ملک کے لیے رہ نمائی کا پورا پورا سامان موجود ہے۔ وہ ایک مثالی نمونہ ہے بہتر انسانی سماج اور عادلانہ نظام حیات کا۔ یہ اس سماج کی بے نظیری اور اس نظام کی صالحیت ہی تھی جس نے آزادی سے کچھ دنوں پہلے گاندھی جی سے کہلوایا تھا کہ ہمارے ہونے والے وزیروں کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت کو نمونہ (آئیڈیل) کے طور پر سامنے رکھنا چاہیے۔ میں چاہوں گا کہ ملک کے ارباب حل وعقد وطن عزیز کو موجودہ پریشان کن حالات سے نکالنے اور اس کی بہترین تعمیر جدید کے لیے اسلام اور اسلامی تعلیمات کا کھلے ذہن سے جائزہ لیں۔

میرا یقین ہے کہ ملک کی تعمیر و ترقی اور اس کے باشندوں کی مجموعی فلاح کے لیے اسلام کی دکھائی ہوئی شاہراہ سے بہتر کوئی راہ نہیں ہوسکتی۔

امّتِ مسلمہ

اس موقع پر میرا ذہن آپ سے آپ امت مسلمہ کے مقصد وجود اور اس کی موجود حالت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ امت مسلمہ کسی نسلی یا وطنی قوم کا نام نہیں ہے۔ اس کا وجود اسلام سے ہے اور اس کا مقصد وجود یہ ہے کہ وہ اپنے قول و عمل سے اسلام کی شہادت دے۔ دنیا میں اللہ کی فرضیات کو قائم و نافذ کرے۔ نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

(البقرہ: ۱۴۳)

"اور اس طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا تا کہ تم انسانوں پر (دین حق کے) گواہ بنو۔"

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (آل عمران: ۱۱۰)

"تم بہترین امت ہو، انسانوں کے لیے برپا کیے گئے ہو۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

گویا اس امت کا یہ مشن تھا کہ وہ نوع انسانی کے سامنے اپنے اجتماعی کردار کے ذریعے دین حق کی ترجمانی کرے۔ یہاں چودہ سو سال کی تاریخ کا تفصیلی جائزہ لینا ممکن نہیں ہے۔ مگر اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ عرصہ دراز سے امت مسلمہ اپنے اس مشن سے غافل ہے۔ ایک عرصہ تک عالم اسلامی سیاسی طور پر مغلوب رہا۔ پھر جب آزادی ملی تو مغرب کا تہذیبی تسلط قائم رہا۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ کچھ عرصہ سے مسلمان قوموں کے اندر اپنے اسلامی تشخص اور امتیازی کردار کا احساس بیدار ہو رہا ہے اور وہ اس ذمہ داری کو محسوس کرنے لگے ہیں جو انسانیت عامہ تک اللہ کی ہدایت پہنچانے کے سلسلے میں ان پر عائد ہوتی ہے۔

مسلمانوں کو حقیقی اسلام کی طرف واپس لانے اور ان کا رشتہ کتاب وسنت کی رہ نمائی سے مضبوط جوڑنے کی کوشش پہلے چند مفکرین اور مجددین نے شروع کی۔ پھر گزشتہ نصف صدی میں متعدد اسلامی تحریکات اس دعوت کو لے کر آگے بڑھیں۔ انھوں نے وسیع پیمانے پر مسلمانوں میں اسلام کا صحیح علم عام کیا اور ان کے افکار واعمال میں جو چیزیں اسلامی تعلیمات کے منافی تھیں ان کی نشان دہی کی۔ انھوں نے امت کو اس کا یہ منصب یاد دلایا کہ وہ پوری دنیا میں بھلائی کے فروغ، برائی کے ازالہ اور اسلامی نظام حیات کے نفاذ پر مامور ہے۔ ان تحریکوں کو خود اپنوں کے ہاتھوں صدمہ پہنچا اور دوسروں نے بھی عرصہ تک ان کو صحیح طور پر نہیں سمجھا، مگر ان تحریکوں نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ آج عالمی رائے عامہ میں بھی اور ان تحریکوں کے متعلق مسلمان ملکوں کے طرز عمل میں بھی اعتدال پیدا ہو چلا ہے۔ جس کا بڑا سبب مسلمان عوام وخواص میں ان تحریکوں میں بڑھتی ہوئی مقبولیت ہے۔

یہ انہی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ پوری دنیا کے مسلمانوں میں اسلامی نظام زندگی کو سمجھنے اور عملی زندگی میں اسلامی تعلیمات کو اختیار کرنے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے اور مسلمان ملکوں میں اسلامی بنیادوں پر داخلی اصلاح کے ساتھ باہمی ربط وتعاون اور اسلامی اتحاد کا داعیہ پیدا ہو رہا ہے۔ متعدد ملکوں میں اسلامی فکر کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد ہوتی رہی ہیں اور مختلف ممالک میں ایسی انجمنیں اور ادارے قائم کیے جا رہے ہیں جن کا مقصد اسلامی افکار اور اقدار کی ترویج واشاعت ہے۔ یہ کوششیں اگر حقیقی اسلامی تعلیمات کے مطابق اعلیٰ اسلامی مقاصد کی خاطر انجام پاتی رہیں تو ان سے پوری انسانیت کا بھلا ہوگا۔ رابطہ عالم اسلامی ہو یا اسلامی سکریٹریٹ، انسانیت عامہ کے لیے ان کی افادیت واہمیت اس پہلو سے ہے کہ وہ مسلمان ملکوں کی داخلی اور خارجی سرگرمیوں کو اسلامی افکار واقدار کی ترویج کے لیے منظم کریں۔ اگر اسلامی ممالک اپنی معاشی ترقی کے لیے مغرب کے سرمایہ دارانہ طریقہ اور اشتراکیت کے جبر وآمریت پر مبنی لائحہ عمل کو مسترد کرتے ہوئے اسلام کی رہ نمائی میں کام کرنے کا فیصلہ کر لیں تو ان کی یہ مساعی پوری دنیا کے لیے بالعموم اور ایشیا اور افریقہ میں ان کے پڑوسی ممالک کے لیے بالخصوص مفید اور دوررس نتائج کی حامل ہوں گی۔ ایک اسلامی ترقیاتی بنک (Islamic

Development Bank) کا قیام جو سود سے پاک ہوگا اور شرکت وتعاون باہمی کے اصول پر مسلمان ملکوں اور گروہوں کی معاشی ترقی واستحکام کے لیے مالی وسائل فراہم کرے گا، یہی امید پیدا کرتا ہے۔ ہماری تمنا ہے کہ یہ ادارہ اور مذکورہ بالا دوسرے ادارے، امت مسلمہ کے عالمی مشن کے خادم بن کر کام کریں۔ اس مشن کا تقاضا ہے کہ اسلامی ممالک اپنی پڑوس میں بسنے والی ایشیا اور افریقہ کی دوسری پس ماندہ قوموں کی طرف بھی تعاون کا ہاتھ بڑھائیں۔ اگر وہ یہ طریقہ اختیار کریں گے تو ایک طرف توپڑوسی کے حق کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی عملی ترجمانی کریں گے اور دوسری طرف ان ممالک کے لیے یہ ممکن بنا دیں گے کہ وہ دونوں بلاکوں میں سے کسی کا کاسہ لیس ہوکر جینے کے بجائے اپنی محنت اور باہمی تعاون پر اعتماد کرکے آزادی کا سانس لے سکیں۔ اس طرح طنجہ سے جاکرتا تک پھیلے ہوئے اسلامی ممالک اوران کے درمیان اوران کے اردگرد آباد دوسرے ترقی پذیر ممالک ایک ہوکر اجنبی طاقتوں کے تسلط سے آزادی، ان پر معاشی انحصار سے بے نیازی اوران کی تہذیب سے انفعالی وابستگی سے نجات حاصل کرسکیں گے۔ عالمی سطح پر مغربی سرمایہ داری اور ملحدانہ اشتراکیت کے اثرات کو کم کرنے اور استعماری اور نو استعماری قوتوں کے جبر واستحصال کا مقابلہ کرنے کے لیے ایشیا اور افریقہ کی کم زور اور پسماندہ قوموں کے درمیان اتحاد وتعاون ناگزیر ہے۔ اسلامی ممالک کے درمیان اسلام کی بنیادوں پر اتحاد ان مشترکہ مقاصد کے لیے اس وسیع تر دائرہ میں اتحاد وتعاون کی طرف ایک اہم اور صحیح قدم بن سکتا ہے۔ آج عالمی امن کو، بالخصوص ایشیا اور افریقہ میں امن کو سب سے بڑا خطرہ اس مسئلہ سے درپیش ہے جسے استعماری طاقتوں نے صہیونیوں کی پشت پناہی کرکے اسرائیل کی صورت میں کھڑا کررکھا ہے۔ اس مسئلہ کے حل کی طرف حال میں جو کچھ پیش رفت ہوئی ہے وہ اسلامی اتحاد اور ایشیا اور افریقہ کے ممالک کی جانب سے اس متحدہ اسلامی موقف کی تائید وحمایت کا ثمرہ ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رباط کانفرنس میں تمام عرب ملکوں نے متفقہ طور پر تنظیم آزادی فلسطین (P.L.O) کو فلسطینی عوام کا واحد نمائندہ تسلیم کرکے سرزمین فلسطین کی بازیابی کے بعد اسے وہاں آزاد حکومت قائم کرنے کا مجاز قرار دینے کا جو فیصلہ کیا ہے اس پر عام طور پر اطمینان ومسرت کا اظہار کیا جارہا ہے۔ اب یہ امید ہو چلی ہے کہ ان شاء اللہ اسرائیل کو ان تمام

علاقوں کے خالی کرنے پر مجبور کیا جاسکے گا جن پر اس نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے ۔ان ہی علاقوں میں ساری دنیا کے مسلمانوں کا قبلہ اولیٰ بیت المقدس بھی شامل ہے جس کی بازیابی کے لیے ہم سب دعا گو ہیں اور اس کے لیے ہر ممکن اخلاقی اور مادی تعاون کے لیے تیار ہیں۔

اس وقت ہمارے درمیان دنیائے اسلام کے وہ معزز مہمان بھی تشریف فرما ہیں جو اس اجتماع میں شرکت کے لیے عرب ممالک اور مشرق بعید سے آئے ہوئے ہیں۔آپ حضرات بھی بخوبی واقف ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں نے ابتدا ہی سے مسئلہ فلسطین اور پھر قبلہ اولیٰ کی بازیابی کے مسئلے میں کتنی دلچسپی لی ہے۔ یہ امر بھی آپ اور ہم سب کے لیے باعث مسرت ہے کہ پورا ملک اس مسئلہ میں ہمارے اور آپ کے ساتھ ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ مشرق بعید میں انڈونیشیا اور ملیشیا جیسے ممالک بھی اسلامی رشتہ کو بنیاد بنا کر افریقہ اور مغربی ایشیا کے مسلمان ملکوں کے ساتھ معاشی اور ثقافتی تعلقات بڑھا رہے ہیں۔ مسلمان ممالک اپنے قدرتی وسائل سے منظم استفادہ اور باہمی تعاون کے ذریعے اپنے ضعف واحتیاج پر جس حد تک قابو پاسکیں گے اور بڑی طاقتوں پر ان کا انحصار جس حد تک کم ہو سکے گا اسی نسبت سے ان کے لیے داخلی اور خارجی طور پر آزادانہ پالیسیاں اختیار کرنا اور خود کو امت مسلمہ کے عالمی انسانی مشن کے لیے تیار کرنا ممکن ہو سکے گا۔

امت مسلمہ کو دنیا میں اسلام کی جو ترجمانی کرنی ہے اس کا حق صرف تقریروں، کتابوں اور کانفرنسوں کے ذریعے نہیں ادا کیا جاسکتا، بلکہ سب سے بڑی گواہی وہ عمل دے گا جسے مسلمان قومیں اختیار کریں گی۔ دنیا میں انسانی آبادی کا چھٹا حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اور ان کی تقریباً نصف تعداد ایسے ممالک میں آباد ہے جہاں کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے اور وہ چاہیں تو اپنے نظام تعلیم وتربیت اور سیاست ومعیشت کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔ وہ اپنے سماج کو اسلامی مساوات اور اجتماعی عدل کا نمونہ بنا سکتے ہیں۔ دوسری قوموں سے لین دین اور سیاسی ومعاشی تعلقات میں حق وانصاف کے ساتھ رحمت ومواسات اور دوسری اسلامی قدروں کو اپنا رہنما بنا سکتے ہیں۔

ہم یہ تمنا رکھتے ہیں کہ ہر مسلمان ملک اپنی ذمہ داری محسوس کرے اور اپنے اجتماعی نظام

کو قانون سازی، عدلیہ اور انتظامیہ سے لے کر سماجی عدل اور اجتماعی کفالت پر مبنی معاشی نظام تک ان کو اسلام کے مطابق ڈھال لے۔ ہمیں یقین ہے کہ اسلامی ممالک میں اسلامی نظام کا قیام اور اسلامی اصولوں پر ان ممالک کے درمیان ربط و اتحاد پوری دنیا کے لیے بالخصوص پڑوسی ممالک کے لیے باعث رحمت ثابت ہوگا۔

دنیا کے آدھے سے زیادہ مسلمان ایسے ممالک میں آباد ہیں جہاں آبادی کی غالب اکثریت دوسرے مذاہب رکھتی ہے۔ ان میں سب سے بڑا ملک خود ہمارا ملک ہے جہاں کے سات آٹھ کروڑ مسلمان دنیا میں مسلمانوں کی تیسری بڑی آبادی شمار ہوتے ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ ان مسلمانوں کی اسلامی ذمہ داریاں آزاد مسلم ممالک کے مسلمانوں سے کچھ کم نہیں بلکہ بعض اعتبار سے زیادہ نازک اور فیصلہ کن ہیں۔ دنیا کے عام انسانوں کا براہ راست ربط و تعلق زیادہ تر انہی مسلمانوں کے ساتھ ہے جو ہندوستان جیسے ممالک میں آباد ہیں جہاں مسلمان کم اور غیر مسلم زیادہ ہیں۔ اسلام کے بارے میں عام مسلمانوں کی رائے بنانے میں یقیناً ان مسلمانوں کے اعمال و افکار کو زیادہ دخل رہے گا۔ ان کو اس بات کے زیادہ مواقع حاصل ہیں کہ اپنے برادران وطن تک اسلام کی اعلیٰ تعلیمات پہنچائیں۔ وہ اپنے انفرادی و اجتماعی کردار کو ہدایت الٰہی کے مطابق ڈھال کر اور اسلامی اصولوں کی روشنی میں اپنے ملک اور سماج کی اصلاح و تعمیر میں بھرپور حصہ لے کر ایک طرف اپنا اسلامی فریضہ ادا کریں گے۔ دوسری طرف اہل ملک کو ان اصولوں کے برحق اور فلاح و بہبود کے ضامن ہونے پر مطمئن کر سکیں گے۔ اگر ہمارے پڑوسیوں کو ہمارے عملی نمونے سے، ہماری خدمات سے اور ملکی زندگی میں ہمارے رول سے یہ اطمینان ہو جائے کہ اسلامی اصول تمام انسانوں کے لیے باعث رحمت اور ملک کی صالح تعمیر میں مددگار و معاون ہیں تو وہ اسلامی دعوت کی طرف ہمدردانہ توجہ کریں گے اور ان اداروں کی جانب بھی ان کا رویہ زیادہ حقیقت پسندانہ ہوگا جو عالمی سطح پر اسلامی بنیادوں پر قائم کیے جائیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ماضی میں بھی اسلامی افکار و اقدار کی ترویج میں ہندوستانی مسلمانوں نے نمایاں حصہ لیا ہے اس لیے ان سے بجا طور پر حال میں بھی ایک امتیازی کردار کی توقع کی جاتی ہے۔

جماعت اسلامی ہند جس کا دائرہ کار دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت اور دنیا کی سب

سے بڑی مسلمان اقلیت ہے اس بات کا شعور رکھتی ہے کہ اس ملک میں ملت اسلامیہ کی جانب سے اسلام کی صحیح قولی وعملی شہادت پوری دنیا میں اسلام اور انسانیت کے مستقبل کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنی تمام کوششیں اس بات پر صرف کرتی رہی ہے کہ ایک طرف عام باشندگان ملک کے اندر اسلام کا صحیح تعارف ہو۔ دوسری طرف اسلام کی دعوت اور اسلامی اصول واقدار کو عملاً رواج دینے کے لیے مسلمانوں کو متحد ومنظم کیا جائے۔ اس مقصد کے تحت جماعت اسلامی ہند نے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اسلام پر وسیع لٹریچر تیار کر کے بڑے پیمانے پر اس کی اشاعت کی۔ مسلمانوں بالخصوص ان کی نئی نسلوں کی اصلاح اور تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا، درسی کتب شائع کیں، درس گاہیں قائم کیں، اساتذہ کی ٹریننگ کا بندوبست کیا۔ مسلمان محلوں اور ہمہ گیر سدھار کے جامع منصوبے بنائے اور عمومی طور پر مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کی اصلاح کی کوشش کی۔ اس نے مسلمانوں کے اندر اخوت اسلامی کا جذبہ بیدار کر کے پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے مسائل کا شعور پیدا کیا اور مسلمانان ہند کو مشترکہ امور کے لیے متحد ہونے پر آمادہ کیا۔ اس ذیل میں 'مسلم مجلس مشاورت' قابل ذکر ہے جس کے لیے جماعت اسلامی ہند نے بھرپور کوشش کی اور پورا تعاون کیا۔

جماعت اسلامی ہند کی ان تمام کوششوں کا مقصود یہ رہا ہے کہ ملت اسلامیہ ہند ہندوستان میں اسلام کی داعی وترجمان بن کر سامنے آسکے۔ یہ کام پوری ملت کا اشتراکِ عمل چاہتا ہے جس کے لیے ملی اتحاد کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ جماعت کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ فروعی اختلاف اور طریقۂ کار میں فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے ہر مسلک اور ہر جماعت کے مسلمانوں کے درمیان ربط وتعاون میں اضافہ ہو۔ اس نے ابتدائی تعلیم۔ مسلم پرسنل لا اور متعدد دوسرے مسائل کے ضمن میں ملی اتحاد واشتراک کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔ یہی نہیں جماعتی سطح پر بھی اس نے ہمیشہ تعاون کی پیش کش کی اور اہم کاموں میں ہر مکتب فکر کے مسلمان علماء اور زعماء کا تعاون چاہا ہے۔ اس اجتماع کے موقع پر بھی ہم نے مختلف مسلک کے علماء اور زعماء کو اہم ملی مسائل پر اظہارِ خیال کی دعوت دی ہے۔

ملت اسلامیہ ہند کی اجتماعی ذمہ داری صرف اس کے مردوں کی ذمہ داری نہیں۔

مسلمان عورتیں بھی دین کی دعوت واقامت کے اس مشن کی یکساں طور پر ذمہ دار ہیں اور یہ کام مردوں اور عورتوں دونوں کے تعاون واشتراک ہی سے انجام پاسکتا ہے۔

مگر یہ افسوس ناک حقیقت ہے کہ مختلف اسباب کے تحت مسلمان عورتیں ابھی تک اپنی قوتوں کو اسلامی تحریک میں اس درجہ نہیں لگاسکی ہیں جیسا کہ اس کا حق ہے۔ جماعت اسلامی ہند نے آغاز کار ہی سے مسلمان خواتین میں اسلام کا علم پھیلانے، ان میں دین کے کام کا حوصلہ پیدا کرنے اور انہیں تحریک کے لیے منظم جدو جہد پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ خواتین کی ایک قابل لحاظ تعداد رکن اور متفق کی حیثیت سے نظام جماعت میں شامل ہے اور ایک بڑی تعداد اجتماعات میں شرکت اور لٹریچر کے مطالعہ کے ذریعہ ہمارے کاموں میں شریک ہے۔ اس اجتماع میں بڑی تعداد میں خواتین کی شرکت سے یہ امید ہے کہ وہ آئندہ تحریک کے کاموں میں پہلے سے زیادہ حصہ لیں گی اور اس طرح تعمیر وترقی اور سماج میں اسلامی تعلیمات کی عملی ترجمانی کے کاموں میں موثر کردار ادا کریں گی۔ ملک وملت دونوں کے حالات متقاضی ہیں کہ خواتین جو ہماری آبادی کا نصف ہیں اپنی صلاحیتوں کا منظم استعمال عمل میں لا کر تحریک اسلامی کے کام کو زیادہ سے زیادہ آگے بڑھائیں۔

ہندوستانی ہونے کے ناتے قدرتی طور پر اپنے ملک کی پس ماندگی، پریشان حالی اور سیاسی انتشار ہمارے لیے باعث تشویش ہے۔ اس صورت حال کو بدلنا اور ملک کو معاشی ترقی، سیاسی استحکام، سماجی نظم، اخلاقی پاکیزگی اور روحانی سکون سے ہم کنار کرنا ہمارے اپنے مفاد کا بھی تقاضا ہے اور اس سے بڑھ یہ کہ ہمارا اسلامی فریضہ بھی ہے۔ دنیا میں ہندوستان کی اہمیت، اس کی عددی کثرت، ایشیا اور افریقہ کے ممالک میں اس کا جغرافیائی مقام اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہونا سب اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہم جس صالح عالمی نظام نو کے داعی ہیں اس کا اولین گہوارہ اپنے وطن عزیز کو بنانے کی کوشش کریں۔ جن لوگوں نے ہمارے جاری پروگرام اور پالیسی کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ہم نے اس ملک سے فقر وفاقہ اور مرض وجہالت وغیرہ دور کرنے کے ساتھ صالح اقدار حیات کی ترویج اور اخلاقی اصول حیات کی اشاعت کے ذریعہ ملک کی ہمہ جہتی تعمیر وارتقا کے لیے اپنی قوتوں کو صرف کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

ملک کی موجودہ صورت حال اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ کوششیں تیز تر کردی جائیں ہم انتہائی رنج وغم اور افسوس کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ ارباب حکومت کی ناقابل معافی کوتاہیوں کے سبب معاشی بحران انتظامیہ کی خرابیوں اور سیاسی انتشار میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ جس سے عوام کو سخت پریشانیوں کا سامنا ہے۔ ان حالات کے ردعمل میں ایسی تحریکیں جنم لے رہی ہیں جن کے مقاصد خواہ پسندیدہ ہوں مگر ان کا طریقہ کار اندیشے پیدا کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ جھنجھلاہٹ میں ایسے طریقوں کو آزمانے پر آمادہ ہیں جن کے نتائج پر انھوں نے پوری طرح غور نہیں کیا ہے۔ طالب علموں اور نوجوانوں کو تعلیم گاہیں چھوڑ کر نظم ونسق معطل کرنے کے لیے میدان میں اترنے کی دعوت دینا، فوری طور پر بعض سیاسی حصول کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اگر اس طرز کی عوامی تحریک عرصہ تک چلائی گئی تو انارکی کی کیفیت پیدا ہوسکتی ہے جو زیادہ خطرناک عزائم رکھنے والے کلیت پسند عناصر کے لیے راہ ہموار کرے گی۔ اس تحریک کے سیاق میں حکمراں قیادت اور اپوزیشن کی اونچی شخصیتوں کے درمیان تصادم کی جو کیفیت پیدا ہوگئی ہے وہ خوش آیند نہیں ہے۔ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری قوتیں باہمی آویزش کے بجائے باہمی اشتراک وتعاون کے ساتھ انتظامیہ کی اصلاح اور عوام کی پریشانیوں کو دور کرنے پر صرف ہوں۔

ہماری تمنا ہے کہ ملت اسلامیہ ہند ان نازک حالات میں اپنے فرائض کو پہچانے اور پوری قوت کے ساتھ ملک کے حالات کو مزید ابتری کا شکار ہونے سے بچائے۔ ہمارے نزدیک اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ سماج کی بنیادی اینٹوں، افراد اور آبادی کی ابتدائی اکائیوں، محلوں اور گاؤوں کے سدھار کی تدابیر اختیار کی جائیں جیسا کہ ہم نے پہلے واضح کیا ہے۔ کلیدی اہمیت وحدت الٰہ اور ہدایت الٰہی کی بنیاد پر وحدت انسان کے تصور اور جواب دہی کے احساس کو حاصل ہے۔ سیاسی نظام کی اصلاح اور عوامی احتساب کے ذریعے سیاسی دھاندلی اور کرپشن کا سدباب کرنے کی کوشش اسی صورت میں پائدار نتائج دکھلاسکتی ہیں، جب ان کے پیچھے یہ بنیادی اصلاح موجود ہو۔

طالب علم اور نوجوان کسی قوم کی توانائی کا اصل خزانہ اور اس کے مستقبل کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ ہندوستان کو اس بحران سے نکالنا ہو یا اس کی تعمیر وترقی کا کام، ملت اسلامیہ ہند کی

اصلاح وتربیت ہو یا اسے حقیقی معنے میں داعی گروہ بنا کر انسانیت کی خدمت میں مصروف کر دینے کی مہم، ہمارے طلبہ اور نو جوانوں کو اہم کردار ادا کرنا ہے۔ہم اپنے عزیز طلبہ کو تعلیم گاہوں سے نکل کر سڑکوں پر احتجاج اور مظاہرے کرنے کی دعوت نہیں دیتے مگر ان کو ان کی ذمہ داریاں ضرور یاد دلاتے ہیں۔اسی ذمہ داری کا تقاضا ہے کہ وہ جم کر علم حاصل کریں اور سب سے اہم علم اللہ تعالیٰ کی ہدایت ورہ نمائی کا علم ہے۔ساتھ ہی ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے اردگرد کے لیے روشنی کا چراغ بن کر رہیں۔جس سے اخلاق اور پاکیزگی کی کرنیں پھوٹیں اور صالح اقدار حیات کی روشنی پھیلے۔

جماعت نے منتخب بستیوں اور ملی جلی آبادیوں میں سوشل ورک کا جو جامع پروگرام دیا ہے وہ بھی عزیز طلبہ اور نو جوانوں کے فارغ اوقات کے لیے صالح سرگرمیوں کا وسیع میدان فراہم کرتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس اجتماع کے موقع پر طلبہ کا جو اہم اجتماع ہو رہا ہے وہ اس بات پر غور کرے گا کہ کس طرح ہمارے طلبہ اس بحرانی دور میں سماجی خدمت اور تعمیری جدو جہد کا اچھا نمونہ ملک کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

ہمیں اس بات کا دکھ ہے کہ آئے دن ہندوستان کے مسلمانوں کو بعض ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ان کی توجہات کو ملکی تعمیری کوششوں سے ہٹا کر مخصوص ملی مسائل میں الجھا دیتے ہیں۔ہماری رائے میں جو مسائل مسلمانوں کے اضطراب کا باعث ہیں ان کا حل بآسانی ممکن ہے۔بشرطیکہ ارباب اقتدار اور ملک کے دانشور وسیع النظری، فراخ حوصلگی، ہمت وجرأت اور حکمت سے کام لیں۔فسادات کا سد باب نہ ہوسکنا ارباب اقتدار کے تدبر وحکمت کے لیے کھلا چیلنج ہے۔اسی طرح مسلم پرسنل لا اور مسلم یونیورسٹی جیسے مسائل پر قانونی موشگافیوں کی بجائے اس اعتبار سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلمان کے ذہن سے اس خلش کو دور کر دینے کے قومی فوائد کتنے بڑے ہیں، جو ان مسائل کی وجہ سے آئے دن تازہ ہوتی رہتی ہے۔

ہم مسلمانوں سے برابر کہتے رہے ہیں اور ایک بار پھر کہتے ہیں کہ وہ اپنے مخصوص ملی مسائل کے حل کے لیے ملک کی رائے عامہ کو ساتھ لے کر مشترکہ جدو جہد کا طریقہ اختیار کریں، ان کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جن سے دوسری قوموں کو بھی سابقہ ہے اور ان کا دوررس

علاج اجتماعی سعی و جہد کا طلب گار ہے۔ بلاشبہ مسلمانوں کی پس ماندگی اور معاشی پستی اپنے مخصوص تاریخی اسباب رکھتی ہے جو اس امر کے متقاضی ہیں کہ ملکی سطح پر ان کی اٹھان کے لیے خصوصی اہتمام کیا جائے۔ جتنی جلد ملکی سطح پر اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ کی جاسکے گی اتنی ہی تیزی سے مسلمانوں کے لیے دوسرے شہریوں کے دوش بدوش ملکی تعمیر وترقی میں فعال حصہ لینا ممکن ہو سکے گا لیکن مسلمانوں کے داعیانہ مقام کا تقاضا ہے کہ ان کی توجہات اپنے ہی مسائل کے حل پر مرکوز نہ رہیں، ان پر ان کے پڑوسیوں کا حق ہے، پڑوسی کے عام حقوق کے ماسوا ملک کے حالات کا تقاضا ہے کہ ملت اسلامیہ ہند کے افراد ہندوستان کے عام باشندوں سے زیادہ سے زیادہ ربط وتعلق پیدا کر کے ان اہم مسائل کے حل میں حصہ لیں گے جن کے حل کے بغیر یہاں صالح اقدار حیات کی ترویج اور اعلیٰ اصول زندگی کی اشاعت کے کام میں رکاوٹ پیش آسکتی ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر جماعت اسلامی ہند نے اپنے جاری پروگرام میں غیر مسلم بھائیوں سے ربط بڑھانے اور ان کی آبادیوں میں ان کے ساتھ مل جل کر تعمیری کام کرنے کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے۔ میں اس بات پر اللہ کا شکر بجالاتا ہوں کہ ایک قابل لحاظ تعداد میں غیر مسلم بھائی رفاہی اور تعمیری کاموں میں ہمارے ساتھ عملاً تعاون کرنے کے ساتھ رسمی طور پر ہمارا معاون بننا قبول کر چکے ہیں۔ میں ان غیر مسلم بھائیوں کا خاص طور پر خیر مقدم کرتا ہوں جو اس اجتماع میں جماعت اسلامی ہند کے معاون کی حیثیت سے شرکت فرمارہے ہیں بحمداللہ اس سے پہلے بھی جماعت کے کل ہند اجتماعات میں غیر مسلم دوستوں کی ایک تعداد شریک ہوتی رہی ہے اور ہمارے پروگراموں میں دلچسپی لیتی رہی ہے۔ چنانچہ آج بھی ان کی خاصی بڑی تعداد شریک اجتماع ہے۔

امید ہے کہ وہ معاونین کے خصوصی اجتماع میں اس بات پر غور وفکر کریں گے کہ رفاہ عام کے کاموں اور سماجی خدمات کی تنظیم میں کس طرح زیادہ سے زیادہ پیش رفت کی جائے۔

یہ اجتماع جس میں ملک کے گوشے گوشے سے ہزاروں کی تعداد میں جماعت اسلامی ہند کے ارکان اور متفق مرد اور عورتیں شریک ہیں۔ بھاری تعداد میں لوگ جماعت سے کوئی رسمی تعلق نہ ہونے کے باوجود قریب سے دیکھنے اور اس کی دعوت اور پالیسی و پروگرام کو سمجھنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی ہندوستان سے باہر کے اسلامی مفکرین اور زعماء بھی شریک ہورہے ہیں

ہیں۔ اور ان سب کے ساتھ غیر مسلم بھائیوں کی بھی خاصی تعداد معاون یا مشاہد کی حیثیت سے شریک ہے۔ اس بات پر گواہ ہے کہ ہم جو کام لے کر اٹھے ہیں وہ سب کی دلچسپی کا کام ہے۔ ہمیں اس بات کا شعور ہے کہ بہت سی دوسری جماعتیں اور حلقے بھی بعض ان مقاصد کے لیے کام کررہے ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور ہم نے ہمیشہ ان کو اپنا تعاون پیش کیا ہے۔ ہم بلا امتیاز مذہب وملت ہر اس جماعت یا فرد سے تعاون کے لیے آمادہ ہیں، جو بھلائی کے فروغ اور برائی کے ازالے کے لیے کوشاں ہو۔ اس طرح ہم ہر مذہب وملت کے لوگوں کو ان تعمیری کاموں میں اپنے ساتھ تعاون کرنے کی دعوت دیتے ہیں جن کو ہم نے اللہ کے دین کی تعلیمات کی روشنی میں انسانوں کی فلاح وبہبود کے لیے اپنے پروگرام میں شامل کیا ہے۔ آج اس مجمع میں ہر طرح کے لوگوں کا موجود ہونا ہمارے اندر یہ اطمینان پیدا کرتا ہے کہ اللہ کے فضل سے اس کے دین کے ادنیٰ کارکنوں پر خلق خدا کا اعتماد بڑھ رہا ہے اور وہ بے جا غلط فہمیاں دور ہو رہی ہیں جو عرصہ تک اہل ملک اور ہمارے درمیان حجاب کا کام کرتی رہی ہیں۔

مجھے اس موقع پر جماعت اسلامی ہند کے کارکنوں سے خاص طور پر اس بات کی اپیل کرنی ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کر کے اپنی نیک نیتی اور مخلصانہ خدمت کی متاع لے کر بے جھجک پورے ملک میں مصروف عمل ہو جائیں۔ مگر اس طرح کہ ان کا انفرادی کردار، ان کی خاندانی زندگی، ان کا لین دین، ان کے روزمرہ کے معاملات اور ان کی اجتماعی سرگرمیاں اسلامی تعلیمات کی عملی ترجمانی کررہی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی غلط پروپیگنڈہ، اخلاص اور خدمت کی راہ میں روک نہ بن سکے گا اور پروردگار عالم کی ہدایات پر مشتمل ہماری دعوت اور اقامت دین کی جدوجہد آگے بڑھ سکے گی۔ اور ملک وملت نیز انسانیت عامہ کے لیے خیر وبرکت کا موجب بنے گی۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو اپنا فرض پہچاننے اور بغیر کسی کوتاہی کے اسے بجالانے کی توفیق دے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ انسانوں کے دل ودماغ کو اپنے دین کی دعوت کے لیے کھول دے۔ ہماری کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ آمین!

دعوت اسلامی کے مطالبات

اپنے کارکنوں سے

مولانا صدرالدین اصلاحی

محترم حاضرین!

دنیا کی ہر تحریک اپنا ایک خاص نصب العین ، ایک متعین منزل مقصود اور ایک آخری ہدف رکھتی ہے اور جس نوعیت کا یہ نصب العین ہوتا ہے اسی نوعیت کی فکری اور عملی صفات رکھنے والے کارکن بھی اسے درکار ہوتے ہیں۔ یہ کارکن کسی بھی تحریک کی اولین ضرورت ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ تحریکوں کی کام یابی جن باتوں پر موقوف ہوتی ہے ان میں سب سے پہلا مقام ایسے ہی کارکنوں اور ان کی ان ہی صفات کو حاصل ہے۔ واضح تر لفظوں میں یہ کہ اپنے کارکنوں کی یہی صفات تحریک کا سرمایہ ہوا کرتی ہیں۔ اچھی سے اچھی تحریکیں بھی کس مپرسی اور نامرادی کا شکار ہو کر دم توڑ دیا کرتی ہیں۔ اگر ان کے پاس حیات و بقا کا یہ سرمایہ موجود نہ ہو اور نامعقول سے نامعقول تحریکیں بھی قوموں اور مملکتوں کو مسخر کر لیتی ہیں اگر ان کے علم بردار اور کارکن ضروری صفات اور صلاحیتوں سے مسلح ہوں۔ جہاں تک دینی دعوتوں اور اسلامی تحریکوں کا تعلق ہے معلوم رہنا چاہیے کہ یہ قانون یا یہ قانونِ قدرت ان کے احترام میں کچھ نرم نہیں پڑ جاتا۔ بلکہ شاید کچھ اور سخت ہی ہو جاتا ہے۔ ان کے لیے زندگی اور کام یابی کی راہیں اسی وقت ہموار ہو سکتی ہیں جب ان کے کارکن فکر و عمل کے ایک خاص سانچے میں پوری طرح ڈھلے ہوتے ہیں۔ کسی اسلامی تحریک کے ارد گرد لوگوں کی کتنی ہی بڑی بھیڑ کیوں نہ اکٹھی ہو جائے لیکن ان

کے پاس اگر وہ نگاہ نہ ہو جو ایک داعیِ حق کی نگاہ ہوتی ہے، نہ وہ دل ہو جو ایک سچے مومن کے سینے میں پایا جاتا ہے تو یہ جم غفیر اس کے لیے کسی خیر کا موجب ہرگز نہیں بن سکتا۔ ایسی تحریکوں کے لیے یا سسک کر دم توڑ دینا ہوتا ہے یا ایسی وادیوں میں جا بھٹکنا جن میں سے ہو کر گزرنے والی کوئی راہ بھی احیاء اسلام اور اقامت دین کی منزل تک پہنچانے والی نہیں ہوئی؟

جس چیز کی اتنی اہمیت ہو جس کے وجود اور عدم کے معنے تحریکوں کی موت اور زندگی کے ہوں، بتانے کی ضرورت نہیں کہ اسے پوری طرح واضح اور اس کی اہمیت سے اچھی طرح واقف رہنا بالکل ناگزیر ہوگا۔ آیئے، اس موقع پر جب کہ ہم ایک دینی دعوت اور اسلامی تحریک ہی کے پیغام کو سننے اور سمجھنے کے لیے جمع ہوئے ہیں، جائزہ لے کر دیکھیں کہ وہ صفات کون سی ہیں جن پر کسی فرد کا داعی حق ہونا اور کسی اسلامی تحریک کا کام یاب ہونا موقوف ہے؟

اس سوال کا چند لفظی جواب تو یہ ہے کہ یہ صفات بلا کم و کاست وہی ہیں جو ایک سچے مسلمان اور قرآن کے مرد مومن میں پائی جانی چاہیں۔ ان صفات کی پوری تفصیلات خدا کی کتاب اور رسول خدا کے ارشادات میں موجود ہیں اور ان کی عملی شرح ان داعیان حق کا عمل کرتا ہے جنھیں دنیا حواریین اور اصحاب رسول کے نام سے جانتی ہے۔ ان صفات کی فہرست چونکہ کافی طویل ہے اور ان سب کی تفصیل کے لیے پورا ایک دفتر بھی کفایت نہیں کرسکتا۔ اس لیے اس مختصر سی صحبت میں صرف چند منتخب اور بنیادی صفات ہی پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ منتخب صفات ایسی ہوں گی جو نہ صرف یہ کہ بجائے خود بنیادی اور غیر معمولی اہمیت کی مالک ہیں بلکہ باقی دوسری صفات کے لیے بھی سرچشمۂ حیات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان ساری صفتوں کی وضاحت اور یاددہانی حقیقتاً ان ساری صفتوں کی یاددہانی کے ہم معنی ہوگی جن کا مطالبہ دعوت اسلامی اپنے کارکنوں سے رکھتی ہے۔

ان بنیادی اور غیر معمولی طور پر اہم صفات میں سے کچھ کا تعلق تو فکر و نظر سے ہے اور کچھ کا سیرت و کردار سے۔ یہاں مناسب ہوگا کہ پہلے ان صفات کو لیا جائے جو فکری نوعیت کی ہیں۔

۱۔ نصب العین کا گہرا یقین

پہلی صفت جس کا دعوت اسلامی کے کارکنوں اور علم برداروں میں پایا جانا ازبس ضروری

ہے۔ اپنے نصب العین کے بارے میں ذہن کی مکمل یک سوئی اور قلب کا پورا اطمینان ہے۔ ایسی یک سوئی جسے حالات کا کوئی دباؤ درہم برہم نہ کر سکے اور ایسا اطمینان جو ہر آن تازہ و توانا رہے اور ماحول کی کوئی ترغیب اور وقت کی کوئی مصلحت اسے متاثر نہ کر سکے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ کسی دعوت کو برحق اور اس کے نصب العین کو اپنا نصب العین تسلیم کر لینا ایک بات ہے اور انہیں پورے شرح صدر کے ساتھ برابر تسلیم کیے رہنا بالکل دوسری بات ہے۔ کسی بھی ذہنی فیصلے اور قائم کیے ہوئے یقین کے بارے میں یہ اطمینان نہیں رکھا جا سکتا کہ اب وہ کبھی بے یقینی یا کم یقینی سے بدل نہ سکے گا۔ بلاشبہ انسان اللہ کے دین کی نصرت اور اقامت کو اپنا فریضۂ حیات قرار دینے کا فیصلہ پورے اخلاص اور عزم سے کرتا ہے، مگر ساتھ ہی ایسے عوامل بھی اس کے تعاقب میں لگ جاتے ہیں جو اسے اس نصب العین کی طرف سے شک اور تردد میں مبتلا کر دینا چاہتے ہیں۔ ان کی اس کوشش کی کام یابی کے امکانات سب سے زیادہ اس وقت ہوتے ہیں جب دعوت مسلسل بے توجہی اور نامقبولیت کے دور سے گزر رہی ہو، اس کی آواز ماحول کے لیے یکسر نامانوس اور اس کے ماننے والے بس خال خال ہوں۔ اس حقیقت کا سراغ ہمیں خود قرآنی دعوت کی سرگزشت میں بھی ملتا ہے۔ قرآن مجید کی ان ہدایات کا غور سے جائزہ لیجیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے آپ کے اصحاب کو دی گئی تھیں۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ (البقرہ: ۱۴۷)

"یہی حق ہے تمہارے رب کی جانب سے۔ پس تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔"

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ (یونس: ۹۴)

"پس اے محمدؐ! اگر تمھیں اس چیز کے بارے میں کوئی شک ہو جسے ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تو اس کے متعلق ان لوگوں سے پوچھ لو جو تم سے پہلے کتاب الٰہی پڑھتے رہے ہیں۔ یقیناً یہ حق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔ تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔"

ان ہدایات اور تنبیہات کے پس منظر میں واضح طور پر ردو انکار بھری وہ فضا تھی جو دعوت قرآنی پر ایک مدت تک چھائی ہوئی تھی۔ یہ ہدایات بتاتی ہیں کہ اگر سورج جیسی روشن حقیقت

کا بھی ہر طرف سے انکار کیا جا رہا ہو اور اس انکار میں عوام و خواص اپنے اور بیگانے واقف اور ناواقف سبھی شریک ہوں تو آدمی کو بسا اوقات خود اپنی آنکھوں پر شبہ ہو جاتا ہے۔ حضرات صحابہؓ کو یہ ہدایات ایسے ہی حالات میں اور انسانی نفسیات کے اسی پہلو کے پیش نظر دی گئی تھیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب صحابہ کرامؓ جیسے ایمان و یقین کے پیکر بھی اس امکان سے یکسر بالاتر نہ تھے کہ فضا کی تاریکی ان پر شک و تردد کی پرچھائیاں ڈال دے۔ حالانکہ وحی الٰہی کے انوار وہ براہ راست اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے تو آج ایمان و یقین کے اس دور زوال میں اس امکانی اندیشے سے کیسے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ صورت حال اس وقت یہ ہے کہ مغرب کی مادی تہذیب پوری قوت کے ساتھ دنیا پر مسلط ہے۔ انسانیت کا قافلہ چاروناچار اسی کی قیادت میں سفر کر رہا ہے اور اس کے بطن سے نکلے ہوئے نظام مغرب اور مشرق ہر طرف قبول عام حاصل کیے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف اسلام کے پیرووں کا اپنا حال بالعموم یہ ہے کہ ان کے لیے وہ دین نظری طور پر بھی پوری طرح مانوس نہیں رہ گیا ہے جس کی وضاحت خدا کی کتاب اور رسول خدا کی سنت کرتی ہے اور جہاں تک عمل و اتباع کا، اس دین کی مکمل پیروی اور اقامت کا سوال ہے اسے تو گویا بڑی حد تک عملاً فراموش ہی کر دیا گیا ہے اور اگر کبھی اس کا احساس کروٹ لیتا بھی ہے تو خوش نما تاویلات اور رنگا رنگ توجیہات کا سحر اسے پھر گہری نیند سلا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس طرح کے اقدامات کو ناعاقبت اندیشی اور بے دانشی ٹھیرا دینے میں بھی تامل نہیں کیا جاتا۔ ایسے ناسازگار اور حوصلہ شکن حالات میں دعوت اسلامی کے نصب العین پر اپنے یقین کی شمع روشن رکھنا کوئی آسان بات نہیں۔ یہ دراصل طوفانی سمندر میں اپنے حواس کو مجتمع رکھنے اور اپنی چھوٹی سی کشتی کو موجوں اور چٹانوں سے محفوظ بچا لے جانے کی مردافگن مہم ہے۔ دعوت اسلامی کے ہر کارکن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس مہم سے آگاہ بھی رہے اور اسے کامیابی سے سر کرنے کے لیے تیار بھی رہے۔

۲۔ موقف کی استقامت

دوسرا ضروری اور بنیادی وصف جس پر داعیانہ زندگی کی بقا موقوف ہے۔ فکر و نظر کی صلابت اور موقف کی استقامت ہے۔ دعوت حق کا حق ادا اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کے علم بردار اپنے اصولوں میں کسی ترمیم اور کسر و انکسار کے بالکل روادار نہ ہوں، دین کی اقامت کی سیدھی شاہراہ پر قدم مضبوطی سے جمائے چل رہے ہوں اور اپنے موقف کے کھلے ہوئے تقاضوں

کو زمانے کی کسی ترغیب اور دعوت مصالحت پر قربان نہ کریں۔ اس سلسلے میں اس ابدی حقیقت کو کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ اس دین کا اور اس دعوت کا مزاج ہی مصالحت نا آشنا نہیں ہے بلکہ اس کی کام یابی کا انحصار بھی مصالحانہ رویے سے گریز پر ہے۔ مصالحت سے میری مراد یہاں وہ مصالحت نہیں ہے جو ایمان کی کمزوری اور ہمت کی پستی، دنیا کی محبت اور مفادات کی کشش کا نتیجہ ہوا کرتی ہے کیونکہ ایسی دناءت کا اندیشہ دعوت حق کا علم اٹھانے والوں سے رکھا ہی نہیں جا سکتا۔ ان کے بارے میں اندیشہ اگر کیا جا سکتا ہے تو صرف اس مصالحت کا جو دنیا اور نفس کی خاطر نہیں بلکہ کم نظری کی بنا پر خود دعوت حق ہی کے مفاد کی خاطر کرلی جائے۔ جس کی بنیاد نیت کے کھوٹ اور نفس کی اکساہٹ پر نہیں بلکہ اپنے ارادے کی حد تک حسن نیت اور جذبۂ خیر ہی پر ہو۔ اس خطرے کا امکان اس وقت پیدا ہوتا ہے جب داعی کے ذہن میں یہ خیال گردش کرنے لگے کہ اگر دین و ایمان کے بے لچک اصولوں میں اس وقت عارضی طور پر تھوڑی سی لچک پیدا کرلی جائے تو ایک طرف دعوت کے خلاف اٹھنے والا طوفان تھم جائے گا۔

دوسری طرف دعوت کے لیے ترقی اور مقبولیت کی راہیں بھی کھل جائیں گی۔ جیسا کہ ابھی عرض کر چکا۔ یہ انداز فکر کسی مرعوب اور فراری ذہنیت کی پیداوار نہیں ہوتا، بلکہ اپنے شعور کی حد تک خود نصب العین ہی کے مفاد کی خاطر اختیار کرلیا جاتا ہے اور اس کا محرک اہل دعوت کی وہ حرص ہوتی ہے جسے وہ دعوت کے فروغ کے سلسلے میں فطری طور پر رکھتے ہیں۔ اس حرص کے غیر معمولی دباؤ میں جب ان کی فکری استقامت اور دور بینی پر عجلت پسندی اپنا سایہ ڈال دیتی ہے تو سوچنے کا یہ انداز وجود میں آجاتا ہے اور اس طرح خود خیر پسندی کے نام پر خیر کی حقیقی منزل کا سراغ گم ہونے لگتا ہے۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حق کی راہ مار دینے والے فتنوں میں یہ سب سے زیادہ خطرناک فتنہ ہے۔ یہ ایسا دام ہم رنگ زمیں ہے جس سے محفوظ رہنا ایمان کی فراست اور فکر و نظر کی استقامت کے بغیر ممکن نہیں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی اگر کسی اور کی نہیں خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی سرگزشتوں پر ایک نظر ڈالی جائے۔ آپ کو اپنے مختلف دعوتی مراحل میں جن حالات سے سابقہ پیش آیا ان میں سے ایک خاص صورت حال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا تبصرہ قرآن کے اندر ان لفظوں میں موجود ہے:

وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ عَنِ الَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِىَ عَلَيۡنَا غَيۡرَهٗ ‌ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ خَلِيۡلًا ۝ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدْتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ شَيۡـئًا قَلِيۡلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۷۳، ۷۴)

"قریب تھا کہ یہ لوگ تمھیں فتنہ میں مبتلا کر کے اس ہدایت کی طرف سے پھیر دیں جس کی ہم نے تم پر وحی کی ہے، تا کہ تم ہماری طرف کچھ اور ہی باتیں منسوب کر دو۔ اس وقت یہ لوگ تمھیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے اور اگر ہم تمھیں ثابت قدم نہ رکھتے تو کچھ نہ کچھ تم ان کی طرف ضرور جھک پڑے ہوتے۔"

اس تبصرے کے الفاظ خود بتاتے ہیں کہ اس کا تعلق اسی طرح کی صورت حال سے تھا جس کی طرف میں اس وقت آپ کو توجہ دلا رہا ہوں۔ یہ وہ وقت تھا جب مخالف کیمپ کو محسوس ہو گیا تھا کہ اب کوئی بھی متشددانہ کارروائی اس دعوت کو آگے بڑھتے رہنے سے روک نہیں سکتی۔ اس وقت مخالفین نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنا محاذ جنگ بدل دینا چاہا، ظلم وتشدد کی جگہ صلح ومصالحت کی تدبیروں سے کام نکالنے کی کوشش کی، پیش کش کی گئی کہ اس دعوت کو تھوڑا سا معتدل بنا دیا جائے تو ہم بھی اپنی مخالفانہ سرگرمیاں بند کر دیں گے۔ اس پیش کش نے جیسا کہ لَقَدۡ كِدْتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ شَيۡـئًا قَلِيۡلًا کے الفاظ بتاتے ہیں، آپ کو ایک طرح کی الجھن میں مبتلا کر دیا۔ ایک طرف تو رسالت کی ذمہ داریوں کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی آیا ہے اسے اس کے بندوں تک بلا کم وکاست پہنچا دیا جائے اور اس میں کسی بھی مصلحت کی خاطر ذرہ برابر ترمیم نہ کی جائے۔ دوسری طرف اپنی قوم کے ایمان کے بارے میں آپ کی حد سے بڑھی ہوئی تمنا تھی جس کی بنا پر آپ ہر اس ممکن تدبیر اور مناسب موقع سے فائدہ اٹھانے پر آمادہ رہا کرتے تھے جس سے اس پاک آرزو کے بر آنے کی توقع ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اس پیش کش سے آپ یک گونہ تردد میں پڑ گئے اور یہ محض اللہ کی غیبی حفاظت تھی جس نے آپ کو اس تردد محض کی حالت سے آگے نہ بڑھنے دیا اور آپ کے قدموں کو حق کے موقف پر مضبوطی سے جمائے رکھا۔

سوچیے اور بار بار سوچیے کہ خیر کا جامہ پہن کر نمودار ہونے والا یہ شر کتنا خطرناک ہے اور ہم جیسے کمزور انسانوں کو اس کے حملوں سے بچے رہنے کے لیے کتنی ہوشمندی اور کتنی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور حفاظت کے بغیر پیغمبر کے لیے بھی اس کے

بچھائے ہوئے جال سے دھوکہ کھا جانے کا امکان ہوسکتا تھا تو آج ہم اس کی طرف سے بے فکر اور مطمئن کیسے رہ سکتے ہیں۔ پس دعوت اور اس کے کارکن اس امر کے سخت محتاج ہیں اور برابر رہیں گے کہ ان کے دل و دماغ اس خیر نما شر سے اپنے کو بچائے رکھنے کا پورا اہتمام رکھیں اور ان کے موقف میں کوئی کمزوری نہ آنے پائے۔

اس اہم ایمانی صفت کی کیفیتِ مطلوب جس کی اس وقت آپ کو یاددہانی کرائی جارہی ہے۔ پوری طرح سمجھ میں آجائے گی اگر دعوت محمدی کے ایک ناقابل فراموش واقعہ کو سامنے رکھ لیں جو مکی دور میں پیش آیا تھا۔ قریش نے ابوطالب کے توسط سے آپ کے سامنے یہ مصالحانہ پیش کش رکھی کہ آپ اپنے دین اور عقیدۂ توحید کی تبلیغ جس طرح چاہیں کرتے رہیں، مگر ہمارے عقائد کی تردید سے صرف نظر کرلیں۔ ہم آپ کے قدموں میں دولت کا انبار ہی نہیں لگادیں گے بلکہ اپنا حکمراں بھی تسلیم کرلیں گے۔ کوئی شبہ نہیں کہ عام انسان کے نقطۂ نگاہ سے یہ پیش کش انتہائی پرکشش تھی۔ وہ اسے کسی ذاتی مفاد کی خاطر نہیں بلکہ عین اپنی دعوت کے مفاد کے لیے ایک خداداد موقع سمجھ سکتا تھا۔ مصلحت شناسی اسے سمجھا سکتی تھی کہ اس ملنے والے اقتدار سے کام لے کر میں اپنی دعوت کو بڑی آسانی اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھا سکوں گا اور یہ سوچ کر وہ اس پیش کش کو لپک کر قبول کرلیتا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اس پیش کش کے جواب میں آں حضرتؐ نے کیا فرمایا؟ فرمایا کہ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں جب بھی میں اپنی دعوت اور اپنی دعوتی سرگرمیوں سے باز نہ آؤں گا۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ جواب جوش اور تمکنت کا جواب نہ تھا بلکہ پیغمبرانہ بصیرت کا جواب تھا۔ یہ اس حقیقت شناسی کا جواب تھا کہ حق کی دعوت اگر صرف ایجابی پہلو تک محدود رکھی گئی تو وہ اپنی اصل معنویت برقرار نہ رکھ سکے گی اور باطل سے مصالحت کرنا دراصل اپنی دعوت کے قتل نامے پر دستخط کردینا ہے۔

ضرورت ہے کہ دعوت کے علم بردار اس سبق کو بھی ہمیشہ یاد رکھیں، جو قریش کی اس پیش کش سے ملتا ہے اور حق کی فطرت کے اس تقاضے کو بھی ذہن نشین رکھیں جو اللہ کے رسول کے اس جواب سے واضح ہوتا ہے۔ آج کے حالات میں اس حزم و احتیاط کی ضرورت کچھ کم نہیں ہوگئی ہے بلکہ کچھ بڑھ ہی گئی ہے کیونکہ اب ان کی نوعیت بڑی پیچیدگی اختیار کرگئی ہے۔ دور نبوت میں معاملہ اسلام کے کھلے ہوئے منکروں اور مخالفوں سے تھا، مگر آج سابقہ غیروں اور

اپنوں سبھی سے ہے۔ مخالفین کی دعوت مصالحت کا بھانپ لینا پھر بھی آسان رہتا ہے لیکن اپنوں کے مصالحانہ مطالبات سے عہدہ برآ ہونا بڑا مشکل اور نازک مسئلہ ہے۔ آج فکر و عمل کے متعدد دھارے بہہ رہے ہیں۔ کوئی وطنی ہے، کوئی قومی، کوئی ملی ہے اور کوئی تہذیبی اور ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ سب اس میں آشامل ہوں۔ یہ مختلف دھارے دوسروں کی طرح دعوت اسلامی اور اس کے کارکنوں سے بھی انضمام کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور بسا اوقات بڑے مؤثر دلائل کے ساتھ کر سکتے ہیں، ان کی ایمانی فراست اور فکری استقامت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایسے وقت میں اپنے موقف پر کوئی حرف نہ آنے دیں۔ ان کے موقف کا تقاضا ان مقبول عام دھاروں میں خود بھی جا شامل ہونا نہیں ہے بلکہ ان کے رخوں کو موڑ دینا ہے۔ یہ صرف دعوتی موقف ہی کا تقاضا نہیں ہے بلکہ خود ملک اور ملت کے ساتھ سچی وفاداری اور حقیقی بہی خواہی کا بھی یہی تقاضا ہے۔

۳۔ صبر اور مستقل مزاجی

تیسری اہم صفت صبر اور مستقل مزاجی کی ہے۔ داعی کے قلب کو اتنا مضبوط ہونا چاہیے کہ حالات کی کوئی ناسازگاری اس کے عزم سفر کو مفلوج نہ کر سکے۔ یہ ناسازگاریاں بنیادی طور پر دو قسم کی ہوتی ہیں۔ پہلی قسم میں وہ مشکلات اور مصائب شامل ہیں جو دعوتی فریضہ کی انجام دہی کی وجہ سے پیش آئیں۔ دوسری قسم اس ناسازگاری کی ہے جو دعوت کی ظاہری ناکامی کی شکل میں سامنے آئے۔ جہاں تک مصائب و مشکلات کا تعلق ہے ان کا راہِ حق میں پیش آنا اللہ کے قانون آزمائش نے ہمیشہ سے مقدر کر رکھا ہے اور ان سے کترا کر نکل جانا کسی مخلص داعی گروہ یا فرد کے لیے ممکن ہی نہیں۔ اللہ کے اس قانون آزمائش کے پیچھے جو حکمتیں کام کر رہی ہیں اور جس طرح کی آزمائشیں اہل حق کو پیش آتی ہیں ان کی تفصیل قرآن کے اوراق میں ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ یہاں میں آپ کی توجہ صرف اس امر کی طرف مبذول کرانے پر اکتفا کروں گا کہ یہ قانون آزمائش بدستور نافذ ہے اور آج بھی دعوت اقامت دین کا راستہ خارزاروں ہی سے ہو کر گزرے گا۔ اس لیے جو لوگ اس کام کے لیے آگے بڑھے ہوں ضروری ہے کہ ان کے اندر بہت کچھ جھیل جانے کا بوتا ہو، وہ چوٹیں کھا کر اگر مسکرا نہ سکیں تو کم از کم اتنا ضرور ہو کہ کراہ کر بیٹھ بھی نہ جائیں۔ وہ اگر زمانہ کے حوادث کو حقارت سے ٹھکرا نہ سکیں تو کم از کم ایسا تو بہر حال ہو کہ

ان کے آگے سپر انداز بھی نہ ہو جائیں۔

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں کہ انسان کے اندر یہ طاقت برداشت ضرور پیدا ہو کر رہتی ہے اگر وہ اپنے عہد بندگی میں مخلص ہو کہ یہ تھوڑا بہت کھوناوہ بہت کچھ پانے کے لیے کر رہا ہے۔ اس کے شعور پر فلاح آخرت کی طلب پوری طرح چھائی ہوئی ہو اور وہ سمجھتا ہو کہ اللہ کی رضا کتنی بیش قیمت چیز ہے۔

جس طرح داعی کو مصائب اور مشکلات سے ہار نہیں ماننا چاہیے۔ اسی طرح اسے دعوت کی ظاہری ناکامیوں سے بددل اور شکستہ خاطر بھی نہ ہونا چاہیے بلکہ نتائج کی پروا کیے بغیر اپنے کام میں برابر لگے رہنا چاہیے۔ بلاشبہ فطرت بشری یہی ہے کہ آدمی اپنی کوششوں کو کامیاب دیکھ کر مزید تیز کام ہو جاتا ہے اور انہیں ناکام پا کر حوصلہ ہار بیٹھتا ہے۔ لیکن یہ بشری فطرت کا خاصہ ہے۔ ایمانی اور دعوتی فطرت کا نہیں۔ ایمانی اور دعوتی فطرت تو یہ ہے کہ انسان ظاہری کامیابیوں اور ناکامیوں سے بلند ہو کر رہے اور اللہ کے بندوں تک اس کا پیغام اعلان کے ساتھ بھی اور اسرار کے ساتھ بھی، حکمت و موعظت کے ساتھ بھی اور جدال احسن کے ساتھ بھی ہر ممکن طریقہ اور تدبیر سے برابر پہنچاتا ہی رہے۔ اگر اس کی آواز کے لیے دلوں کے دروازے نہ کھل رہے ہوں تو یہ صورت حال اس کے بددل اور خاموش ہو رہنے کا نہیں بلکہ مزید اضطراب کا موجب بن جائے گا۔ وہ ہمیشہ یاد رکھے کہ اس کی دعوت جن دعوتوں کی صدائے بازگشت ہے ان کے اولوالعزم سربراہوں نے اس کے لیے یہی اسوہ چھوڑا ہے۔ چنانچہ یہ قرآن پاک ہی کا بیان ہے کہ اللہ کے ایک پیغمبر نے سال دو سال نہیں پورے ساڑھے نو سو برس اس مجاہدے میں گزارے تھے۔ یہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے کہ کتنے ہی پیغمبر ایسے گزرے ہیں جن کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تعداد چند سے زیادہ نہ تھی اور بعض پر ایمان لانے والے بس ایک ہی دو تھے حتیٰ کہ بعض ایسے بھی تھے جو زندگی بھر لوگوں کو حق کی طرف بلاتے رہے اگرچہ ایک شخص نے بھی ان کی سن کر نہ دی۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت وعزیمت کے صفحات اس حقیقت کو پوری طرح سمجھا دینے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ حق کا داعی دعوت کی ظاہری ناکامی سے چاہے متفکر اور مضطرب جس قدر بھی ہو، مگر وہ مایوس اور بددل ہو کر خاموش بیٹھ نہیں رہا۔ یہ

اس لیے کہ دعوت کی ظاہری ناکامی داعی کی اپنی ناکامی کے ہم معنی ہرگز نہیں ہے۔ اس کے برخلاف یہ عین ممکن ہے کہ دعوت کی سوفی صدناکامی کے باوجود داعی اپنی اصل غایت مقصود کے لحاظ سے سوفی صد کامیاب رہے۔ کیوں کہ اس کی اصل غایت مقصود لوگوں کے اندر ایمان کا اتار دینا اور زمین کے اوپر نظام حق کا قائم کر دینا نہیں ہے بلکہ اللہ رب العالمین کی خوش نودی اور آخرت کی خوش انجامی کا حاصل کر لینا ہے اور یہ وہ مقصد ہے جو ایمان کے تقاضوں اور دعوتی جدوجہد کا حق ادا کر دینے کے بعد لازماً حاصل ہو جاتا ہے خواہ اس جدوجہد کا کوئی ظاہری نتیجہ نکلے یا نہ نکلے۔ یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس سے کوئی بھی صاحب ایمان بے خبر نہیں ہوسکتا اور ایک داعی کے مایوسی اور دل شکستگی سے بچے رہنے اور پوری مستقل مزاجی سے دعوتی فرائض انجام دیتے رہنے کے لیے ضروری ہے کہ دعوت کے کارکنوں کا ذہن اس بارے میں بالکل صاف رہے۔ وہ اس یقین کے ساتھ اللہ کے بندوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائیں اور بلاتے رہیں کہ ان کی ہر جدوجہد ایسی جدوجہد ہے جس میں نامرادی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۴۔ خلقِ خدا کی محبت اور خیر خواہی

چوتھا بنیادی وصف جو دعوت کا فرض انجام دینے کے لیے شرط لازم کی حیثیت رکھتا ہے۔ خلق خدا کی محبت اور ان کی سچی بہی خواہی ہے۔ محبت ان کی دنیا کی بھی اور ان کی آخرت کی بھی۔ بہی خواہی ان کی دنیا کی فلاح و بہبود کے لیے بھی اور ان کی اخروی نجات و کامرانی کے سلسلے میں بھی داعی حق کو لازماً محب خلق ہونا چاہیے۔ لوگوں کی دنیوی تکلیفوں، محرومیوں اور پریشانیوں کی تپش بھی اپنے دل کے اندر محسوس کرنی چاہیے اور ان کی آخرت کو ناکام بنا دینے والی گمراہیوں اور بداعمالیوں پر بھی بے چین رہنا چاہیے۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ اس کے بغیر ان کے دلوں میں اپنے لیے جگہ نہیں بنا سکتا، بلکہ فی الاصل اس لیے کہ یہ انسانیت کا بنیادی جوہر اور ایمان و اسلام کا فطری خاصہ ہے۔ اسلام کا کہنا یہ ہے کہ پوری نوع انسانی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہے اور سارے انسان اللہ کا کنبہ ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے وہ شخص فی الواقع بلا انسانیت کا انسان ہے جو دوسرے انسانوں کو انس و یگانگت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ وہ شخص اسلام و ایمان کی حقیقت یعنی خدا کی محبت سے ناآشنا ہے جس کے اندر اس کے کنبہ کی محبت نہ ہو۔ غرض حقیقی انسانیت

اور حقیقی خدا پرستی دونوں ہی کا تقاضا ہے کہ مومن کے دل میں بندگانِ خدا کی محبت اور خیر خواہی کے جذبات موجزن ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی کیفیت اپنے مخاطبین کے بارے میں جو تھی اسے قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

عَزِيزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيصٌ عَلَيۡكُم (التوبہ:۱۲۸)

''اس پر تمہارا تکلیفوں میں مبتلا ہونا بہت شاق ہوتا ہے اور وہ تمہاری بھلائی کا حریص ہے۔''

اس ارشاد الٰہی میں ''تم'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو نہ صرف یہ کہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے بلکہ اس دعوت اسلام کی مسلسل مخالفت کرتے آرہے تھے۔ ایسے لوگوں کے حق میں بھی آپ کے قلب اطہر میں غصہ اور نفرت تو درکنار کوئی بے پروائی اور بے رخی تک نہ تھی۔ اگر تھا تو بھائی چارگی کا احساس تھا، مروت کا جذبہ تھا، محبت تھی، دل سوزی تھی اور ان کی بدنصیبیوں پر کڑھن تھی۔ آپ سے یہ دیکھا نہ جاتا تھا کہ لوگ ان راستوں پر دوڑے چلے جارہے ہیں جو انھیں ہر طرح کی ناکامیوں کے کھڈ میں گرادینے والا ہے اور اس بات کے صدق دل سے کوشاں اور آرزومند رہا کرتے تھے کہ لوگ اس راہ پر آجائیں جو انہیں دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہم کنار کرنے والی ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے اندر جو جان گھلا دینے والی بے قراری تھی، اس کا حال قرآن مجید نے یہ بتایا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِمۡ إِن لَّمۡ يُؤۡمِنُواْ بِهَٰذَا ٱلۡحَدِيثِ أَسَفًا ۝٦ (الکہف:۶)

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو ان کے پیچھے غم کے مارے ہلاک کردیں گے۔ اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے۔''

اگر کسی شخص کے سامنے اللہ کے پیغمبر کا یہ اسوہ نہیں ہے اور وہ خلق خدا کی مصیبتوں پر پریشان ہونا نہیں جانتا اور اس کے لیے خیر و صلاح کا حریص نہیں ہے تو وہ دعوت حق کا کام صحیح معنوں میں ہرگز انجام نہیں دے سکتا۔

۵۔ قول اور عمل کی یکسانی

پانچواں بنیادی وصف جسے دعوت کے کارکنوں میں لازماً موجود ہونا چاہیے قول و عمل کی یکسانی ہے۔ ضروری ہے کہ جو ان کی دعوت ہو وہی ان کی زندگی بھی ہو۔ وہ زبان سے جس

حقیقت کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہوں اس کی صداقت اور حقانیت پر اپنے کردار کی شہادت پیش کر رہے ہوں۔ ان پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو کہ جس دعوت کو لے کر وہ اٹھے ہیں اس کے اولیں مخاطب وہ خود ہیں۔ دین کی جس اقامت کو وہ اپنا واحد فریضۂ حیات قرار دیتے ہیں اس کی کام یاب ابتدا اگر ہوسکتی ہے تو ان کی اپنی ذات سے ہوسکتی ہے۔ اللہ کا دین پہلے اس کی دعوت دینے والوں کے دلوں پر، ان کے اخلاق و کردار پر اور ان کے جذبات ومیلانات پر قائم ہوتا ہے، تب کہیں جا کر باہر کی دنیا کی تسخیر کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ دعوت بلا عمل نہ صرف یہ کہ دوسروں کو متاثر نہیں کرسکتی بلکہ خود اپنے خلاف دلیل بن جاتی ہے۔ داعی اپنی بے کرداری، سیرت کی خامی اور قول وفعل کے تضاد کو لوگوں کے سامنے دیوار بنا کر کھڑی کر دیتا ہے۔ کیوں کہ دنیا بالعموم کسی دعوت کو اس کے علم برداروں کی زبان سے سن کر قبول نہیں کرتی، بلکہ ان کے ذوق یقین، حسن خلق اور پاکیزگیِ عمل ہی کے سامنے جھکا کرتی ہے۔ پس دعوت کا اپنے کارکنوں پر سب سے بڑا حق یہ ہے کہ ان کا عملی رویہ بھی لازماً اس کی صداقت کی گواہی دیتا رہے۔ لوگ چاہے نہ مانیں لیکن اس نہ ماننے کا سبب وہ خود ہرگز نہ بنیں۔ اس بارے میں معیار مطلوب ان کے سامنے یہ ہو کہ مخالف سے مخالف بھی داعی کے حسن نیت اور حسن سیرت کا انکار نہ کرسکے اور دعوت کو رد بھی کرے تو اس اعتراف کے ساتھ رد کرے کہ ہم تمہاری دعوت کو رد کرتے ہیں تمھیں نہیں رد کرتے۔

۶ — طریقۂ کار کی پاکیزگی

چھٹی صفت طریقہ کار کی پاکیزگی کی صفت ہے۔ دعوت اسلامی کے کارکنوں کو برابر ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ دین کی اقامت کا کام جس طرح دنیا کا سب سے بڑا کام ہے اسی طرح سب سے پاکیزہ کام بھی ہے۔ دین کی اقامت کے معنی دنیا کو بھلائیوں سے آراستہ کر دینے کے ہیں۔ بھلائی کا پھیلنا جس طرح برے لوگوں کے ہاتھوں ممکن نہیں اسی طرح برے طور طریقوں سے بھی ممکن نہیں۔ خیر کو جب بھی فروغ حاصل ہوگا اور شر سے جب بھی دنیا پاک ہوگی، پاکیزہ طریقوں ہی سے ہوگی۔ گندگی کو گندگی سے پاک نہیں کیا جاسکتا۔ دین کی اقامت کے پاکیزہ مقصد کے لیے

ناپسندیدہ طریقے اگر اختیار کیے گئے تو وہ الٹے خود اس کے تقدس کو مجروح کر کے رکھ دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس نکتہ پر زور دیا ہے کہ برائی بہرحال برائی ہے وہ کسی حسن نیت یا کسی دینی مصلحت کے نام پر پھیلائی نہیں جاسکتی ہے:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ (حٰمٓ السجدہ: ۳۴)

"نیکی اور بدی یکساں نہیں ہے۔"

اور ہدایت دی ہے کہ برائی کا ازالہ بھلے سے بھلے طریقے سے کرو اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ پس کسی بھی داعیِ اسلام کو غلط طریقوں کی بات سوچنا بھی نہیں چاہیے چاہے بظاہر اس کا کتنا ہی فائدہ نظر آتا ہو۔ کیونکہ یہ فائدہ دعوت کے حق میں دراصل باعتبار انجام بہت بڑا نقصان ہوگا۔

۷- سچی خدا پرستی

آخر میں اس صفت کو لیجیے جو ساری صفات میں اولین مقام رکھتی ہے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی سچی طاعت گزاری اور رضا طلبی کی صفت ہے۔ دعوت کا کام سرتاسر اللہ کا کام ہے۔ وہی اس کا مبدا بھی ہے اور وہی اس کا مرجع بھی۔ جو کام اللہ کے لیے ہو اس کی انجام دہی اسی وقت ممکن ہے جب آدمی خود اللہ کا ہو جائے اور اس کی ساری آرزوئیں اسی کی رضا کی آرزو میں گم ہو گئی ہوں۔ یہ ایک صاف اور سیدھی حقیقت ہے جس سے کوئی بھی ایسا شخص ناواقف نہیں ہوسکتا جو اسلام سے واقف ہو۔ پس کوئی شبہ نہیں کہ دعوت کا کام انجام دینے کے لیے جو چیز بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے وہ یہی سچی خدا پرستی اور خدا کی سچی رضا طلبی ہے۔ یہی وہ خاص وصف ہے جو کسی تحریک کو اسلامی تحریک اور اس کے کارکن کو اسلامی تحریک کا رکن بناتا ہے۔ یہی وہ خاص وصف ہے جو اسلامی اور غیر اسلامی تحریکات میں جوہری امتیاز پیدا کرتا ہے۔ یہی وہ خاص وصف ہے جو انسان کو بدی اور غفلت کی ظلمتوں سے نکال کر نور حق کی حرف لے جاتا اور اس کی نگاہوں کو بہکنے سے بچاتا ہے۔ یہی وہ خاص وصف ہے جو دعوت اور اہل دعوت کو اپنے مشن کو سچا وفادار بنائے رکھتا ہے اور یہی وہ خاص وصف ہے جو دعوت اور اہل دعوت کو اللہ کی نصرتوں کا سزاوار بناتا ہے۔ اس وصف سے محروم ہو جانے کے بعد آدمی دعوت حق کے کسی کام کا نہیں رہ جاتا، خواہ وہ بظاہر عظمت اور مقبولیت کی چوٹیوں ہی پر بیٹھا نظر آتا ہو۔ غرض یہ ایسی

صفت ہے جو دعوت اسلامی کی روح کی حیثیت رکھتی ہے جسے دراصل ''ام الصفات'' کہنا چاہیے۔ سچی خدا پرستی اور للّٰہیت کی صفات کا پیدا ہوجانا فی الواقع ایک طرف تو ساری دعوتی اور ایمانی صفات کی شاہ کلید کا ہاتھ آجانا ہے۔ دوسری طرف ان اخلاقی نجاستوں سے اپنے کو پاک رکھنے کا نسخۂ کیمیا بھی پالینا ہے جو آدمی کو دعوت ہی نہیں انسانیت کے مقام سے گرادیتی ہیں۔ جس شخص کے اندر بندگی کا، اخلاص، آخرت کی بازپرس کا خوف اور اللہ کی خوشنودی کی طلب رچی بسی ہوگی وہ دعوت کا علم بردار ہوتے ہوئے فخر وغرور، نمود و نمائش، تعلی اور خودستائی یا خود پرستی اور خودرائی کی ان بیماریوں سے ازخود گھن کھائے گا جو تحریکوں کے لیڈروں اور کارکنوں میں عام طور سے پیدا ہوجایا کرتی ہیں۔ اپنے فرض کا احساس اور اپنے انجام کی فکر اسے اپنے نفس کا ایسا محتسب بنائے رکھے گی جو اسے اس طرح کی کسی اخلاقی بیماری کے قریب نہ جانے دے گی۔ خوداحتسابی کے بغیر کوئی بھی شخص ایمان کے مطالبات اور دعوت کے تقاضے پورے نہیں کرسکتا اور یہ خوداحتسابی انسان کو میسر نہیں آسکتی اگر اس کا رشتہ اپنے معبود سے مضبوط نہ ہو اس لیے دعوت کے کارکنوں کو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی عبدیت کے سچے احساس اور اپنے آقا و مولا کی رضاجوئی سے غافل نہ رہنا چاہیے۔

یہ ہیں وہ اعلیٰ بنیادی صفات جو کسی بندۂ خدا کے اندر جمع ہوجاتی ہیں تو وہ صحیح معنے میں حق کا داعی اور تحریک اقامت دین کا کارکن بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ کو اور اپنے تمام بندوں کو اپنے دین کی سچی خدمت کا جذبہ اور اس کی نصرت و اقامت کی صحیح توفیق عطا فرمائے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○

جماعت اسلامی ہند کے پروگرام کے

چند اہم اجزا اور ان کے تقاضے

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

۲۶ راگست ۱۹۴۱ کو جماعت اسلامی کی تاسیس عمل میں لاتے ہوئے اس کے بانی نے یہ اعلان کیا تھا کہ ”ہمارے لیے چونکہ خود اسلام ہی تحریک ہے اور اسلام کی دعوت تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ہے لہٰذا ہماری نظر کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک کے مخصوص وقتی مسائل میں الجھی ہوئی نہیں ہے بلکہ پوری نوع انسانی اور سارے کرۂ زمین پر وسیع ہے۔ تمام انسانوں کے مسائل ہمارے مسائلِ زندگی ہیں۔ اور اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے ہم ان مسائلِ زندگی کا وہ حل پیش کرتے ہیں جس میں سب کی فلاح اور سب کے لیے سعادت ہے۔ اس طرح ہماری جماعت میں نہ صرف پیدائشی مسلمانوں کا صالح عنصر کھنچ کر آئے گا بلکہ غیر مسلموں میں جو سعید روحیں موجود ہیں وہ انشاء اللہ اس میں شامل ہوتی چلی جائیں گی۔“

(روداد جماعت اسلامی حصہ اول ص ۸ رام پور ۱۹۵۸)

جماعتِ اسلامی کی تاریخ گواہ ہے کہ اس نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ تمام انسانوں کو مخاطب کرے اور تمام انسانی مسائل میں دل چسپی لے۔ لیکن برصغیر ہند کے مخصوص حالات کی وجہ سے بعض ادوار میں وہ اپنی قوتِ کار کا خاطر خواہ حصہ غیر مسلم انسانیت کو مخاطب کرنے اور عام انسانی مسائل میں دل چسپی لینے پر نہ صرف کرسکی۔ چند برسوں سے اس احساس

کے تحت جماعت اسلامی ہند نے اپنے پروگرام میں اس طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ چنانچہ چار سالہ پروگرام بابت ۱۹۶۸۔ ۱۹۷۲ میں بھی یہ رجحان واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ تازہ پروگرام بابت ۱۹۷۲۔ ۱۹۷۶ میں یہ رجحان زیادہ ابھر کر سامنے آیا ہے۔ بے جانہ ہوگا اگر جماعت کی امتیازی حیثیت برقرار رکھنے اور اس کے اس ارادے کی تکمیل کی نسبت سے جسے اس نے اول دن سے ظاہر کیا ہے پروگرام کے اس جز کو فی الوقت غیر معمولی اہمیت کا حامل قرار دیا جائے۔

غیر مسلموں سے ربط

اس اہم کام کا بیڑا اٹھاتے ہی سب سے پہلی حقیقت جو سامنے آتی ہے وہ بدگمانی، بے اعتمادی اور اجنبیت اور دوری کی وہ فضا ہے جو داعی گروہ اور عام غیر مسلموں کے درمیان بعض تاریخی اسباب کی بنا پر پائی جاتی ہے۔ کام کو آگے بڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس فضا کو تبدیل کیا جائے۔

اس ضمن میں یہ حقیقت بھی سامنے رہے کہ موجودہ فضا کو بنانے میں صرف ایسی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں ہی کا ہاتھ نہیں ہے جو ناواقفیت، غلط معلومات، افواہوں اور سنی سنائی باتوں نے پیدا کردی ہیں بلکہ عملی تجربات اور برصغیر کی طویل تاریخ کے مخصوص حوادث نے بھی اس فضا کو بنانے میں حصہ لیا ہے۔ اس فضا کو تبدیل کرنے کے لیے صرف صحیح معلومات بہم پہنچادینا، اسلام اور مسلمانوں کے حقیقی کردار کا صحیح تعارف کرادینا اور غلط فہمیوں کو دور کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ ایک نئے اجتماعی عمل اور انفرادی اور اجتماعی ربطِ باہم میں ایک نئے تجربے کے ذریعہ رفتہ رفتہ ہی اس فضا کو تبدیل کیا جاسکے گا۔

ایک عملی نقطۂ آغاز کے طور پر اس حقیقت سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے کہ ہر انسان کو برائیوں کے مٹانے اور بھلائی کو فروغ دینے کی دعوت دی جاسکتی ہے اور اس کی توجہ ایک صحت مند اور صالح سماج کی تعمیر کی طرف مبذول کرائی جاسکتی ہے کیونکہ یہ مقاصد مسلمانوں اور غیر مسلموں کو یکساں طور پر مطلوب ہیں۔ اگر انہیں دعوت دینے والوں کے اخلاص اور جذبۂ عمل پر اعتماد ہو تو وہ اس سطح پر ربط وتعامل کے لیے بہ آسانی آمادہ ہوسکتے ہیں۔ اور آگے چل کر یہی ربط

وتعامل مذکورہ بالا نئے تجربات کا ذریعہ بن کر اس فضا میں خوش گوار تبدیلی لانے کے لیے مواقع فراہم کرسکتا ہے۔ حالات کا یہی جائزہ جماعت اسلامی ہند کے جاری پروگرام و پالیسی کی اس اہم دفعہ کی بنیاد ہے:

> ”جماعت غیرمسلموں میں اس طرح کام انجام دے گی کہ وہ اسلام سے صحیح طور پر متعارف ہوں۔ اسلام اور تحریکِ اسلامی کے بارے میں ان کی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں دور ہوں۔ بھلائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے میں وہ معاون بن سکیں اور ہم اپنے قول وعمل سے ان پر یہ بات واضح کردیں کہ صحت منداور صالح سماج کی تعمیر کے لیے اسلام مستحکم بنیادیں فراہم کرتا ہے اور سچا مسلمان اس تعمیری کام میں اہم اور مؤثر رول ادا کرسکتا ہے۔“

اس دفعہ کا غور سے مطالعہ کیجیے تو یہ بات واضح ہوگی کہ جاری میقاتی پروگرام میں جماعت نے غیرمسلم کی نسبت سے صرف ایک ابتدائی مرحلہ کے کاموں کی نشان دہی کی ہے جو آئندہ مراحل کے لیے زمین ہموار کرسکے۔ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس مرحلہ میں بالعموم انہی کاموں پر توجہ مرکوز کی جائے۔

پروگرام کے مطالعہ سے واضح ہے کہ اس مرحلہ میں سب سے اہم کام برادرانِ وطن سے قریب ہونا، ان کو قریب لانا اور ربط باہم میں اضافہ کرنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے دور ہیں۔ یہ دوری ہم کلامی میں بھی مانع ہے اور اشتراک عمل میں بھی۔ قرب بڑھے، ربط میں اضافہ ہو تو ہم کلامی کا آغاز ہوگا اور ہم اپنے غیرمسلم بھائیوں سے زندگی کے بنیادی سوالات اور اس کے روزمرہ مسائل دونوں پر تبادلۂ خیال کرسکیں گے۔ سوال یہ ہے کہ قرب کیسے پیدا ہو اور ربط کیسے بڑھے؟

ہر فرد، آبادی اور ہر ذہنی سطح کے لوگوں کے لیے اس سوال کا کوئی لگا بندھا جواب دینا ممکن نہیں۔ یہ ہماری ذہانت، جذبۂ عمل اور خلوص ومحبت کا امتحان ہے کہ ہم اپنے حلقۂ تعارف اور دائرۂ کار میں اس مقصد کو کس طرح حاصل کرتے ہیں۔ اصل اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ ہم تحریک کی خاطر اس کام کو کرنے کا عزم لے کر کھڑے ہوں کہ ہمیں اپنے

غیر مسلم بھائیوں سے قریب ہونا ہے۔ ان کو قریب لانا ہے اوران سے بے تعلقی اور کم آمیزی کی اس کیفیت کو ختم کر کے دم لینا ہے جو اب تک پائی جاتی رہی ہے۔ ہمارے کارکنوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ تحریک اپنے موجودہ مرحلہ میں قرب اور اچھے تعلقات کو مقصد قرار دیتی ہے۔ آپ اپنے غیر مسلم بھائیوں سے دینی موضوعات پر کیا گفتگو کر سکے، ان کو اسلامی نظام سے کس حد تک متعارف کرا سکے۔ یہ سوال ہم آپ سے بعد میں کر سکتے ہیں۔ اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ آپ ان سے قریب ہوں اور وہ آپ سے قربت محسوس کریں۔ چنانچہ ہمارا پروگرام اس مرحلہ میں یہ ہے:

> ''ہماری کوشش ہوگی کہ ہم ان سے اور وہ ہم سے زیادہ سے زیادہ قریب ہوں۔ اس کے لیے ان سے وسیع پیمانے پر ایسے بے لوث روابط اور برادرانہ تعلقات قائم کیے جائیں گے جن کے پیچھے خلوص و بھائی چارہ، ہمدردی، دل سوزی اور نصح و خیر خواہی کا جذبہ کار فرما ہو۔ ان کے دکھ درد میں ہاتھ بٹایا جائے گا اور مشترکہ امور و مسائل کو مل جل کر حل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔'' (حوالہ بالا ص ۸)

یہ پروگرام ان پروگراموں سے مختلف ہے جو ماضی میں مسلمانوں کے دینی یا سیاسی حلقے غیر مسلموں کی نسبت سے اختیار کرتے رہے ہیں۔ ہماری جن مذہبی جماعتوں یا اداروں نے ان کی طرف توجہ کی وہ مناظروں اور 'تبلیغ' کی صورت میں کی، سیاسی جماعتوں نے انتخابات کے موقع پر ان کے ساتھ ووٹ کے لین دین کے سلسلے میں سودے کیے یا کسی پارٹی کی حکومت ختم کرنے یا کسی پارٹی کو حکومت کی کرسی تک پہنچانے کے سلسلے میں عارضی محاذ قائم کیے۔ ہمارا پروگرام ان پروگراموں سے مختلف ہے۔ ہم انسانی تعلقات کی بحالی چاہتے ہیں جن کو برصغیر کی مخصوص صورت حال نے ختم یا غیر معمولی طور پر مجروح کر رکھا ہے۔ جماعت اسلامی کے کارکنوں کو اور ان تمام لوگوں کو جو اسلامی ہدایات کے مطابق غیر مسلم انسانیت سے اپنے تعلقات کی درستی چاہتے ہوں پروگرام کی مذکورہ بالا دفعہ کو بار بار پڑھنا چاہیے۔ اور اس کا تقابلی مطالعہ اس عملی صورتِ حال سے کرنا چاہیے جو سردست پائی جاتی ہے۔ بے لوث روابط اور برادرانہ تعلقات کے الفاظ کا ادا کرنا آسان ہے مگر ان کو عملی جامہ پہنانا موجودہ مسموم فضا میں از حد دشوار ہے۔ جن

لوگوں کو ہم نے عرصے تک ایک دوسری قوم کے افراد کی حیثیت سے دیکھا ہے اور جن کے ساتھ سیاسی طور پر کشمکش بھی رہی ہے ان کو عام انسانوں کی حیثیت سے دیکھنا آسان کام نہیں ہے لیکن جب تک ہم یہ پہلا قدم کام یابی کے ساتھ اٹھا نہ لیں آگے کے کام انجام نہیں پاسکتے۔ ہماری نظر اس انسانی رشتہ پر ہونی چاہیے جو انبیاء کرام اپنی مخاطب قوم کے ساتھ رکھتے تھے۔ جس کا ایک اعلیٰ نمونہ وہ احساسات وجذبات ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے باشندوں کے سلسلے میں رکھتے تھے اور وہ عملی تعلق اور طریقہ ہے جو آپؐ نے اس آبادی کے لوگوں کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ کون نہیں جانتا کہ یہ رشتہ محبت وہمدردی اور نصح وخیر خواہی پر مبنی تھا۔ اسی طرزِ عمل نے آپ کو 'الامین' کا لقب دلایا اور اسی حقیقت کا اعلان عرشِ معلیٰ پر پروردگارِ عالم نے آپ کو 'رحمۃ للعالمین' قرار دے کر کیا۔ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیواؤں کی خبر گیری اور محتاجوں کی حاجت روائی کے لیے مشہور تھے تو آپؐ تربیت یافتہ رفقاء کار کی شان یہ تھی کہ

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾

(الدھر:۸)

''اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

آپؐ نے کفر وایمان کی جنگ چھڑ جانے کے بعد بھی انسانی احتیاج کا یہ حق سمجھا کہ اسے رفع کیا جائے۔ چناں چہ جب مکہ میں قحط کے سبب غذائی قلت کا سامنا تھا اور لوگ فاقے کر رہے تھے تو آپؐ نے مدینہ سے ان کی بھوک مٹانے کے لیے مدینہ میں معاشی تنگی کے باوجود پانچ سو دینار اور کھجوریں بھجوائیں تاکہ انھیں مکہ کے اہل حاجت کے درمیان تقسیم کرادیا جائے۔ (شرح سیر الکبیر ص ۶۹ اور المبسوط للسرطیسی ج ۱۰ ص ۹۲)

ہمارے پروگرام میں مشترک امور ومسائل کو مل جل کر حل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ ہندوستان کی موجودہ فضا میں اس احساس کو عام کرنا خود ایک اہم بات ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے بہت سے امور ومسائل مشترک ہیں لیکن ہمارے پیش نظر مقصد کے لیے صرف یہ احساس کافی نہیں بلکہ ان مسائل کو مل جل کر حل کرنے کی کوشش بھی ضروری ہے۔ یہ مسائل کیا ہیں: غریبی، بڑھتی ہوئی قیمتیں اور اشیاء ضرورت کی کمیابی، اونچ نیچ اور عدم مساوات،

جہالت اور مرض اور رہنے کے لیے گندے صحت دشمن علاقے۔

ان کے علاوہ مقامی سطح پر ہم اپنے گاؤں، محلے یا شہر میں بہت سے مشترکہ امور و مسائل کی نشان دہی کر سکتے ہیں جو مل جل کر حل کیے جاسکتے ہیں۔ جماعتِ اسلامی اپنے کارکنوں سے یہ چاہتی ہے کہ وہ اس سلسلے میں پہل کریں اور ان مسائل کو اس لیے اہمیت دیں کہ یہ انسانی زندگی کے لیے اہم ہیں۔ ہمارے ارد گرد کے رہنے والے ان میں الجھے ہوئے ہیں اور ان میں دل چسپی لے کر ہی ان کی اپنی توجہات اپنی طرف مبذول کرنے اور انھیں خود کو ان کا خیر خواہ سمجھنے پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بہت سے مسلمان ان مسائل کے سلسلے میں اپنے پڑوسی غیر مسلموں کے ساتھ اشتراکِ عمل کرتے ہیں مگر یہاں تحریکِ اسلامی کے کارکنوں اور دین کے خادموں کا ذکر ہے، ان کے اشتراکِ عمل سے جو فوائد حاصل ہوں گے وہ دین اور اس کی دعوت کے لیے راہ ہموار کریں گے جب کہ عام دنیا دارانہ تعامل سے یہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔ دین کے دنیا سے متعلق ہونے اور دعوتِ دین کے امور دنیا کے سدھار سے متعلق ہونے کا تصور زبان و قلم سے نہیں عمل سے ہی ذہن نشین کرایا جاسکتا ہے اور اس کے ذریعہ یہی پروگرام ہے جسے ہم نے اپنے کارکنوں کے سامنے رکھا ہے:

پروگرام کی اگلی دفعات اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔ ایسی تفصیل جو کام کے اس مرحلے سے مناسبت رکھتی ہے:

> ”عوامی فلاح و بہبود کا خدمتِ خلق اور بھلائی کے کاموں کو انجام دینے اور سب کی نظروں میں کھٹکنے والی برائیوں کو دور کرنے میں ان کا تعاون حاصل کرنے اور ان کے ساتھ تعاون کرنے کی صورتیں نکالی جائیں گی۔“ (حوالہ بالا صفحہ ۸)

اس سلسلے میں آگے جن متعین کاموں کا ذکر ہے۔ مثلاً یتیموں، بیواؤں اور معذوروں کی امداد، پسماندہ لوگوں کو سماجی اعتبار سے اونچا اٹھانے اور بے روزگاروں کو روزگار دلانے کی اجتماعی کوشش، صفائی ستھرائی اور حفظانِ صحت، اونچ نیچ اور چھوت چھات دور کرنے، بھائی چارہ، انسانی مساوات اور رواداری کو فروغ دینے وغیرہ کی کوشش۔ یہ سب دین کے اجزا اور دینی جدوجہد کے مقاصد میں شامل ہیں۔ کارِ دعوت کے لیے اس مرحلے میں ہم نے ان چیزوں کو اس

لیے اولیت دی ہے کہ انھیں کے ذریعہ ہم موجودہ فضا کو ایک ایسی فضا میں تبدیل کر سکتے ہیں جو داعی اور دعوت کے لیے سازگار ہو۔

ان کاموں کی اہمیت سمجھنے کے لیے یہ حقیقت بھی سامنے رہے کہ اقامتِ دین کے نصب العین کے لیے اسلامی افکار و تصورات کی تبلیغ و اشاعت کے پہلو بہ پہلو اسلامی قدروں کو رواج دینا بھی بنیادی اہمیت کا حامل ہے اور یہ سارے کام انھیں قدروں کی ترویج کا ذریعہ ہیں۔ انھیں کے ذریعہ رفتہ رفتہ منکر کا ازالہ اور معروف کا قیام ممکن ہو سکے گا۔ اور انھیں کے ذیل میں مکارم اخلاق کی تعلیم عام ہو سکے گی۔ کارِ دعوت کے ابتدائی مرحلے میں توحید کی تعلیم کے ساتھ اصل اہمیت مکارم اخلاق اور معروف کے قیام اور منکر کے ازالہ کو حاصل ہے۔ انھیں کے ذریعہ معاشرے کی وہ بنیادی اصلاح عمل میں آسکتی ہے جو آئندہ چل کر اسلامی نظام کے قیام کی بنیاد بن سکے۔

ہندوستان کے مخصوص حالات میں اقامتِ دین کی تحریک کے لیے وہی طریقۂ کار کارگر ہوسکتا ہے جس کے وضع کرنے میں یہاں کے حالات کے گہرے مطالعہ، کام کے مرحلہ کی صحیح تعیین اور حکمتِ دین کے تقاضوں کے صحیح فہم سے پورا کام لیا گیا ہو۔ جاری میقاتی پروگرام میں غیر مسلموں کے اندر کام کی جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں ان کو اسی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے اور اس کو اختیار کر کے اسلام کے بنیادی افکار و اقدار سے انھیں اس حد تک متعارف کرایا جائے گا کہ وہ توحید اور زندگی میں اس کی صحیح قدر و قیمت جان سکیں، ہدایت الٰہی اور رسالتِ محمدیؐ کی ضرورت ان پر واضح ہو جائے اور آخرت کا تصور ان کے دل و دماغ میں اتر سکے اور اسلام کے بارے میں یہ حقیقت ان پر اچھی طرح منکشف ہو جائے کہ وہ اللہ کا واحد دین ہے جو ہر دور اور ہر ملک میں انسانوں کے داخل کی اصلاح، سماجی تعمیر و ترقی، مسائلِ زندگی کے حل، عدل و قسط کے قیام اور اخروی فلاح کے لیے آتا رہا ہے اور جو آج بھی ان مقاصد کے حصول کا ضامن ہے۔ (حوالہ بالا صفحہ ۹-۱۰)

اس تفصیل کی روشنی میں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ ملی جلی مختلف آبادیوں اور محلوں میں کام کی کیا اہمیت ہے۔ اگر ہم نے صرف تبلیغ و اشاعتِ افکار پر زور دیا ہوتا تو ہماری ساری قوتیں اخبارات و رسائل جاری کرنے، لٹریچر شائع کرنے اور اجتماعات منعقد کرنے میں صرف ہوتیں۔ یہ کام بھی ہمارے پروگرام میں داخل ہے، مگر زیادہ اہمیت ٹھوس عملی کاموں اور ربط

بڑھانے کو دی گئی ہے اور اس کا نقطۂ آغاز آبادی کی بنیادی اکائیوں، گاؤں اور محلوں کو بنایا گیا ہے۔ یہ کام خصوصی توجہ اور مسلسل کوشش چاہتا ہے۔ افسوس یہ کہ زوال کی صدیوں میں مسلمانوں کے اندر سے ایسے ٹھوس کاموں کا رواج کم ہو گیا۔ خاص طور پر جب وہ غیر مسلموں کے درمیان دین کا کام کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کا مرکزِ توجہ صرف تبلیغ ہوتا ہے جب کہ موجودہ حالات میں دعوت کے تقاضے کچھ اور بھی ہیں۔ پھر ہمارے دور کا ایک مرض یہ بھی ہے کہ لوگ انقلاب کا نعرہ آسانی سے بلند کرنے لگتے ہیں مگر ٹھوس کاموں میں ان کا جی نہیں لگتا مگر جن لوگوں کا مرکزِ توجہ رضائے الٰہی ہو ان میں اس مزاج کی اصلاح کے لیے یہ بات کافی ہونی چاہیے کہ موجودہ حالات میں ان کے لیے دعوتِ دین کے تقاضے یہی ہیں جن کی تعیین دین کے بتائے ہوئے شورائی طریقے سے ان کے ارباب حل وعقد نے کر دی ہے۔ ان کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس ملک میں اقامتِ دین کی راہ ملک میں بسنے والی عظیم اکثریت سے کترا کر نہیں گزرتی بلکہ ان کے اندر سے ہو کر ہی نکل سکتی ہے۔ ہندوستان میں دین کا قیام ہندوستان کے باشندوں کے دین کے بہ رضا ورغبت دین کو قبول کرنے پر منحصر ہے۔ اس لیے ہم نے اس عظیم اکثریت کی نسبت سے ایک ایسا پروگرام اختیار کیا ہے جو اس کو دینی قدروں سے مانوس کرے، دین کے داعیوں سے قریب کرے اور ان کی زندگی کو ایسی الجھنوں اور مشکلات سے نجات دلائے جو اہم تر امور کی طرف توجہ میں حارج ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ اس میقات سے ہم نے غیر مسلم حضرات کو جماعتِ اسلامی کا معاون بنانے کا طریقہ بھی اختیار کیا ہے اور بحمد اللہ اس اجتماع میں ہمارے معاونین کی ایک معتد بہ تعداد شرکت کر رہی ہے۔ کل سہ پہر ان حضرات کی ایک علیحدہ نشست بھی ہے جس میں وہ جماعت اسلامی کے پروگرام کے ان اجزاء پر غور وفکر کریں گے جن کے روبہ عمل لانے کی غرض سے وہ جماعت کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ ہم نے غیر مسلم دوستوں کے عام غیر رسمی تعاون پر قناعت نہ کر کے ان کو رسمی طور پر نظام جماعت سے وابستہ کر کے ان کا تعاون حاصل کرنے کا طریقہ اس لیے اختیار کیا ہے کہ ایک طرف تو اس طرح سماج کے مسائل حل کرنے اور خدمت خلق کے پروگراموں کو زیر عمل لانے میں مدد ملے گی اور دوسری طرف ایک دینی

جماعت کے اندر غیر مسلم دوستوں کی شرکت کی نئی رسم پڑے گی، جس سے عام لوگوں پر بھی اچھا اثر پڑے گا اور یہ محسوس کریں گے کہ سماج کے مسائل تعاون باہمی اور اشتراک عمل کے متقاضی ہیں اور یہ تقاضا پورا کرنا چاہیے۔ مذہب کا اختلاف اس اشتراک وتعاون میں رکاوٹ نہیں بلکہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے مسائل باہم اشتراک عمل اور تعاون کے ذریعہ حل کرے۔ اس تعلق کے بعد ہمارے معاون دوستوں کو اس بات کا موقع ملے گا کہ ہمارے فکر وعمل کا براہ راست مطالعہ اور عملی تجربہ کرسکیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے کارکن ان باتوں کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ غیر مسلم دوستوں کو معاون بنانے کی کوشش کریں گے۔

مسلمانوں کی منتخب آبادیوں میں کام

جماعت اسلامی ہند کے پروگرام کے چند اہم اجزا کی نشان دہی کے ضمن میں دوسرا اہم کام جس کا ذکر ضروری ہے مسلمانوں کی منتخب بستیوں سے متعلق پروگرام ہے۔ مسلمانوں سے متعلق ہمارے پروگرام میں بہت سے کام درج ہیں جو دعوت، اصلاح اور تربیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ کام شروع سے ہمارے پیش نظر رہے ہیں اور مسلسل جاری ہیں۔ اس وقت ہم جن کاموں کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں وہ مسلمانوں کی تعلیمی، اقتصادی اور سماجی اٹھان سے متعلق کام ہیں۔ ان کاموں کی تفصیل آپ کو مطبوعہ پروگرام صفحہ ٦۔ ۷ اور صفحہ ۱۳ پر ملے گی مگر جو بات خاص طور پر قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ دعوت، اصلاح وتربیت اور تعلیمی، اقتصادی اور سماجی اٹھان کے ان تمام کاموں کو عام طور پر انجام دینے کے علاوہ آبادی کی بنیادی اکائیوں۔ گاؤں اور محلوں۔ میں سے چند کو منتخب کرکے ان میں ان کاموں کو مسلسل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ ہمیں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اس خصوصی اہتمام کی حکمت کیا ہے۔

جب تک تعلیمی پسماندگی، اقتصادی مفلوک الحالی اور سماجی انتشار کی موجودہ تشویش ناک صورت حال تبدیل نہیں کی جاتی۔ مسلمان اگر دین کی دولت قبول بھی کرلیتے ہیں تو اس کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ اس دعوت کے علم بردار بن کر اٹھ کھڑے ہونے

میں ان کی ناخواندگی، کم علمی، افلاس اور سماجی بدنظمی حائل ہوتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کو دعوت کا مخاطب بنانے اور داعی بن کر اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب کے ساتھ ان کی پسماندگی، بدحالی اور بدنظمی کو بھی دور کیا جائے۔

عرصہ سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ مسلمان اپنی پسماندگی اور خستہ حالی کا ذمہ دار دوسروں کو گردانتے اور صورت حال کو تبدیل کرنے کا مطالبہ دوسرے سے کرتے ہیں۔ ان حالات کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈالنے اور صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے خود کمر ہمت کسیں ورنہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت دن بہ دن گرتی چلی جائے گی۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ کسی پسماندہ، مفلوک الحال اور پراگندہ گروہ سے کسی ایجابی افعال اور داعیانہ کردار کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب تک خود مدد کے لیے نہ کمر بستہ ہوں، دوسروں کی طرف سے ان کو سہارا دے کر اٹھانے کی کوششیں اگر عمل میں آئیں بھی تو کام یاب نہیں ہوسکتیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ حکومت اور اکثریت کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلانے کے ساتھ خود اپنی فلاح و بہبود کے لیے جو کچھ کر سکتے ہوں کر گزریں۔

عرصہ دراز سے یہ عمل جاری ہے کہ عام مسلمانوں تک درس و تقریر اور لٹریچر کے ذریعہ کچھ باتیں پہنچائی جاتی ہیں۔ وہ ان سے متاثر ہوتے ہیں اور ہمارا ساتھ بھی دینا چاہتے ہیں مگر روزمرہ کی زندگی میں وہ جن الجھنوں میں مبتلا ہیں اور تعلیم، اقتصادی حالت اور سماجی اعتبار سے جس سطح پر ان کی زندگی گزر رہی ہے وہ ان کے اس دعوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے سازگار نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے نیک ارادوں اور ان کے عملی اظہار کے درمیان جو رکاوٹیں حائل ہیں ان کا قریب سے جائزہ لے کر ان کو دور کر دیا جائے۔ بات پہنچا کر آگے بڑھ جانے کی بجائے ایک ایک مخاطب گروہ پر مسلسل وقت صرف کر کے اسے اوپر اٹھانے اور سرگرم عمل بنانے کی کوشش کی جائے۔

کچھ منتخب محلوں اور بستیوں کا انتخاب کر کے ان پر خصوصی توجہ صرف کرنے کا پروگرام اسی لیے بنایا گیا ہے۔ دعوت و اصلاح کا عام کام جاری رہے گا۔ درس و تقریر، لٹریچر اور اخبارات و رسائل کے ذریعے بڑے پیمانے پر لوگوں کے سامنے دین کی دعوت اور اس کی

تعلیمات لائی جاتی رہیں گی۔مگر اپنی قوت کا ایک بڑا حصہ ہمیں منتخب محلوں اور بستیوں کی ہمہ جہتی اصلاح وتعمیر کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔دینی اور اصلاحی کاموں کے ساتھ ان محلوں اور بستیوں میں تعلیم، اقتصادی حالات اور سماجی نظم کی طرف خصوصی توجہ کرنی چاہیے۔اگر ہم پورے ملک میں چند سو منتخب محلوں اور بستیوں میں چند برس مسلسل کام کر کے قابلِ لحاظ کارگزاری دکھلا سکیں تو آئندہ یہ کام کافی پھیل سکتا ہے۔مقدار کے اعتبار سے بڑھتے چلے جانے کے علاوہ اس کام کا سب سے بڑا Contribution یہ ہوگا کہ ہم مسلمانوں کو اپنے مسائل آپ حل کرنے، اپنے خیالات کو بہتر بنانے کے لیے ملک کے تعلیمی، رفاہی اور ترقیاتی اداروں سے بھر پور استفادہ کرنے کا ایک طاقت ور رجحان پیدا کر سکتے ہیں۔اگر ہم عام مسلمانوں کو احتجاج اور مطالبات کی بجائے اپنی محنت سے اپنی حالت بہتر بنانے اور متعلقہ اداروں سے سر گرم تعاون کے ذریعہ ان سے فائدہ اٹھانے کی روش پر روشنی ڈال سکیں تو اس کے نتائج ملک وملت دونوں کے لیے بہت خوش آئند ہوں گے۔

آپ کے سامنے جماعتِ اسلامی ہند کے میقاتی پروگرام ۱۹۷۲-۱۹۷۶ کے جن دو اہم اجزا کا ذکر کیا گیا ہے ان کے درمیان گہرا باہمی ربط بھی پایا جاتا ہے۔دونوں کام ساتھ ہی کرنے کے ہیں۔کیونکہ ایک سے دوسرے کو مدد ملے گی۔اور صرف ایک رخ پر آگے بڑھنے سے دوسرے حلقے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی تھیں ان کا سد باب ہوگا۔مسلمانوں میں کام کا جو نیا اسٹائل ہم نے اختیار کیا ہے وہ ہمارے غیر مسلم دوستوں کے اندر بھی ہم پر اعتماد بحال کرے گا۔اور غیر مسلم دوستوں میں ہم نے کام کا جو نقشہ بنایا ہے وہ مسلمانوں کے لیے سرگرمی کا ایک نیا اور وسیع میدان فراہم کرے گا۔

پروگرام کے عملی تقاضے

جماعت کے پروگرام میں بہت سے دوسرے اجزا بھی ہیں۔اور ہر ایک اپنی جگہ اہم ہے مگر ہمارے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت ان دونوں کاموں کو حاصل ہے۔یعنی غیر مسلموں سے ربط اور منتخب محلوں اور علاقوں میں ہمہ جہتی اصلاح وتعمیر کا کام۔یہ دونوں کام اپنے مخصوص

تقاضے رکھتے ہیں، جو کسی حد تک ان تقاضوں سے مختلف ہیں جنھیں ہم عام دعوتی، اصلاحی اور تنظیمی کاموں کے سلسلے میں محسوس کرتے اور کسی حد تک پورا کرتے رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان تقاضوں کو صحیح طور پر متعین کریں۔ اپنی قوتوں کو ان کو پورا کرنے کے لیے جمع کریں اور منظم طور پر ایک منصوبے کے تحت استعمال کریں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ صرف چند بہت نمایاں تقاضوں کی نشان دہی کی جاسکے گی۔

۱۔ غیر مسلموں سے ربطِ عام۔ ان سے ہم کلامی اور ان کے ساتھ اشتراک وتعاون سے رفاہی کام کرکے اور سماجی مسائل کے حل میں حصہ لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کارکن ان کے ذہن ومزاج اور تاریخ اور روایات سے اچھی طرح واقف ہو۔ اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ ہم ہندو دھرم کی تعلیمات سے واقف ہوں۔ اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ ہم ان اخبارات ورسائل اور اس معاصر لٹریچر کا مطالعہ کرتے رہیں جس کا وہ عام طور پر مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب مختلف علاقوں میں ہمارے کارکن علاقائی زبان بھی جانتے ہوں اور اس میں اخبارات ورسائل کا مطالعہ کرتے رہیں۔ ہم چونکہ ہر طبقہ اور ہر علمی لیاقت کے غیر مسلم بھائیوں سے ربط قائم کرنا چاہتے ہیں نہ کہ صرف مذہبی لوگوں یا اس گروہ سے جسے ذات پات کے اعتبار سے پست طبقات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے ہماری نظر اس عام ذہنی غذا پر ہونی چاہیے جو پریس، ریڈیو اور پلیٹ فارم سے عام غیر مسلموں کو فراہم کی جارہی ہے۔ غیر مسلم دوستوں سے ربط وگفتگو میں جہاں خدا، آخرت اور رسالت وغیرہ دینی تصورات زیر گفتگو آئیں گے۔ اور آواگون اور اوتار کے تصورات پر بحث ہوگی۔ وہیں ملک کے معاشی اور سیاسی مسائل اور فرد کے داخلی اور خاندان کی تنظیم جیسے امور بھی زیر گفتگو آئیں گے۔ اور بسا اوقات بین الاقوامی مسائل، عالمی امن، بڑی طاقتوں کی سیاست، مسلم ممالک کا اتحاد وغیرہ پر بھی تبادلۂ خیال ہوگا۔ ان تمام امور ومسائل پر آج کے ہندو دانشور کیا کہتے ہیں اور عام غیر مسلم فرد کے سامنے کیا مواد مطالعہ کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ اس سے واقف رہنا ضروری ہے۔

۲۔ منتخب محلوں اور بستیوں میں کام مسلسل جم کر کیے جانے کی ضرورت ہے۔ جس کے نتائج کا انتظار بہت صبر کے ساتھ کرنا ہوگا۔ دعوتی ربط میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مخاطب دل چسپی

نہیں لے رہا ہے تو ہم اس سے ربط منقطع کر کے دوسرے فرد سے ربط قائم کر لیتے ہیں۔ لیکن بستی یا محلے کو ہمہ جہتی تعمیری کام کے لیے منتخب کرنے کے بعد آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ پھر تو آپ کو مسلسل کوشش کے ذریعے اس بستی یا محلے کو سدھار کر ہی دم لینا ہے۔ یہاں صرف چند باتوں کو پہنچا دینا ہی مطلوب نہیں ہے بلکہ کچھ ٹھوس کام کر کے دکھانا مقصود ہے۔ ہمیں اپنے مزاج کو اس مخصوص کام کے لیے ڈھالنا ہوگا اور ساتھ ہی کام کی ایسی منصوبہ بندی کرنی ہوگی کہ اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے پہلے چند چھوٹے چھوٹے کام ہاتھ میں لیں جو آسانی سے انجام پا سکتے ہوں۔ پھر جیسے جیسے ہمیں آبادی کے زیادہ افراد کا تعاون حاصل ہوتا جائے، دوسرے بڑے کام ہاتھ میں لیں۔ ابتدائی مرحلے میں یہ ضروری ہے کہ مقامی کارکنوں کے علاوہ ضلع اور حلقے کی سطح کے ذمہ دار لوگ بھی منتخب بستیوں کے ان کاموں میں دل چسپی لیں اور ہاتھ بٹائیں تاکہ مقامی کارکنوں کی ہمت افزائی ہو۔ کام چل نکلنے پر مقامی لوگ اس سہارے سے آزاد ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی حالت بہتر بنانے کا کام صرف مقامی کوششوں کے ذریعہ ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ صوبائی اور کل ہند پیمانے پر منظم کوششیں ہوں اور مقامی کوششیں ان منصوبوں کے مطابق انجام پائیں، جو غور وفکر کے بعد صوبائی یا کل ہند سطح پر مرتب کیے گئے ہوں۔ خوش قسمتی سے اب مختلف صوبائی اور کل ہند ادارے اس کام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ ہمیں ان اداروں میں دل چسپی لے کر ان کو سرگرم عمل بنانا چاہیے۔ ساتھ ہی مقامی طور پر ایسا نظم وجود میں لانا چاہیے جو ان اداروں کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنا سکے۔ اس سلسلے میں اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ باقاعدہ سروے کر کے معلوم کیا جائے کہ ہمارے بیروزگار افراد کن کاموں کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے لیے کس طرح کے کام مقامی طور پر آسانی کے ساتھ فراہم کیے جا سکتے ہیں۔ اور جن صنعتوں سے مسلمان بڑی تعداد میں وابستہ ہیں ان میں توسیع وترقی کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔ ایک طرف تو کل ہند سطح پر مسلمان ماہرینِ معاشیات اور سماجی کارکنوں کی خدمات حاصل کر کے سروے اور منصوبہ بندی کا کام انجام پانا چاہیے۔ دوسری طرف مقامی طور پر کارکنوں کو ان تدابیر کو عملی جامہ پہنانے کا اہتمام کرنا چاہیے جو غور وفکر کے بعد تجویز کی گئی ہوں یا مقامی تجربات کی روشنی میں

مفید پائی گئی ہوں۔ تعلیمی اور اقتصادی ترقی کی کوشش کو ایک عام تحریک کی شکل اختیار کرلینا چاہیے تاکہ نیچے سے اوپر تک ہماری آبادی میں اس کے لیے ایک نیا ولولہ پیدا ہو۔ طالب علم، استاد اور عام شہری سب کے لیے اس تحریک میں ایک اہم رول ادا کرنا ضروری ہے تب ہی یہ کام یابی سے ہم کنار ہو سکے گی۔

۳۔ منتخب محلوں اور بستیوں میں مجوزہ کاموں کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ جو رفاہی ادارے پہلے سے کام کررہے ہیں اور حکومت کے جن اداروں کا ان کاموں سے براہِ راست تعلق ہے ان سے ایجابی تعامل ہمارا عام چلن ہو جائے۔ فی الحال مختلف نفسیاتی وجوہ کے تلخ عملی تجربات اور اب تک کے ہمت شکن Response کی وجہ سے ان اداروں سے بیزاری پائی جاتی ہے جو بے تعلقی کی طرف لے جاتی ہے مگر یہ بات سماج کے لیے خوش آئند نہیں ہے اور اس صورتِ حال کو حکمت کے ساتھ بدلنا ضروری ہے۔ ہمارا پروگرام جائز حدود میں حکومت کی ترقیاتی اسکیموں اور رفاہی انجمنوں اور اداروں کا مالی تعاون حاصل کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ نیز اسی طرح اس امر کی صراحت کردی گئی ہے کہ ''پالیسی کے مذکورہ خدمتِ خلق کے کاموں نیز فقر وفاقہ، مرض و جہالت وغیرہ کے ازالہ کے سلسلے میں سرکاری، نیم سرکاری یا آزاد سماجی اداروں اور انجمنوں سے تعاون کرنے یا ان کا تعاون حاصل کرنے کا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ جائز حدود میں پنچایتوں، محلہ کمیٹیوں، کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے مراکز، سوشل ویلفیئر کے سینٹروں، امدادِ باہمی کی اسکیموں، پسماندہ اقوام کے لیے قائم امدادی مراکز اور دوسرے رفاہی اداروں سے بھی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔''

(جماعت اسلامی ہند کی پالیسی اور چار سالہ پروگرام۔ اپریل ۱۹۷۴ تا ۱۹۷۶ ص ۱۲)

جماعت اسلامی ہند کی مرکزی مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس بنگلور منعقدہ جون ۱۹۷۴ میں یہ بھی طے کیا ہے:

''تحریک اسلامی کے فروغ اور مجموعی مفاد کے لیے موجودہ نظام کے تحت کام کرنے والے مختلف رفاہی اور تعلیمی و ترقیاتی اداروں سے شرعی حدود کے اندر استفادہ کیا جائے گا اور انھیں بیش از بیش استفادہ کے قابل بنانے کی کوشش کی جائے گی۔''

اس طرح اپنے عملی پروگراموں کو کام یاب بنانے اور سماجی مسائل کے حل کے لیے مذکورہ حکومتی اداروں سے استفادہ کے علاوہ خود تحریک اسلامی کو آگے بڑھانے کے لیے بھی ان اداروں کی طرف توجہ ضروری معلوم ہوتی ہے۔

یہ بات تھوڑے غور وفکر سے بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ محلوں اور گاؤں کی ہمہ جہتی اٹھان کا کام، جس سے مقامی آبادی کا پورا اشتراک وتعاون مطلوب ہو نا حکومتی اداروں کے ساتھ اس قسم کے تعامل کے بغیر کماحقہٗ نہیں انجام پاسکتا جس کا ذکر اوپر کی دفعات میں آیا ہے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اب تک ہم نے اس سلسلے میں کوئی نمایاں پیش رفت نہیں کی ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہماری زیادہ توجہ تبلیغ واشاعت افکار اور انفرادی فکر وعمل کی اصلاح پر مرکوز رہی ہے۔ محلوں اور گاؤں میں ہمہ جہتی تعمیری کام کی طرف پوری توجہ نہیں دی جاسکی ہے۔ اب جب کہ ہم نے اس کام کو مرکز توجہ بنانا طے کیا ہے تو اس کے اس تقاضے کو بھی ادا کرنا چاہیے۔ ہمارے کارکنوں کو اپنے شہر کے قصبے، گاؤں یا محلے کے دوسرے سماجی کارکنوں اور حکومت کے ان مقامی عمال سے جن کا تعلق ہمارے پروگرام میں شامل رفاہی اور ترقیاتی کاموں سے ہو، ربط رکھنا چاہیے۔ حکومت اور رائے عامہ کے دباؤ سے کام لیتے ہوئے ان کو ان کی ذمہ داریوں کی انجام دہی پر آمادہ کرنا چاہیے۔ اور اس سلسلے میں اپنا تعاون پیش کرنا چاہیے۔ اور جو رفاہی اور سماجی کام ہم مقامی آبادی کے اشتراک وتعاون سے بطور خود (منظم) کریں ان کے لیے حکومتی اداروں سے جو سہولتیں بھی مل سکتی ہوں انھیں حاصل کرنا چاہیے۔

ہم نے جماعت اسلامی ہند کے پروگرام کے جن دو اہم اجزا اور ان کے بعض نمایاں تقاضوں کی نشان دہی کی ہے وہ بجائے خود بھی بہت اہم ہیں اور جماعت کے مجموعی مقاصد اور اس کے دعوتی اور اصلاحی کاموں کے لیے بھی ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں برصغیر کی تاریخ کے اس خصوصی مرحلے میں اور عالمی سطح پر جو زبردست تہذیبی اور سیاسی تبدیلیاں ہو رہی ہیں ان کے پس منظر میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہندوستان میں بسنے والے عام انسانوں میں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے حسن ظن پیدا ہو، بدگمانی اور غلط فہمی اور بسا اوقات نفرت وبیزاری کی موجودہ دیواریں ڈھے جائیں، لوگ ہم پر ایک دوست اور بہی خواہ کی حیثیت

سے اعتماد کرنے لگیں اور ہمارے پیغام کا تعصب اور شک کی عینک اتار کر معروضی طور پر مطالعہ کریں۔اس طرح اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو ذریعہ بنانے اور خود مسلمانوں کی ترقی اور دینی اصلاح کے لیے سب سے زیادہ اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ وہ اپنی کمزوریوں پر متنبہ ہوں، ان کو دور کرنے پر کمر بستہ ہو جائیں اور اس حوصلے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں کہ وہ اس ملک میں نہ صرف باعزت مقام حاصل کر سکتے ہیں بلکہ اپنی خدمات اور اپنی مخصوص دینی شناخت کے ذریعے دوسروں کی نگاہوں میں پسندیدہ بن سکتے ہیں۔غیر مسلموں اور مسلمانوں کی نسبت سے جماعت اسلامی ہند کے پروگرام کے جن دو اہم اجزا پر ہم نے روشنی ڈالی ہے ان کو اگر آپ سب کا مخلصانہ عمل میسر آجائے تو ان سے عظیم نتائج کی توقع وابستہ کی جاسکتی ہے۔وہ دن اس ملک کے لیے بھی بڑا مبارک ہوگا اور اس میں بسنے والی ملت کے لیے بھی۔ جب ملت ایک ایسا پروگرام اختیار کر کے اٹھے جس میں غیر مسلموں کو بھی اپنا بھلا نظر آئے اور پورا ملک اس پروگرام کی اس طرح ہمت افزائی کرے کہ ملت کی خود اعتمادی بحال ہو، حوصلہ بلند ہو اور کارگردگی میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جائے۔ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کرتے ہیں۔

حسنِ سلوک

مولانا حبیب اللہ

خدا کے بندو! اپنے خدا سے ڈرو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اختیار کرو۔ یہ پوری انسانیت کا دینی واخلاقی اثاثہ ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات ملاحظہ فرمائیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

(النسآء:۱)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت پھیلا دیے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو۔ بے شک اللہ ہر وقت تمھیں دیکھ رہا ہے۔''

ہم سب ایک رب کے بندے اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ ہمارے مابین بہت گہرے اور مضبوط رشتے ہیں۔ ہم اپنے رشتوں کا ہمیشہ پاس ولحاظ رکھیں، انہیں قائم رکھیں، ٹوٹنے نہ دیں، ان کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ اس تصور کے ساتھ کہ ہمارا رب ہر آن ہمیں دیکھ رہا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ ① الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُۙ ②

(الملک:۱،۲)

''بڑی برکت والا ہے وہ خدا جس کے قبضہ میں (کائنات کی) بادشاہت ہے اور وہ

ہر چیز پر قادر ہے، وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو، تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے۔ اور وہی زبردست اور مغفرت فرمانے والا ہے۔"

یہ اچھے کام جن میں ہماری جانچ ہے۔ یہی تو ہیں کہ ہم اللہ اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جائیں۔

وَاعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ (النسآء:۳۶، ۳۷)

"اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھیراؤ، اور ماں باپ سے بھلائی کرو، اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور ساتھی اور راہ گیر اور اپنی باندی غلام سے۔ بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا، ڈینگ مارنے والا جو خود بخل کریں اور دوسروں سے بخل کرنے کو کہیں اور اللہ نے جو انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپائیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اللہ کا حق یہ ہے کہ ہم اس کی بندگی کریں اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ بنائیں اور بندوں کا حق یہ ہے کہ ہم ان کے ساتھ احسان کریں، بھلائی کا رویہ اختیار کریں۔ اترانے والے اور ڈینگ مارنے والے اللہ کو پسند نہیں ہیں جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی سکھاتے ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی دولت کو چھپاتے ہیں۔ یہی کافر اور ان بھلائیوں کے انکاری ہیں۔ ان کے لیے اللہ نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے جس سے وہ ایک دن دوچار ہوں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۩﴿۷۷﴾ (الحج:۷۷)

"اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام کرو، امید

ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔"

اسلام کی بنیادی تعلیم اور فلاح و کامرانی کی واحد راہ یہی ہے کہ اللہ کی بندگی کی جائے اور بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی کا برتاؤ کیا جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝۹۰

(النحل: ۹۰)

"بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف کا، حسن سلوک کا اور رشتہ داروں کو دینے کا۔ اور منع فرماتا ہے بے حیائی، بری بات اور سرکشی سے۔ تمھیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔"

بندوں کے ساتھ ہمارا معاملہ کیا ہو؟ عدل کا، احسان کا اور دینے کا اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے اجتناب کا۔ اللہ نے ہمیں ان باتوں کی تاکیدی نصیحت فرمائی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے خاص انداز میں تلقین فرمائی کہ جو لوگ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی تو پابندی کرتے ہیں لیکن بندوں کے حقوق پامال کرتے ہیں اور ان کے ساتھ برائی سے پیش آتے ہیں وہ قیامت کے دن میری امت کے مفلس اور کنگال ہوں گے۔ ان کے ہاتھ نیکیوں سے خالی ہوں گے۔ سر سے پیر تک گناہوں میں دبے ہوں گے، وہ سر کے بل جہنم کے دہکتی آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔

برادرانِ محترم! یہ ہیں اسلام کی بنیادی ہدایات، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اے خدا کے بندو! تم اپنے خدا سے ڈرو اور بندگان خدا کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا رویہ اختیار کرو، دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی سے ہم کنار ہوں گے۔ آپ دنیا کے کسی بھی مذہب یا کسی بھی شریف انسان کے قلب وضمیر کو جھانک کر دیکھیں تو آپ کو ہر جگہ یہی پاکیزہ تعلیم ملے گی۔ بلکہ حد تو یہ ہے کہ بندگان خدا کو انتہائی بے دردی کے ساتھ لوٹنے کھسوٹنے والے افراد اور گروہ بھی انہیں نیکیوں اور بھلائیوں کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور انہیں کے وعدوں کا سبز باغ دکھا کر قوموں اور گروہوں کو کلی تباہی و ہلاکت کی راہوں پر لگاتے ہیں۔ آپ ایک طرف ان تعلیمات کو نگاہ میں رکھیں اور دوسری طرف بندوں کے عمومی حالات اور ان کے سنگین مسائل کو دیکھیں۔ فقر و فاقہ، گرانی وقحط سالی،

غربت وافلاس اورعام پسماندگی، تشدد ولاقانونیت کی بڑھتی ہوئی لہر، مرض وجہالت، ظلم و ناانصافی معاشی استحصال، اونچ نیچ، بھید بھاؤ، عدم رواداری، طرح طرح کی اخلاقی کمزوریاں، خصوصاً نئی نسل میں اخلاقی انارکی، نفس پرستی، اباحیت وخدافراموشی اورآخرت سے غفلت وغیرہ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخران حالات میں ان بنیادی پاکیزہ تعلیمات کوخلوص کے ساتھ اپنانے والے کون لوگ ہوں گے؟ کہاں سے آئیں گے؟ کیا اسی طرح پوری انسانیت تباہ ہوتی رہے گی اور ہم تماشا دیکھتے رہیں گے؟ کیا اس صورت میں ہم اپنے آپ کو اس کلی تباہی سے بچاسکیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں، ہم سب تباہ ہوں گے۔ اور ایسے تباہ ہوں گے کہ نہ تو ہمارے حال پر کوئی دل ترس کھائے گا اور نہ کوئی آنکھ روئے گی۔ یہ انجام تو اس دنیا کا ہوگا۔ آخرت میں جب اللہ کے حضور پیشی ہوگی تو ہم وہاں مجرم ہوں گے، ہمارا دل مجرم ہوگا۔ جس طرح ہمیں اللہ کے بندوں پر رحم نہیں آیا ہے، اللہ بھی ہم پر رحم نہ فرمائے گا۔ ہمارے حق میں دردناک عذاب کا فیصلہ ہوگا۔ ہم دہکتی آگ کے حوالے ہوں گے اور اس سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

جماعت اسلامی ہند مسلمانوں اور تمام مذاہب کے سچے پیروکاروں کو آواز دیتی ہے اور ہر شریف انسان کے قلب وضمیر سے اپیل کرتی ہے کہ آئیے ہم اپنے فرض کو پہچانیں، اپنے کو اور اپنے نونہالوں کو دنیا وآخرت کے بھیانک انجام سے بچانے کی فکر کریں۔ بھلائیوں کا نعرہ لگانے والے اور دنیوی فلاح وبہبود کے وعدوں کا سبز باغ دکھانے والے تو بہت ہیں لیکن اپنے خدا سے ڈرنے والے، انسانیت کے حقیقی خیرخواہ، انہیں دنیا وآخرت کی کامل فلاح وبہبود سے ہمکنار دیکھنے کی آرزو رکھنے والے، سچے دل سے ان کے دکھ درد میں ہاتھ بٹانے والے، ان کی خدمت اور بھلائی کے کاموں میں مل جل کر لگ لپٹ جانے والے، اس مشترک اور عالمی سچائی کا پیکر اور نمونہ بننے والے بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جماعت چاہتی ہے کہ ملک کے تمام خیرپسند بھائی اس فرض کی ادائیگی کے لیے کھڑے ہوجائیں اور مل جل کر اس ذمہ داری کو ادا کریں۔ درج ذیل کام ہماری اولین توجہ کے طالب ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے غربت وافلاس اورعام پسماندگی کو لیجیے۔ باشندگان ملک کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو ان آفات ومصائب کو دور کرنے کے کام سے کوئی عملی دلچسپی نہیں رکھتی۔

ان کے نزدیک یہ کام حکومت کا ہے۔اسی کو ان کے حل کی فکر کرنی چاہیے۔ کچھ لوگ تو ایسے بھی ہیں جو مصیبتوں کا موجب بھی حکومت ہی کو گردانتے ہیں۔ چنانچہ ان کے حل کے لیے حکومت ہی کو ذمہ دار بھی سمجھتے ہیں۔اور اس سلسلے میں اپنی کوئی ذمہ داری محسوس ہی نہیں کرتے۔حکومت کے ایک ذمہ دار کے بقول بارش زیادہ ہو، اور سیلاب آجائے، یا بارش کم ہو اور قحط پڑ جائے، اولے گریں اور طوفان آجائے تو ایسا سمجھا جاتا ہے گویا کہ حکومت ہی نے یہ سب کچھ کرایا ہے اور اسی کو اس کا خمیازہ بھگتنا چاہیے۔

اس میں شک نہیں کہ بہت سے مسائل اس لیے بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور لاینحل بن جاتے ہیں کہ حکومت کی مشینری چوکس نہیں رہتی اور اس کا عملہ فرض شناسی اور تن دہی سے کام نہیں کرتا۔ان صورتوں میں حکومت کی گرفت کرنا اور اس کے فرائض یاد دلانا ضروری ہے لیکن قومی مصائب کا مقابلہ تو جملہ باشندگان ملک کو مل جل کر کرنا چاہیے۔ساری ذمہ داری تنہا حکومت پر ڈال کر ہم کو الگ تو نہ ہو جانا چاہیے۔ ملک ہمارا ہے، باشندگان ملک ہمارے بھائی ہیں۔ہمارے ملک اور ہمارے بھائیوں کی مصیبت ہماری اپنی مصیبت ہے۔پھر سب مل کر کیوں نہ اس کا مقابلہ کریں۔

ہر معاملے میں حکومت ہی پر بھروسہ کرنا تنہا ہمارے ہی ملک کی خصوصیت نہیں ہے، ایشیا اور افریقہ کے تمام نو آزاد اور ترقی پذیر ممالک کے باشندوں کا یہی حال ہے۔ چونکہ دور غلامی میں یہ ممالک استحصال کا شکار اور نہایت پسماندہ تھے۔آزادی کے بعد ان کے وسائل وذرائع بھی بڑھے اور ترقی یافتہ ممالک سے امداد اور قرض لے کر اپنی پس ماندگی دور کرنے کے انہیں مواقع بھی ملے، فلاحی ریاست کے تصور اور انتخابی مہموں میں نعروں اور وعدوں کی وجہ سے بھی حکومت سے پبلک کو بہت توقعات ہو گئی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں مغربی ملکوں کے مقابلے میں رضاکار اور رفاہی تنظیمیں بہت کم ہیں۔سب کچھ حکومتوں ہی پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ کوئی حکومت خواہ کتنی ہی فرض شناس اور نیک نیت ہو، اس کے وسائل وذرائع اور افرادی قوت بہت ہو، پھر بھی وہ اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے عملہ اور پبلک کے بھرپور تعاون کی بہرحال محتاج ہوتی ہے۔اگر باشندگان ملک ان مسائل سے دلچسپی نہ لیں اور

رائے عامہ کا دباؤ نہ ہو، تو حکومت کی مشینری چوکس رہ سکتی ہے اور نہ فلاحی ریاست کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں، بلکہ عام لوگ تو محروم رہ جائیں گے اور چند خوش حال اور حکام رس لوگ ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی خوش حالی میں مزید اضافہ کر لیں گے۔

برادران محترم! آپ جانتے ہیں کہ کمیونٹی ڈولپمنٹ، سوشل ویلفیئر اور پس ماندہ طبقات کو اونچا اٹھانے کے لیے قومی سرمایہ سے ہر پانچ سالہ منصوبے میں اربوں روپے رکھے جاتے ہیں۔ ملک و بیرونِ ملک کی متعدد رفاہی و فلاحی انجمنیں اس سلسلے میں طرح طرح سے امداد کرتی ہیں۔ لیکن یہ سارا کام سرکاری و نیم سرکاری مشینری ہی کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے۔ مگر ہماری ان مسائل سے عدم دلچسپی کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کاموں میں کوئی برکت نظر نہیں آتی۔ غیر مستحق لوگ ناجائز فائدہ اٹھا لیتے ہیں اور مستحق لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور اپنے بہتر سرمایہ اور وسائل و ذرائع سے بھی غریبی، پس ماندگی دور کرنے اور عوام خصوصاً دیہاتوں کی بڑی اکثریت کی مصیبتیں دور کرنے میں وہ مدد نہیں ملتی جو ملنی چاہیے۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ قومی مصیبتوں اور قحط و قلت کے مواقع پر بھی مدد، خدمت اور ہمدردی کا جذبہ ابھرنے کے بجائے کچھ افراد اور گروہوں میں اس صورت حال سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی تحریک بڑھتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں سے اس مصیبت میں اور اضافہ کا موجب بنتے ہیں حالانکہ یہ مواقع اپنے ذاتی اور گروہی مفادات سے بلند ہو کر مصیبت زدہ بھائیوں کو راحت پہنچانے کے لیے کچھ کر گزرنے کا ہر فرد اور گروہ سے تقاضا کرتے ہیں۔

ہمیں مل جل کر ملک میں ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آئیں اور ناگہانی اور قومی مصیبتوں کا مل جل کا مقابلہ کریں۔

۲ — دوسرا اہم کام ملک میں تشدد کی بڑھتی ہوئی لہر اور لاقانونیت کو روکنے کا ہے۔ اجتماعی زندگی میں لوگوں کو ایک دوسرے سے شکایات پیدا ہوتی ہیں لیکن اس کے معنے یہ تو نہیں کہ ہر شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے یا اپنا جائز و ناجائز فائدہ منوانے کے لیے تشدد پر اتر آئے۔ یہ نہایت خطرناک رجحان ہے۔ اس سے ظلم و تشدد اور توڑ پھوڑ کر بڑھاوا ملتا ہے۔ جانی و مالی نقصان کے علاوہ ملک کی تعمیر و ترقی کے کاموں کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ ہم کو مل جل کر

اس فضا کو بدلنے اور باہمی خیر سگالی اور مفاہمت کے جذبات ابھارنے کی فکر کرنی چاہیے۔ ہر فرض شناس کو عدل وانصاف پر قائم رہنے کے لیے آمادہ کرنا چاہیے۔ ہر جگہ خیر پسندوں کا ایسا گروہ تیار کرنا چاہیے جو تشدد اور لاقانونیت کی روک تھام کے سلسلے میں ہر وقت فکر کر سکے اور ان اسباب کے ازالے کی پیشگی فکر کرے تاکہ اس کی نوبت نہ آنے پائے۔ نئی نسل میں یہ رجحان بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ہمیں ان کی قوتوں کو تخریب کے بجائے تعمیر کی طرف لگانا چاہیے۔

ایک نہایت زریں اصول جو اجتماعیت کی جان ہے اور جس کی دنیا کے تمام مذاہب نے نہایت پرزور الفاظ میں تعلیم دی ہے اس کو ذہن نشین کرانے کی فکر کرنی چاہیے۔ دوسروں کے لیے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ ساتھ ہی یہ احساس بھی زیادہ سے زیادہ بیدار رکھنا چاہیے کہ ''جیسی کرنی ویسی بھرنی''، ہمیں بہرحال اپنے کرتوتوں کا پھل بھگتنا پڑے گا۔ تجربہ شاہد ہے کہ دنیا میں بھی برے کرتوتوں کا پھل اچھا نہیں ہوتا اور آخرت میں جو نتائج رونما ہوں گے وہ اس سے زیادہ ہولناک ہوں گے۔

۳۔ تیسرا اہم کام نئی نسل میں بڑھتی ہوئی انارکی اور اباحیت پر روک لگانے اور ان کا رخ تعمیر کی طرف موڑنے کا ہے۔ ہمارا ملک اپنے محل وقوع، اپنے وسائل وذرائع اور اپنی افرادی قوت کے لحاظ سے دنیا کے چند بڑے ملکوں میں سے ایک ہے۔ ہمارے بزرگوں کی انتھک کوششوں اور ایثار وقربانی کے بعد ملک کی باگ ڈور باشندگان ملک کے ہاتھ میں آئی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے وطن عزیز کی تعمیر وترقی اور باشندگان ملک کی فلاح وبہبود کے لیے مل جل کر کوشش کریں اور افراد اور جماعتیں انفرادی واجتماعی طور سے اس کی خدمت اور اسے دنیا کے لیے مثالی بنانے کی جدوجہد میں اپنا حصہ ادا کریں۔ ہمارے ملک کا مستقبل ہماری نئی نسل کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے یہی نوجوان اس ملک کے معمار اور کرتا دھرتا بننے والے ہیں۔ ان سے بجا طور سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی علمی لیاقت، فنی صلاحیت اور کارکردگی میں اضافہ کر کے ملک کی تعمیر وترقی میں بھرپور حصہ لیں گے۔ مگر اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ ان کی بڑی تعداد میں ایسے رجحانات پروان چڑھ رہے ہیں جو نہایت درجہ تشویش ناک ہیں۔ ان کو نہ تو خدا کا خوف ہے نہ قانون کا ڈر۔ نہ ملک اور باشندگان ملک کا درد ہے۔ نہ ان کی خدمت کا شوق، نہ

دین ودھرم کا پاس ولحاظ ہے اور نہ والدین کی پسند وناپسند کا خیال، وہ کسی اصول وضابطے کی پابندی گوارا کرنے کے لیے تیار نظر آتے۔ ان کی حرکات وسکنات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کسی کی کوئی پروا نہیں جو دل چاہے گا کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان لاڈلوں سے باشندگان ملک کی آنکھیں ٹھنڈی ہونے کے بجائے انہیں دکھ پہنچتا ہے۔ ملک کی کیا خدمت کر سکیں گے، خود اپنی صحت واخلاق کو تباہ کر رہے ہیں۔ اور اپنی حرکات وسکنات سے امن وسکون کو درہم برہم کرنے کے ساتھ تعمیری کوششوں کو بھی شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس خطرناک رجحان کو بدلنے اور ہمدردی ودل سوزی سے ان کی قوتوں اور صلاحیتوں کو تعمیر کی طرف لگانے کی بھرپور کوشش ہونی چاہیے۔ سب سے پہلے ہم میں سے ہر ایک کو اپنی اولاد کی اصلاح وتربیت کی فکر کرنی چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے اعزہ واقارب اپنے دوست احباب اور اپنے پڑوسیوں کی اولاد کو اپنی اولاد سمجھ کر ان کو سدھارنے اور محبت وپیار سے انہیں سیدھی راہ پر لگانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس طرح نئی نسلوں کے ساتھ کے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ جو تعاون بھی ممکن ہو کرنا چاہیے۔

۴۔ چوتھا اہم ترین کام۔ بھلائیوں کو عام کرنے، رواج دینے اور غالب کرنے کا اور برائیوں کو دور کرنے اور مٹانے کا ہے۔ دنیا میں کون ہے جو اپنے لیے برائی کو پسند اور بھلائی کو ناپسند کرتا ہو؟ یا وہ کون دین دھرم اور مذہب ہے جو برائی کی تعلیم دیتا اور بھلائی سے روکتا اور منع کرتا ہو؟ یا وہ کون سی انجمن، جماعت اور پارٹی ہے جو برائی کو فروغ دینے اور بھلائی کو مٹانے کے نام سے وجود میں آئی ہو؟ آپ کا ایک ہی جواب ہوگا کہ نہیں، کبھی ایسا نہیں دیکھا گیا۔ پھر کیوں ایسا ہے کہ آج ہمارا پورا انسانی سماج برائیوں کے اختیار کرنے اور اپنانے پر جیسے بری طرح ٹوٹ پڑا ہو اور بھلائیوں کو دیس نکالا دے دیا ہو؟ کیا اس کی فطرت بدل گئی یا وہ آپ اپنی جان کا دشمن ہو گیا ہے؟ ایک صاحب کہنے لگے کہ چمڑے کے پرانے جوتے جمع کیے جاتے ہیں، انہیں پکایا جاتا ہے، ان کا برادہ بنایا جاتا ہے۔ پھر انہیں چائے کے رنگ میں رنگ کر چائے میں ملا دیا جاتا ہے۔ پھر وہی ڈبوں میں بھر کر بازار پہنچا دیا جاتا ہے۔ وہی برادہ چائے کے نام پر ہم اور آپ پیتے ہیں۔ یہ ایک ادنیٰ مثال ہے۔ یہی حال تقریباً تمام ہی استعمال

کرنے اور برتنے کی چیزوں میں ہورہا ہے۔ ملاوٹ، گرانی، قتل وغارت گری، بے حیائی وبدکاری، جوا، شراب نوشی وسودخوری، رشوت ستانی، غرض ہر بڑی برائی کا سیلاب ہے جو پورے سماج کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔

برادران محترم! خدا کو بھول جانے، اور شیطان کی پیروی اختیار کر لینے کا انجام ہمیشہ یہی ہوا ہے اور آج بھی ہورہا ہے۔ شیطان ہمارا دشمن ہے، وہ ہمیں برائی سکھاتا اور برائی کی راہ پر ڈالتا ہے۔ ہماری دنیا بھی تباہ کردینا چاہتا ہے اور آخرت بھی۔ وہ ہمارے ہاتھوں کے کرتوت سے دنیا کو بدامنی اور فساد سے بھرا دیکھنا چاہتا ہے تاکہ ہم دنیا میں بھی اس کے کڑوے کسیلے پھل چکھیں اور جب اپنے خدا کے حضور جائیں تو وہاں باغی اور مجرم قرار پائیں، اپنے جرائم کے حقیقی انجام سے دوچار ہوں۔ وہ انجام انتہائی الم ناک اور بھیانک ہوگا۔ دہکتی آگ ہوگی جو چاروں طرف سے چھائی ہوگی۔ اس سے نکلنے کا موقع نہ ہوگا۔

برادران محترم! جماعت اسلامی آپ کو آپ کے خدا کے نام پر بلاتی ہے۔ آپ کی اپنی حقیقی بھلائی کا حوالہ دیتی ہے۔ آپ اس دنیا میں بھی امن، اطمینان اور چین سے رہیں اور جب اپنے خدا کے حضور پہنچیں تو وہ آپ سے راضی اور خوش ہو، آپ کو بھرپور انعام عطا فرمائے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے اور اس میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ بھلائی کا انجام اچھا اور برائی کا انجام برا ہوتا ہے۔ ہم بھلائیوں کے اختیار کرنے اور برائیوں کے چھوڑ دینے کا تہیہ کرلیں اور پھر مل جل کر بھلائیوں کو فروغ دینے اور برائیوں کے مٹا دینے کی منظم کوشش کریں۔ خدا نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے اسے ان سے محبت ہے، وہ ہمارے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا جیسا ہم اس کے بندوں کے ساتھ کریں گے۔ ہم ان سے محبت کریں گے تو وہ بھی ہم سے محبت کرے گا، رحم کریں گے تو وہ بھی رحم کرے گا، ان کی ضرورت پر کام آئیں گے، تو وہ ہماری ضرورت پر کام آئے گا۔ آج بندگان خدا کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم انہیں شیطان کے پھندے سے نکال کر انہیں ان کے خدا سے جوڑ دیں، وہ ہوش میں آجائیں، ان کے اندر بھلائی برائی کا امتیاز پیدا ہوجائے، وہ بھلائی کو سینے سے لگائیں، برائی سے بھاگیں جیسے کوئی آگ سے بھاگتا ہے۔ شیطان کی راہ پر ڈالنے والے بہت ہیں، منظم ہیں، پورے سماج پر چھائے ہوئے

ہیں۔ خدا کی راہ پر لگانے والے ٹھیک ٹھیک جائزہ لیں، صحیح صورت حال سے لوگوں کو آگاہ کریں، آج انسانی دل ودماغ پر شیطان نے قابو پالیا ہے، انہیں کلی تباہی کی راہ پر لگا دیا ہے۔ وہ پوری تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتے چلے جارہے ہیں، ہر آنے والا دن نئی نئی برائیوں کو جنم دیتا ہے۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب لوگ عام طور پر برائی کو بھلائی اور بھلائی کو برائی سمجھیں گے۔ انسانی فطرت مسخ ہوجائے گی اور بھلائی سے ویسی ہی نفرت پیدا ہوجائے گی جیسی برائی سے ہونی چاہیے۔ پھر لوگ عام طور پر بھلائی کے نام پر برائی کریں گے۔ بھلائی کو برائی سمجھ کر چھوڑ دیں گے اور اس طرح ایک دن انسان اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلا گھونٹ لے گا۔

برادرانِ محترم! آپ بندگان خدا کے حال پر رحم کریں، ان کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہوجائیں، برائی کے یلغار سے انہیں بچائیں۔ شیطان کے چنگل سے انہیں بچائیں۔ برائی کی آگ پورے ملک اور اس کی ایک ایک آبادی کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ انسانی سماج کا ہر حصہ دھڑ ادھڑ جل رہا ہے۔ ایسے موقع پر آپ اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بھلا دیں، ملک کے گوشے گوشے سے اپنے خیر پسند بھائیوں کو ڈھونڈھیں، تلاش کریں اور انہیں اس آگ کے ٹھنڈا کرنے پر آمادہ کریں۔ متحد اور منظم ہوجائیں، پوری قوت کے ساتھ اس محاذ پر ڈٹ جائیں، خیر کی ساری بکھری ہوئی قوتوں کو مجتمع کریں، ترتیب دیں اور اس کار خیر کی انجام دہی میں لگا دیں۔ یہ کام اتنا بڑا وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ تنہا کوئی ایک جماعت محض اپنے وسائل وذرائع سے کام لے کر انجام نہیں دے سکتی۔ ضرورت ہے ہر دھرم اور مذہب ہر جماعت اور پارٹی ہر طبقہ اور فرقہ عوام وخواص سے تعلق رکھنے والے خیر پسند بھائی اس کام کے لیے ایک ہوجائیں۔ باہمی اشتراک وتعاون سے کام لیتے ہوئے ایک عظیم اجتماعی قوت بنیں اور کام کو کما حقہ انجام دیں۔ اس کام کو ٹھیک ٹھیک انجام دینے کے لیے بے حد ضروری ہے کہ ہمارے دلوں میں خدا کا ڈر ہو، محبت ہو، اسے راضی اور خوش کرنے کی تڑپ ہو، آخرت میں اپنے خدا کے حضور جواب دہی کا احساس ہو۔ اس کے بغیر مال کی ہوس اور شیطان کے بہلاوے سے نجات پانا مشکل ہے۔

آج اس گئے گزرے دور میں بھی ہمارے ملک اور سماج میں خیر پسند بھائیوں کی کمی نہیں ہے۔ آپ ایوان صدارت سے لے کر دیہات کی ایک خستہ جھونپڑی تک، ہر گھر میں

جھانک کر دیکھیں ۔آپ کو ایک بہت بڑی تعداد ملے گی جو نیکی اور بناؤ کو دل سے پسند کرتی ہے، برائی اور بگاڑ سے اسے شدید نفرت ہے ۔یہی انسان کی فطرت ہے ۔ابھی ان کی فطرت بدلی نہیں ہے ۔لیکن یہ سب کے سب منتشر ہیں، بکھرے ہوئے ہیں ۔ برائی اور بگاڑ کے بڑے ہمہ گیر اور بھیانک طوفان کو دیکھ کر مبہوت ہو گئے ہیں ۔ ڈرے سہمے اور ٹھٹکے کھڑے ہیں ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں، اس طوفان سے اپنا بچاؤ کیسے کریں؟ مادی تعمیر و ترقی معیار زندگی کی بلندی، دولت بڑھانے، اقتدار پر قبضہ پانے، ملکی وسائل و ذرائع کو ہاتھ میں لینے اور حسب منشا استعمال کرنے کی آوازیں ہر طرف سے اٹھ رہی ہیں ۔ان کے لیے تنظیمیں بنتی ہیں، پارٹیاں وجود میں آتی ہیں ۔زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے اور لذات دنیا سے لطف اندوز ہونے کی ایک ہوا چل رہی ہے ۔ ہر فرد ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی فکر میں ہے ۔اس کے لیے دھینگا مشتی، اکھاڑ پچھاڑ، اور ایک دوسرے کو گرانے اٹھانے کا ہنگامہ برپا ہے ۔لیکن نیک نیتی کے ساتھ محض نیکی اور بناؤ کو پروان چڑھانے اور برائی اور بگاڑ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے نہ کوئی آواز سننے میں آتی ہے اور نہ ہی کوئی تنظیم اور پارٹی وجود میں آتی ہے ۔اس محاذ پر یکسر سکوت اور سناٹا چھایا ہوا ہے ۔اس صورت حال کو دیکھ دیکھ کر خیر پسندوں کی روح لرزتی ہے اور وہ دن بدن مستقبل سے مایوس ہوتے چلے جارہے ہیں ۔اس موقع پر اگر آپ آگے بڑھیں، سکوت توڑیں، نیکی اور بناؤ سے محبت رکھنے والوں کو آواز دیں، انہیں اطمینان دلائیں کہ ہم محض خدا کے واسطے اس نیکی اور بناؤ کو فروغ دینا چاہتے ہیں جو آپ کے دل کی آواز ہے اور جس سے آپ کو قلبی لگاؤ ہے ۔اس برائی اور بگاڑ کو مٹانا چاہتے ہیں جس سے آپ کی فطرت انکار کرتی ہے اور جس سے آپ کو شدید نفرت ہے ۔اس کے سوا اور ہماری کوئی غرض نہیں ہے کہ ہم سے ہمارا خدا راضی اور خوش ہو۔ہمیں اور تمام ہی بندگان خدا کو دنیا میں بھی امن چین اور انصاف نصیب ہو اور اپنے خدا کے حضور بھی ہم خیر پسند اور نیکوکار بن کر پیش ہوں ۔ وہ ہمیں اپنے لازوال انعامات سے نوازے، اس کی پکڑ اور دردناک سزا سے ہم بچ جائیں ۔اپنے اس کام کے لیے ہم سب متحد اور منظم ہو جائیں ۔ ہماری ایک آواز، ایک مقصد اور ایک کام ہو ۔اس کے لیے ہم پورے ملک میں تحریک چلائیں، مہم لے کر اٹھیں انجمنیں، جماعتیں اور پارٹیاں

بنائیں، ہر خیر پسند کو ساتھ لیں، ہر جگہ ایک اجتماعی طاقت بن کر کھڑے ہو جائیں۔ برائی اور بگاڑ کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ نیکیوں اور بھلائیوں کا ایک سیلاب ہو جو برائیوں کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جائے آپ خیر پسندوں کے اندر امنگ اور حوصلہ پیدا کریں۔ ان کے خوف وہراس کو دور کریں، ان کی مایوسیوں کو امید سے بدل دیں۔ انہیں محسوس ہونے لگے کہ خدا کے حق پرست اور نیکوکار بندوں نے جھرجھری لی ہے۔ بیدار ہوئے ہیں اپنے بچھڑے ہوئے بھائیوں سے گلے مل رہے ہیں۔ سینے سے لگا رہے ہیں دلوں کے میل کچیل دھل رہے ہیں، باہمی شکوہ وشکایت کا دور ختم ہو رہا ہے۔ یہ ایک خدا کے بندے، ایک ماں باپ کی اولاد تھے، بچھڑ گئے تھے، پھر ایک ہو رہے ہیں۔ یہ حق پرستی اور نیکی کے علم بردار ہوں گے، منظم ہوں گے، حرکت میں آئیں گے، ایک دوسرے کو سہارا دیں گے، ڈھارس بندھائیں گے آگے بڑھیں گے۔ ملک سماج اور ایک ایک گھر کو نیکیوں سے بھر دیں گے، حق اور نیکی کا سورج پوری آب وتاب سے روشن ہوگا، باطل جھوٹ اور برائی کی گھنگھور گھٹائیں چھٹ جائیں گی، ہوا میں تحلیل ہو کے رہیں گی۔ آپ کی آواز میں زور ہو آپ کی پشت پر عظیم اجتماعی طاقت ہو، تو آپ دیکھیں گے کہ ملک کے گوشے گوشے سے خیر پسند فوج درفوج کھنچے چلے آرہے ہیں۔ آپ کو ملک کے جنگل وبیابان سے بھی اپنی تائید ملے گی۔ حق اور نیکی میں بے پناہ طاقت اور کشش ہے۔ ایک مرتبہ آپ اسے بے نقاب کر کے میدان میں لے آئیں پھر دیکھیں کہ جھوٹ، برائی اور بگاڑ کس طرح میدان چھوڑتے ہیں۔

برادرانِ محترم! یہ ہیں وہ چند اہم کام جو اپنی انجام دہی کے لیے ہماری غیر معمولی توجہ چاہتے ہیں۔ جماعت اسلامی ہند انہیں زیر عمل لانے کے لیے کوشاں ہے۔ مگر اس طرح کے ملک گیر کام تنہا کسی ایک گروہ کی محدود کوششوں سے انجام نہیں پاسکتے بلکہ ملک کے جملہ بہی خواہ اور خیر پسند حضرات کی اجتماعی کوششوں ہی سے کچھ ہو سکے گا۔ آپ حضرات سے توقع ہے کہ اس سلسلے میں آپ ہمارا ہاتھ بٹائیں گے اور ہمارے معاون بنیں گے۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ ان کی انجام دہی کے لیے ملک میں جہاں بھی کوششیں ہوں گی ہمارے رفقاء ان میں امکان بھر اشتراک وتعاون کریں گے۔

انسان کے مسائل اور اسلام کا پیغام

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

انسان، انسانیت کی پریشانیوں، انسانیت کے مسائل کا اتنا رونا رویا گیا ہے کہ جب اس کو موضوعِ گفتگو بنایا جاتا ہے تو لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ شاید ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ ہمیشہ لوگ انسان کی پریشانیوں کا ذکر کرتے رہے ہیں لیکن بعد میں پیچھے مڑ کر دیکھنے پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسان ترقی کر رہا ہے، ہوسکتا ہے کچھ دنوں پیچھے نظر ڈالنے والے ایسا ہی محسوس کرتے ہوں، لیکن آج انسان جس درد و کرب سے گزر رہا ہے اس کے بارے میں جس طرح سماج کے سوچنے والے ادیب، شاعر، مفکر اور فلسفی اضطراب کا اظہار کر رہے ہیں۔ جس طرح ہماری نئی نسلیں ہی نہیں جو ایشیا، افریقہ اور جنوبی امریکہ کے غریب ممالک میں بستی ہیں بلکہ دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی جس طرح حیرانی اور سرگرانی کا اظہار کر رہی ہیں اس کو دیکھنے کے بعد بھی اسے سنجیدہ مسئلہ نہ سمجھنا سطحیت کا مظاہرہ ہوگا۔ دور نہ جائیے، پچھلی ہی صدی کو لیجیے، انیسویں صدی میں انسان کو خاص طور پر مغرب کے انسان کو بڑی خود اعتمادی محسوس ہوتی تھی، اس کے شاعر، اس کے ادیب، سب نہیں، لیکن زیادہ تر ایک اطمینان بخش تصویر سامنے لاتے تھے۔ آج ایسا نہیں رہ گیا ہے۔ مسئلہ صرف انٹلکچول اور صرف نئی نسل کے اظہارِ درد و اضطراب کا معاملہ نہیں ہے بلکہ اب تو بعض ایسے ٹھوس واقعات سامنے آنے لگے ہیں جن سے انسان یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ آل از ناٹ ویل آف دی کمیونٹی اور ہوسکتا ہے کہ ہمارا مستقبل ترقی کی طرف نہیں بلکہ تنزل کی طرف ہمیں لے جائے۔ مثال کے طور پر ہم اور آپ دنیا کے اطراف

میں بسنے والے انسان امریکہ کی طرف کیسی نگاہوں سے دیکھتے ہیں؟ کتنی ترقی ہے؟ سامانِ زندگی کی کتنی فراوانی ہے؟ جمہوریت ہے لیکن گزشتہ دنوں آپ نے دیکھا کہ بہ ظاہر ایک چھوٹی سی چیز یعنی تیل کے بحران نے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی کہ اندیشہ ہو چلا تھا کہ امریکہ کی پوری معیشت اور اس سے متعلق اس کی پوری تمدنی زندگی، اس کی سیر و تفریح، اس کا آرام و سکون سب بری طرح متاثر ہو جائے گا، یہاں تک کہ وہاں کا انسان موسم کا مقابلہ بھی نہ کر سکے گا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس بحران نے انسانی زندگی کی اس متمدن اور ترقی یافتہ سوسائٹی کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ برطانیہ کے بارے میں ہمارا تاثر کیا ہے؟ بڑی قدیم قوم ہے، بڑی اسٹیبلٹی کا مظاہرہ اس نے کیا ہے، دنیا کی بہت ترقی یافتہ ایک ویلفیر اسٹیٹ ہے۔ یہ اس کی امیج ہماری نظروں میں ہے لیکن گزشتہ چند برسوں سے وہاں جس طرح مزدور و آقا کے درمیان کشمکش بڑھتی رہی، معیشت ہل ہل کر رہ گئی، بار بار انتخابات کرانے پڑے۔ یہ ساری چیزیں ہمارے اعتماد کو دھکا لگا رہی ہیں۔ اگر ہم ان مادی اور ٹھوس واقعات کے پیچھے جا کر دیکھیں اور جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ ادب کے جھروکے سے، شاعروں کی نگاہ سے، نوجوان نسلوں کے اظہارِ خیال سے، ان کے اس عملی مظاہرے سے جو وہ یورپ کی آرام دہ زندگی کو چھوڑ کر ہماری گلیوں میں آ کر خاک چھاننے کے ذریعہ سے ہمارے سامنے کرتے ہیں۔ اگر ہم اس کے ذریعے سے ان کے اضطراب کا، ان کے کرب کا اندازہ کرنا چاہیں تب شاید ہمیں کچھ اندازہ ہو سکے کہ آج کا انسان پریشان ہے۔ انسان کو اپنے خاندان میں بھی سکون و راحت میسر نہیں ہے۔ ایسی فضا بن گئی ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ اس سے ہمدردی، دل سوزی اور اخلاص و محبت کی توقع نہیں کر سکتا۔ ہر ایک گروہ دوسرے گروہ کو اپنا دشمن سمجھ کر کیسے زندگی گزارے؟ یہ مسئلہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا ہے، آپ طبقات کو دیکھیے، قوموں کو دیکھیے، گروہوں کو دیکھیے، ہر جگہ ایک دوسرے کے ساتھ تعلق میں بہتری پیدا ہونے کے بجائے ابتری پیدا ہونے کا رجحان نظر آتا ہے۔ اور سب سے بڑی گروہ بندی جو دنیا میں ہے، سب سے بڑی تقسیم اور تفریق جو دنیا میں ہے امیر قوموں اور غریب قوموں کی، طاقت ور قوموں اور کمزور قوموں کی، ساز و سامان سے مالا مال قوموں اور نانِ جویں سے محروم قوموں کی ہے۔ پھر دونوں کے درمیان تفاوت بھی وقت

گزرنے کے ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ مجلس اقوام متحدہ اور درجنوں عالمی ادارے جو اس کے تحت بنے اور آئے دن ورلڈ کانفرنسس جو کبھی خوراک کے مسئلے پر، کبھی انرجی کے مسئلے پر اور کبھی کسی دوسرے مسئلے پر ہوتی رہتی ہیں، بجائے اس کے کہ اس تفاوت اور اس تفریق کو کم کریں وہ اس بڑھتی ہوئی خلیج کو جو امیر اور غریب قوموں، طاقت ور اور کمزور قوموں کے درمیان ہے، پاٹنے میں بالکل ناکام ثابت ہو رہی ہیں —— آج صورتِ حال کیا ہے؟ آج سے چند سال پہلے کے اعداد و شمار کی روشنی میں دنیا کے صرف ۲۳ ممالک کی مجموعی پیداوار پوری دنیا کی سالانہ پیداوار کی ۸۰ فیصد کے بقدر ہے جب کہ باقی ۱۲۰ کے قریب ممالک مجموعی طور پر صرف ۲۰ فیصد پیدا کرتے ہیں۔ اگر آپ فی کس قومی آمدنی کا حساب لگائیں تو دنیا کے بہت سے ممالک ایسے ہیں جن کی سالانہ فی کس قومی آمدنی ڈالر کے حساب سے ۱۰۰ ڈالر سے بھی کم ہے جب کہ دنیا میں متعدد ممالک ایسے ہیں جن کی فی کس قومی آمدنی ہزاروں ڈالر میں شمار کی جاسکتی ہے۔ یہ جو اعشاریے ہیں چاہے قومی پیداوار کے ہوں چاہے فی کس قومی آمدنی کے بڑے معنی خیز ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ اسی حساب سے کھانے پینے کی چیزیں، رہن سہن، تعلیم کی سہولتیں، علاج معالجہ کی سہولتیں اور بہت سی دوسری چیزیں دنیا کی اکثریت کے لیے نایاب ہیں جب کہ دنیا کے ایک حصے کو وہ بہتات کے ساتھ میسر ہیں۔ ابھی چند دنوں پہلے آپ نے اخبارات میں دیکھا ہوگا کہ ہمارے یہاں گزشتہ دنوں فزیالوجیکل سائنسیز بین الاقوامی کانفرنس ہو رہی تھی۔ اس میں آئے ہوئے ماہرین کے ایک انٹرویو میں بتایا گیا تھا کہ امریکہ میں، مثلاً فی مویشی غلہ کا خرچ ۴۰۰ پونڈ سالانہ ہے جب کہ وہیں کے ایک انسان کے اوپر غلہ کا اوسط خرچ صرف ۱۵۰ پونڈ سالانہ کا ہوتا ہے اور دنیا کے جو دوسرے ممالک ہیں ان میں آپ جانتے ہیں کہ کتنے ہی انسان ہیں جو غلہ کی کمی کی وجہ سے فاقہ کشی کی موت مرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پڑوسی ممالک سے اس طرح کی خبریں آتی رہتی ہیں اور عام حالات میں بھی جب کہ نہ قحط ہو نہ خشک سالی انسان کو دو وقت پیٹ بھر روٹی دنیا کے کثیر علاقے میں میسر نہیں آتی۔ پھر مسئلہ صرف غلہ کی فراوانی اور روٹی ملنے نہ ملنے کا نہیں ہے بلکہ اس کے اوپر زندگی کی پوری عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ سائنس کی ترقی اور ٹیکنالوجی کی ترقی لے لیجیے، ظاہر ہے کہ اس کا بھی تعلق اس سے ہے کہ آپ کے پاس وسائل

کتنے ہیں؟ آپ کے پاس یونیورسٹیاں کتنی ہیں؟ آپ سائنٹفک ریسرچ پر کتنا خرچ کر سکتے ہیں؟ اسی حساب سے آپ آج سے زیادہ کل ترقی یافتہ ہوں گے، پرسوں کل سے زیادہ سائنس اور ٹیکنالوجی آپ کو میسر ہوگی۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آج بھی دنیا میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ریسرچ پر جتنا بھی خرچ ہوتا ہے اس کا ۹۵ فیصد خرچہ انہی ۲۳ ممالک کے اندر ہوتا ہے اور صرف ۵ فیصد خرچہ باقی دنیا کے حصے میں آتا ہے۔ یہ گویا جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا سائنس اور ٹیکنالوجی کے معاملے میں بھی جو معیشت کی ترقی کی بھی بنیاد ہے، فوجی طاقت کی بھی بنیاد ہے اور آپ جانتے ہیں کہ سیاسی طاقت کا ان ہی دونوں طاقتوں پر انحصار ہے، وقت گزرنے کے ساتھ آج جو زیادہ امیر ہیں وہی زیادہ امیر بنیں گے، جو آج زیادہ طاقت ور ہیں وہی زیادہ طاقت ور بنیں گے، جو آج فوجی طور پر ہر طرح کے اسلحہ اور فنی معلومات سے لیس ہیں انھیں کی فوجی طاقت کل زیادہ ہوگی اور جو آج غریب ہیں وہ کل غریب تر ہوں گے، جو آج ان وسائل سے محروم ہیں کل ان سے اور بھی چھن جائے گا۔ یہ ساری چیزیں اپنے اثرات ونتائج مرتب کرتی ہیں۔ سب سے نمایاں اثر اس کا یہ ہے کہ پورے مشرق میں، افریقہ، ایشیا اور جنوبی امریکہ کے بعض ممالک میں اضطراب کی ایک لہر ہے، بے بسی کا ایک احساس ہے کہ ہم صورتِ حال کی اصلاح کے لیے کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ چند بڑی طاقتوں کے، چند بڑی قوموں کے، جو آج تمام معاشی، فوجی اور سیاسی طاقتوں کی اجارہ دار ہیں، رحم وکرم پر ہیں تو ظاہر ہے کہ جب فرسٹریشن پیدا ہوتا ہے، ڈسپریشن پیدا ہوتا ہے تو افراد بھی، جماعتیں بھی اور کبھی کبھی قومیں بھی ایسی راہیں اختیار کرتی ہیں جو ہوسکتا ہے خود ان کے لیے بھی اور انسانیت کے لیے بھی تباہ کن ثابت ہوں۔ اس صورتِ حال کو ختم کرنے کے لیے کیا کیا جائے؟ یہ کہنا تو بڑا آسان ہے کہ یہ صورتِ حال ناپسندیدہ ہے جو ختم ہونی چاہیے لیکن اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جن کے پاس زیادہ ہے وہ اپنا خرچہ کم کریں، اپنے وسائل میں سے کچھ حصہ الگ کریں، جن کے پاس کم ہے ان کو دیں، جن کو معلومات کم ہیں ان کو باخبر بنائیں، سائنس اور ٹیکنالوجی میں ان کو آگے بڑھائیں۔ مختصر الفاظ میں یہ کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ دوسروں کی ترقی وبہبود پر صرف کریں، تو کیا آج کی دنیا میں ایسا ہو رہا ہے؟ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کنٹک کانفرنس میں تمام ترقی یافتہ ممالک نے بڑا زور دیا کہ ترقی یافتہ ممالک کم

سے کم اس پر آمادہ ہوجائیں کہ اپنی مجموعی قومی پیداوار کا صرف ایک فیصد حصہ کم ترقی یافتہ، پسماندہ اور غریب ممالک کی معاشی امداد کے لیے وقف کر دیں لیکن یہ فیصلہ نہیں ہوسکا اور آپ جانتے ہیں کہ ہر طرح کے اداروں کے قیام کے باوجود، ہر طرح کی کوششوں کے باوجود، بڑے بڑے دعووں کے باوجود ترقی یافتہ ممالک کی مجموعی قومی پیداوار کے ایک فی صد کے بھی تہائی حصے سے کم حصہ اکنامک ایڈ کے طور پر کم ترقی یافتہ غریب ممالک کے حصے میں آتا ہے اور سب یہ جانتے ہیں کہ اکنامک ایڈ کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ مفت کا عطیہ ہے، اس میں سے اکثر سودی قرضے ہوتے ہیں۔ اگر آپ حساب لگائیں کہ آج ان کم ترقی یافتہ، غریب اور پسماندہ ممالک کے اور ان کے لیے ہوئے قرضوں کا کتنا سود واجب ہو چکا ہے اور ان کی اس وقت کی قومی آمدنی کا کتنا بڑا حصہ سود کی ادائیگی کی نذر ہونا لازمی ہے۔ چاہے وہ انڈونیشیا ہو، چاہے ہندوستان ہو، چاہے دوسرے ممالک ہوں، تو آپ حیران و پریشان ہوجائیں گے۔ میں ان تفصیلات میں آپ کا وقت صرف کرنا نہیں چاہتا، میں تو آپ کی توجہ صرف اس بات کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ ایک ایسی صورتِ حال پیدا ہوچکی ہے اور دن بہ دن اس کے بھیانک پن میں اضافہ ہوتا جارہا ہے جس کے بارے میں مغرب کے بھی منصف مزاج لوگ بار بار توجہ دلاتے ہیں کہ اگر اس صورتِ حال کو قابو میں لانے کی فوری کوشش نہیں کی جائے گی تو یہ انسانیت کو اور زیادہ خرابی کی طرف لے جائے گی۔ اس لیے کہ جب ایک طرف فرسٹریشن بہت بڑھے گا، لوگ ڈسپریٹ ہوجائیں گے تو وہ سر توڑنے اور اپنا سر پھوڑنے پر آمادہ ہوجائیں گے اور آپ جانتے ہیں کہ مختلف علاقوں میں ایسی صورتِ حال بار بار پیدا ہوتی رہتی ہے، تو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ صورت ختم کی جانی چاہیے مگر مشکل یہ ہے کہ ختم کرنے کے لیے جن کو اپنا آرام کم کرنا ہوگا، جن کو اپنی طاقت کم کرنی ہوگی، جن کو اپنی اجارہ داری میں کمی برداشت کرنی ہوگی، جن کو استحصال سے باز آنا ہوگا وہ کیسے مانیں گے؟ یہاں ایک سوال کبھی کبھی یہ کیا جاتا ہے، میں بھی ایک طالبِ علم کے طور پر بار بار اس پر سوچتا ہوں، آپ بھی سوچیں کہ آج کی ہماری دنیا میں ویلفیر اسٹیٹ کا اصول قریب قریب ہر ایک نے مان لیا ہے کہ یہ نہیں ہوگا کہ ایک ملک میں بسنے والے کچھ لوگ اگر کمائی نہ ہونے کی وجہ سے فاقوں مر رہے ہوں تو انھیں مرنے دیا جائے،

کچھ لوگوں کے پاس دوا علاج کے لیے پیسہ نہ ہو تو انھیں بے علاج کے گزر جانے دیا جائے، کچھ لوگوں کو اگر تعلیم کے لیے وسائل میسر نہ ہوں تو انھیں جاہل رہنے دیا جائے اور جو لوگ مال دار ہوں وہ ہر طریقے سے اپنی کمائی ہوئی پوری کی پوری دولت جس طرح چاہیں خرچ کر سکتے ہیں۔ اب یہ مان لیا گیا ہے کہ ان سے ٹیکس وصول کیا جائے گا اور اتنا ٹیکس وصول کیا جائے گا کہ جس سے فاقہ کشوں کو بھوک مٹانے کے لیے کچھ دیا جا سکے، جو لوگ بے مکان کے ہوں ان کے لیے مکان بنوایا جا سکے۔ بہت سے ملکوں میں اس پر عمل نہیں ہوتا لیکن بہت سے ممالک اس پر عمل کرتے ہیں اور جیسا کہ میں نے عرض کیا اپنے وسائل کی کمی کی وجہ سے بہت سے نہ بھی عمل کر سکتے ہوں لیکن اصولاً سب اس بات کو مانتے ہیں۔ ملک کی مجموعی قومی دولت، قومی پیداوار میں سب کا حصہ ہے اور کم سے کم اتنا حصہ تو ہر ایک کے لیے ہے کہ اسے روٹی، کپڑا، مکان، علاج، تعلیم اور دوسری بنیادی ضرورتیں اس جیسے انسان کی پوری ہونی چاہییں اس کی ضرور پوری کی جائیں۔ اس طریقے سے آپ دیکھتے ہیں کہ یہ بھی بات حاصل ہوگئی کہ سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں دولت کو مجتمع نہیں ہونے دیا جاتا بلکہ اسٹیٹ کنٹرول کرتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی منطق ہے کہ ایک جغرافیائی خطے میں جو ایک طرف سمندر سے ایک طرف پہاڑ سے اور تیسری طرف ایک دریا سے گھرا ہوا ہو۔ ایک اصول اپنایا جائے لیکن پورے کرۂ ارضی پر اس طرح کے انسان بستے ہیں، اس طرح کی زمین دریا کے اس پار بھی ہے، کیوں اس اصول کا اطلاق پوری دنیا پر نہیں کیا جا سکتا؟ یہ سوال بڑا اہم ہے۔ کیوں نہیں کیا جا سکتا؟ اس کا ایک جواب تاریخ دیتی ہے کہ جن قوموں میں شروع شروع میں ویلفیئر اسٹیٹ کا تصور مانا گیا وہ اس طریقے سے نہیں مانا گیا کہ کانفرنس ہوئی، بڑے بڑے نیک لوگ جمع ہوئے اور انھوں نے طے کیا کہ بڑی اچھی بات ہے لہٰذا آئندہ سے سرمایہ دار، بہت زیادہ مال دار ہے تو، ۹۰ فیصد اور کم مال دار ہے تو کمپنی کے نفع کا ۵۰ فیصد ورنہ کم سے کم ۱۵—۲۰ فیصد دے دیا کرے گا تا کہ سوسائٹی کے محروم لوگوں کی ضروریات پوری کی جا سکیں ایسا نہیں ہوا، بڑی کد و کاوش کے بعد ہوا۔ یہ بڑی دردناک کہانی ہے۔ انسان نے ۱۸ گھنٹے روزانہ محنت کی جس کا آج ہم تصور نہیں کر سکتے۔ انگلستان کے کارخانوں میں مزدوروں سے ایسی مزدوری پر جو بمشکل اس کا پیٹ

بھرنے کے لیے کافی ہوسکتی تھی ۱۸۔۱۸ گھنٹے کام کرایا جاتا تھا اور کتنی تکلیف سے گزر کر، کتنی مصیبت سے گزر کر مزدور نے اپنا یہ حق منوایا کہ ۱۸ نہیں، ۱۶،۱۶ گھنٹے نہیں، ۱۲، ۱۲ نہیں ۸ اور اب ۶ گھنٹے اوقاتِ کار ہونے چاہییں۔ ایک ایک حق ایک ایک اس طرح کی اصلاح سے مل کر آج ایک ویلفیئر اسٹیٹ کا تصور بنا ہے، بڑی لڑائی کے بعد، بڑی قربانی کے بعد، بہت سے انسانوں کے مصیبت میں بلک بلک کر مر جانے کے بعد جو ان ملکوں میں ہوئی ہے۔ ایک بڑا بھیانک سوال ہے جو سامنے آتا ہے۔ کیا پوری انسانیت کو پوری دنیا میں اسی دردو کرب کی داستان سے گزرنا ہوگا؟ کیا ایک معقول اصول کو منوانے کے پوری دنیا میں انسانوں کو اسی طرح کی جدوجہد کرنی ہوگی؟ اگر اس منزل تک پہنچنے کی واحد راہ وہی ہے جس طرح انگلستان میں مزدوروں نے اپنے حقوق حاصل کیے اور جس طرح ویلفیئر اسٹیٹ کے بعض دوسرے عناصر انسان انسان سے منوا سکا۔ تب تو انسانیت کا خدا حافظ ہے، تب تو انسانیت کے لیے بہت ہی برا مستقبل ہمارے سامنے ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے، ہم سب اس پر متفق ہوں گے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے، کوئی ایسی صورت ضرور نکلنی چاہیے کہ ہم سب کسی معقول طریقے سے اس فیصلے کو نافذ کرسکیں کہ انسانیت ایک ہے، پوری کائنات ایک ہے، پوری زمین ایک ہے اور انسانوں کو ایک خاندان کی طرح سے زمین پر رہنا چاہیے۔ اس پر قدرت کے وسائل اور قدرت جو اپنے خزانے اگل رہی ہے وہ سب کے لیے ہیں، ہر ایک اپنے بقدرِ استطاعت محنت اور جدوجہد کرے۔ کوئی بہت ذہین ہے، بڑی تنظیمی صلاحیتوں کا مالک ہے، کوئی قوم بہت ذہین ہے، پہلے سے سائنس اور ٹیکنالوجی میں آگے بڑھی ہوئی ہے، تعلیم میں آگے بڑھی ہوئی ہے تو کسب میں، پیداوار میں، حاصل میں فرق ہوگا، لیکن جب حاصل ہوجائے تو پھر اس میں محروم کا چاہے افراد ہوں، چاہے قومیں ہوں، حق ہے اور پوری دنیا میں کس طرح یہ اہتمام کیا جائے کہ طاقت کی یہ انتہائی غیر متوازن تقسیم جو انسانیت کے مستقبل کے لیے ایک خطرہ ہے، ختم ہو۔ چند قوموں کے پاس ایسے اسلحہ جمع ہیں کہ جب چاہیں وہ انھیں استعمال کر کے پوری انسانیت کو تباہ کرسکتے ہیں، اور دوسری قوموں کے پاس دفاع کا اتنا سامان بھی نہیں ہے کہ وہ چند منٹ کے لیے ان کا مقابلہ کرسکیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کے دست نگر بن کر رہنے پر مجبور ہیں۔

یہ صورتِ حال ختم کی جائے۔

اس دنیا میں سیاسی طاقت کی تقسیم انتہائی غیر متوازن ہے، کچھ قوموں کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ ڈکٹیٹ کرسکتی ہیں، دوسری قوموں کو ایک خاص سیاسی موقف اختیار کرنے پر مجبور کرسکتی ہیں۔ حضرات! ابھی آپ کے سامنے بتایا گیا تھا کہ میری اس مختصر گفتگو کا عنوان ہے: ''انسان کے مسائل اور اسلام کا پیغام'' اس بات کا موقع نہیں ہے کہ ہم اس طریقے سے مسائل کا جائزہ لیتے جائیں اور منطقی طور پر جتنے حل ہوسکتے ہیں ان پر ایک ایک کر کے ہم گفتگو کریں اور دیکھیں کہ کون سے حل صحیح ہیں۔ اس وقت میں صرف یہ کرسکتا ہوں کہ آپ کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کراؤں کہ اس صورتِ حال کا صرف ایک علاج ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم ایسی کوئی حقیقت تلاش کریں جو انسان کے اندر یہ یقین پیدا کرے، سرمایہ دار میں بھی اور غریب میں بھی، طاقت ور میں بھی، کمزور میں بھی اور سیاسی طور پر بالادست میں بھی اور زبردست میں بھی کہ انسان ایک ہے، سارا خاندانِ انسانی ایک خاندان ہے، جب یہ تصور جاگزیں ہوگا اور اسے افراد اور گروہ اور قومیں اختیار کرلیں گی تبھی وہ موجودہ عالمی نظام پر نظر ثانی کرسکتی ہیں اور بغیر درد وکرب کی طویل اور الم ناک راہوں سے گزرے ہوئے ایک ویلفیئر ورلڈ آرڈر کا، ایک نئے عالمی نظام کا جو تمام لوگوں کی فلاح وبہبود کے لیے قائم کیا گیا ہو، بندوبست کرسکتی ہیں۔ تو وحدتِ انسانی کو کیسے حاصل کیا جائے؟ یہاں میں آپ سے بلا کسی تمہید کے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ وحدتِ انسانی کا تصور مذاہب نے دیا ہے اور یہ تصور جب راسخ رہا ہے تب بھی اور جب اس سے انحراف کیا گیا ہے تب بھی جہاں جس حد تک رہا ہے مذاہب عالم کی دین رہا ہے۔ آج کی انسانیت کے لیے اسلام کا سب سے بڑا پیغام بھی یہی ہے اور سب سے بڑا اس کا کنٹری بیوشن یہی ہے کہ وہ اس حقیقت کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے ہم انسان کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ یہ حقیقت اس کے دل میں موجود ہے۔ آج اس گئے گزرے دور میں بھی انسانیت کی عظیم ترین اکثریت کسی نہ کسی شکل میں یہ مانتی ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے، اس کائنات کا ایک پروردگار ہے، اس کائنات میں جو کچھ وسائل ہمیں میسر ہیں چاہے وہ تیل کی دولت ہو، چاہے وہ امریکہ کی اونچی اونچی عمارتیں ہوں، چاہے وہ ان کی سائنس

اور ٹیکنالوجی اور دوسری معلومات پر مشتمل ان کا وسیع علم ہو اور چاہے اس علم کے ثمرات ہوں جو چاروں طرف ان کے ملک میں اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک میں ہمیں نظر آتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کی دین ہے، قدرت کی دین ہے، اس لیے کہ وہ وسائل، وہ ذہانت، وہ دست و بازو جس سے کام لے کر انسان نے یہ سارا کارنامہ انجام دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ انسان کے بس میں یہ بھی نہیں تھا کہ وہ خود موجود ہوتا کجا یہ کہ وہ دریا اور پہاڑ اور زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کی تخلیق کرسکتا۔ انسان سے جب بہت سی ایسی باتیں منوائی جاسکتی ہیں جن کے بارے میں انسانوں کا قافلہ یہ معلوم کرتا ہے کہ یہ سارا ایک فراڈ تھا، ایک فریب تھا، یہ ایک بے بنیاد نظریہ تھا تو یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے لیے دلوں میں بنیاد موجود ہے۔ تاریخ انسانی میں بنیاد موجود ہے اور جس کے بحمد اللہ بہت سے سینئر نمائندہ گروہ اور جماعتیں چاروں طرف انسانیت کے درمیان پھیلے ہوئے ہیں تو اگر یہ حقیقت پوری قوت کے ساتھ انسانوں کو یاد دلائی جائے اور ایک بار پھر خدا پر کھویا ہوا یقین انسانیت کا تازہ ہوجائے تو یہ وحدتِ انسانیت کے تصور کی واحد بنیاد بن سکتی ہے۔ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے سوا اور کون سی بنیاد ہوسکتی ہے جو سارے کرۂ ارضی پر بسنے والے انسانوں کو چاہے وہ کالے ہوں یا گورے چاہے وہ کوئی بھی زبان بولتے ہوں۔ چاہے آج معاشی دولت کے اعتبار سے، فوجی طاقت کے اعتبار سے وہ کسی بھی سطح پر ہوں، یہ یقین دلا سکے کہ وہ سب ایک ہیں۔ یہ حقیقت تو انسان کو پہلے ہی قدم پر ایک خدا کا بندہ ہونے کے ناطے ایک ہونے کا یقین اور احساس دلاتی ہے اور پھر جب اس کے سامنے یہ آتا ہے کہ واقعۃً بھی ساری انسانیت خاندانِ بنی آدم ہے۔ تب اس کا یہ یقین اور پختہ ہوجاتا ہے اور تب ایسے رجحانات پیدا ہوسکتے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ وہی رویہ اختیار کرنے پر مجبور کریں جس طرح ایک ایسے خاندان میں افراد ایک دوسرے سے کرتے ہیں جسے غلط افراد نے فطرت سے منحرف نہ کردیا ہو اور ایک دوسرے کے ساتھ لگاؤ، خلوص اور ہمدردی موجود ہو تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا یہ اصول جسے اجمالاً ہم توحید کا پیغام کہتے ہیں یہی انسانیت کو وحدتِ انسانی جیسی نعمت عطا کرسکتا ہے۔ توحید صرف یہی نہیں ہے کہ ہم انسان کو یہ بتادیں کہ تمہارا خدا ہے اور وہ خدا ایک ہے بلکہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اسلام نے توحید کا جو

تصور پیش کیا ہے اور جو تصور دراصل تمام مذاہب وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہے ہیں اگرچہ آج ان کا جو بیان محفوظ رہ گیا ہے اور ان کی جو ترجمانیاں لوگوں کو یاد رہ گئی ہیں، ان کے بعض اجزا گم ہو گئے ہیں اور بعض غلط چیزیں شامل ہو گئی ہیں، ورنہ ہر ایک نے یہی تصور دیا تھا کہ اللہ ایک ہی ہے، ہم اس کے بندے بھی ہیں اور اسی کی مرضی پوری کرنے کے لیے ہم کو یہ معلومات بھی اللہ کی طرف سے بہم پہنچائی جاتی رہی ہیں کہ اللہ کی مرضی کن چیزوں میں ہے؟ اور یہ مرضی جن باتوں میں ہے ان میں سے بہت سی باتیں معروف ہیں اور معروف اخلاقی قدروں کے طور پر وہ سب کو معلوم ہیں۔ اللہ کی یہ مرضی ایسی چیزوں اور ایسے اعمال کی شکل میں نہیں ہے جن سے نعوذ باللہ اللہ کی کوئی غرض وابستہ ہو۔ اللہ بے غرض ہے، بے نیاز ہے۔ وہ انسان کی کسی خدمت کا اور کسی عمل کا محتاج نہیں ہے بلکہ انسانوں ہی کی بھلائی کے لیے کچھ رویے اور کچھ طریقے سکھائے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ازراہِ لطف و کرم انھیں اپنی مرضی کے طور پر ہمارے سامنے رکھا ہے۔ وہ ایسی چیزیں ہیں کہ اگر ہم ان کو اپنا مقصود اور مطمح نظر بنائیں، اپنے رویے کی بنیاد بنائیں تو ہمارا ہی بھلا ہوگا۔ یہ سارے سوالات جو آج مغرب کی نئی نسلیں کر رہی ہیں کہ زندگی کسی لیے ہے؟ کس لیے زندہ رہا جائے؟ انسان اور انسان کے مابین خلوص اور ہمدردی کیوں نہیں ہے؟ ان سارے سوالات کا جواب اور ایسا جواب جو سکون بخش سکتا ہے معلوم ہونے کے ساتھ ہی اگر اسے عمل کی بنیاد بنایا جائے تو وہ ہماری زندگی سے تاریکی دور کر سکتا ہے۔ گروہوں اور قوموں اور طبقات کے باہمی تعلقات کو ایسا بدل سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ہمدرد و بہی خواہ بن کر رہیں۔ آپ تصور کیجیے اس دنیا کا جس میں قومیں ایک دوسرے کے خوف کی وجہ سے اپنی قومی آمدنی کا کثیر حصہ اسلحے بنانے پر صرف نہ کر رہی ہوں بلکہ انسان ایک ایسا اصول اختیار کر چکا ہو کہ مل جل کر ہم سب وسائل قدرت سے استفادہ کریں گے، بانٹ کر کھائیں گے، بانٹ کر اس سے فیض یاب ہوں گے اور اس طریقے سے بانٹیں گے کہ جس نے لیاقت زیادہ دکھائی ہے اسے زیادہ ملے لیکن کوئی محروم نہ رہے اور کوئی ایسی سطح پر نہ رہے جس سے اوپر اٹھنا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے تو اس طریقے سے توحید کے زیر سایہ زندگی کا ایک تصور سامنے آتا ہے اور انسان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ زندگی اس قابل ہے کہ اسے گزارا جائے، اس کو گزار کر ہم اپنے پروردگار کو

خوش کر سکتے ہیں، اس کا کچھ شکر ادا ہوسکتا ہے جس نے ہمیں زندگی جیسی نعمت دی اور چاروں طرف ہمارے آسائش راحت وآرام کے سامان وسائل قدرت کی شکل میں پھیلائے۔ تو زندگی اس لیے گزاری جانی چاہیے کہ کچھ تو اللہ کا شکر ادا ہو اور وہ اس طرح ادا ہوسکتا ہے کہ ایک اخلاقی رویہ اختیار کیا جائے، ایک انسانیت دوست رویہ اختیار کیا جائے۔ اس لیے کہ آپ جانتے ہیں کہ وہ سارے رویے اور وہ سارے طریقے جو مرضی الٰہی کے تتبع میں ہم اختیار کرتے ہیں، درحقیقت ان کا نتیجہ اور ان کے ثمرات وفوائد انسانوں ہی کو حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ تو بے نیاز ہے۔ اس صورت میں زندگی گزارنے کے قابل نظر آتی ہے اور زندگی کا یہ تصور سامنے آتا ہے کہ وہ ایک امتحان ہے، ایک چیلنج ہے، ہماری ذہانت کے لیے ایک آزمائش ہے، دیکھیں کون اس میں سب سے زیادہ آگے بڑھ کر پورا اترتا ہے اور انسان کا ایک نیا تصور سامنے آتا ہے بجائے اس کے کہ خودغرضی ہو، انسان دوسرے انسانوں کو اپنا حریف سمجھیں اور ان سے خائف رہیں، ان کی دشمنی پر آمادہ ہوں یا اس طرح منفی اور غلط رویے جنم لیں۔ انسان سمجھے گا کہ اس کا دوسرا بھائی انسان بھی اسی آزمائش سے گزر رہا ہے، وہی میدان اس کے لیے ہے۔ ایک دوسرے کا تعاون کر کے وہ دونوں اس آزمائش میں بہتر طور پر پورے اتر سکتے ہیں۔ اسلام کا یہ تصورِ توحید ایک جاندار تصور ہے جس میں یہ بات بھی مضمر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہمیں میسر ہے ہمیں ہمیشہ میسر رہی ہے اور آخری کتاب قرآن حکیم جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے انسانیت تک بھیجا گیا تھا اس کی صورت میں اللہ کی ہدایات ہمیں میسر ہیں۔ انسان کو آج اسلام کا جو پیغام ہے وہ بہت آگے تک اس کی رہ نمائی کر سکتا ہے۔ بہت سی تفصیلات اور جزئیات کو یقیناً اللہ تعالیٰ نے چھوڑ دیا ہے کہ انسان اپنے تجربے کی روشنی میں اپنی ضرورت کے مطابق اپنے حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر وقتاً فوقتاً فیصلے کرتا رہ سکتا ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے سیاست میں، معیشت میں اور بہت سے دوسرے امور میں ایسی اصولی رہ نمائی کر دی ہے جنھیں توحید کے زیر سایہ اختیار کر کے مفاد پرستوں کے سازباز سے چھٹکارا پا سکتا ہے۔ خودغرض لوگوں کا اس میں مفاد ہوتا ہے کہ انسانیت کو ایک پٹی پڑھا کر اس سے وہ اصول چھڑوا دیں۔ آج مختلف دلیلوں سے مختلف ملکوں میں انسانوں کو آزادی سے محروم کر دیا گیا ہے، ایک فرد کسی

نہ کسی دلیل سے ڈکٹیٹر بن بیٹھا ہے، ایک چھوٹا سا گروہ، ایک چھوٹی سی پارٹی لوگوں کو یہ سمجھانے میں کام یاب ہوجاتی ہے کہ تمہارے لیے آمریت ہی بہتر ہے، ایک وقت یقیناً ایسا آئے گا جب انسانیت یہ محسوس کرے گی کہ ہمیں دھوکا ہوا ہے جس طرح کہ اسٹالن کے سلسلے میں اس نے یہ محسوس کیا۔ لیکن اسلام کا اس بارے میں یہ کنٹری بیوشن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہونے کی وجہ سے شورائیت اور یہ اصول کہ انسانوں کے اجتماعی امور انسانوں کے باہمی مشورے سے طے کیے جانے چاہییں ۔ یہ ہمارے دین کا جز ہے، اسے بدلا نہیں جاسکتا، اسی طریقے سے دولت کے بارے میں استحصال کا خاتمہ جس میں سود کی حرمت صرف ایک علامتی چیز ہے، ایک رمز ہے۔ وہ دراصل ایک رجحان کو واضح کرتا ہے کہ انسان سرمایہ کو محنت کرکے استحصال کا ذریعہ نہ بنائے، کیونکہ ظاہر ہے کہ ہر انسان میں جو چیز مشترک ہے وہ سرمایہ نہیں بلکہ محنت ہے، دست و بازو سب کے پاس ہیں، ہر انسان بنیادی طور پر محنت کار ہے۔ کچھ لوگ سرمایہ دار ہوسکتے ہیں تو سرمایہ کو محنت کے استحصال کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ سود دراصل اسی استحصال کا نام ہے۔ کوئی شخص اپنی موروثی دولت کی بنا پر یا اس وجہ سے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ذہانت دی تھی یا مالا مال کیا تھا اسے اس بات کا موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہ کرسی پر بیٹھا رہے اور اس کی دولت کھینچ کھینچ کر دوسروں کے دست و بازو کی کمائی اس کے پاس لاتی رہے بلکہ اسلام نے یہ اصول دیا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اس خطرات سے بھری ہوئی دنیا میں جہاں کبھی نفع ہوتا ہے کبھی نقصان، کبھی گھاٹا ہوتا ہے کبھی بڑھوتری وہاں تم نفع کماؤ تو آؤ اس خطرے میں محنتِ کار کے ساتھ شریک ہوجاؤ۔ میں آپ کے سامنے اسلام کے پیغام کی اور اسلامی نظامِ زندگی کی تفصیلات نہیں بیان کرنا چاہتا صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تفصیلات بھی ہیں، ان تفصیلات کا موقع تو بعد میں آئے گا لیکن سب سے بڑی بات اور سب سے بڑا دین جو انسانیت کو آج اسلام کی طرف سے مل سکتی ہے وہ یہ کہ وہ وحدتِ انسانیت جس کی ضرورت کا ہر ایک کو احساس ہے United Nations اور یہ ساری World Conferences اور اس طرح کی اور ساری کوششیں اس ضرورت پر متفق ہیں لیکن ضرورت کیسے پوری کی جائے اس کی صحیح راہ اسلام آپ کے سامنے لاتا ہے۔ اس لیے نہیں لاتا کہ وہ ضرورت اسی سے پوری ہوسکتی ہے بلکہ اس لیے لاتا ہے کہ وہ ایک حقیقت ہے جسے کچھ

لوگ یاد رکھتے ہیں اور بہت سے لوگ بھول چکے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو وہ اتنی مدھم یاد ہے کہ اس کے پورے تقاضے ان کے سامنے نہیں ہیں۔

بزرگو اور دوستو! میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ہم اس ایک بات کو معاصر انسانیت پر پوری قوت سے واضح کرسکیں اور اس بات پر مطمئن کرسکیں کہ اللہ کی طرف لوٹنے میں اور اللہ کی ہدایات کو پکڑنے سے سب انسانوں کا ایک ہونا اور ایک خاندان کے طور پر زندگی بسر کرنے کا رویہ اختیار کرنا ممکن ہے۔ یہ دیکھیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بڑی بات ہے جو ہم انسانیت تک پہنچا سکیں گے مگر پہنچانے کا حق انھیں لوگوں کو ہے جو جیسی کچھ بھی ان کی اجتماعیت ہے جیسی کچھ بھی ان کی ملی زندگی ہے جیسی کچھ بھی ان کی معاشرت ہے اس کو کم از کم عکاس بنا چکے ہوں وحدتِ انسانیت کے اس تصور کا جو مساوات کو بھی مستلزم ہے اور جس کا تقاضا یہ ہے کہ جمہوریت ہو اور سماجی عدل پایا جائے ایک دوسرے کے تعلقات میں، تنظیمات میں اور اجتماعی زندگی میں بھی۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ تمام مسلمانانِ عالم کو ایک ایسی امت بننے کی توفیق دے جو باقی انسانیت کے سامنے انسانی وحدت کا ایک نیا نمونہ پیش کرے اور ملت اسلامیہ ہند کو بھی اس بات کی توفیق دے کہ وہ اپنے برادرانِ وطن کے سامنے جیسی کچھ بھی اس کی اجتماعی زندگی ہے وحدتِ انسانیت، اخلاص و محبت کا ایک دوسرے کی طرف سے ہمدردانہ اور دل سوزی کے تعلق کا مظاہرہ کرنے والے گروہ بن کر سامنے آئیں۔

ہندوستان کی تعمیرِ نو میں

جماعت اسلامی ہند کا حصہ

مولانا عبدالعزیز

وَهُوَالَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَالْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۴﴾ (الزخرف: ۸۴)

''وہی ایک آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی خدا، اور وہی حکیم و علیم ہے۔''

محترم حضرات وخواتین!

ہم اپنے رب کا کس منھ سے شکر بجالائیں کہ اس نے ہمیں اپنی بے بضاعتی کے باوجود برصغیر ہند جیسے عظیم الشان مملکت کے کروڑوں باشندوں کے سامنے اقامت دین کی آواز کو بلند کرنے کی نہ صرف توفیق بخشی، یہی نہیں اس کے لیے راستے بھی ہموار کردیے۔ درآں حالیکہ اس ملک کے حالات نامساعد اور سخت ہمت شکن اور صبر آزمار ہے ہیں۔ پھر اس خوف ناک اور خونیں ڈرامے کا آغاز بھی ہوگیا تھا جس کی اساس فرقہ پرستانہ سیاست تھی۔ اس ڈرامے کا ہر سین بجائے خود ایک ڈرامے کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ یعنی ملک میں ہندو مسلم فسادات کی وحشت ناک فضا چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ دوسری طرف جماعت کے اکابر واصاغر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیلے جارہے تھے۔ خوف وہراس کی فضا عام تھی مگر ہمارے حوصلے کسی طرح سے بھی پست نہیں ہوئے اور اپنے اصولوں سے ایک انچ ہٹے بغیر ہم پورے شرح صدر کے ساتھ

رب العزت کے محبوب دین کی اقامت کی سعی و جہد میں مصروف رہے۔

زنداں میں تو مجھ کو ڈال دیا اے حاکم زنداں تو نے مگر
پرواز کو میری روک سکے ایسی بھی کوئی دیوار اٹھا

یہ بھی اللہ ہی کا فضل ہے کہ آج کے اس اہم اجلاس مین جو عروس البلاد دہلی میں منعقد ہورہا ہے ہمارے اپنے ہم خیال وہم فکر ساتھیوں کے علاوہ اخوت اسلامی کے رشتے میں منسلک، دین وایمان کے شیدائی، دعوتِ دین کی تنظیموں یا اداروں کے سربراہ بھی کرۂ ارض کے مختلف حصوں سے یہاں جمع ہوگئے ہیں۔ اس لیے ہمارا یہ اجلاس الحمدللہ بین الاقوامی حیثیت کا حامل ہونے کے علاوہ باشندگان ملک کے لیے ان شاءاللہ ایک اہم تاریخی موڑ ثابت ہوگا۔

حضرات محترم!

ہم ایک ایسی دینی جماعت ہیں، جس کی اساس اللہ کا دین اسلام ہے۔ اسلام ایک ایسا نظریاتی، روحانی اور اخلاقی دین ومذہب ہے جو اپنی انہیں بنیادوں پر ایک خدا پرست، تقویٰ شعار، عادلانہ اور منصفانہ معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ جس میں افراد ایک دوسرے کے مونس و غم خوار اور ایک دوسرے کی ضروریات پورا کرنے میں مخلصانہ اور الفت ومحبت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ نیز حیاداری اور تقویٰ واحسان کے اساس پر ایک مہذب ومنظم سماج کی تشکیل کر کے اسلام ایک ایسا متوازن معاشی ڈھانچہ تشکیل دیتا ہے جس میں لوگ اپنی ضروریات زندگی کو حلال اور حرام اور جائز وناجائز حدود کے اندر رہ کر پورا کرتے ہیں۔ وہ ایک ایسے شان دار سیاسی وجمہوری مگر مستحکم نظام کو وجود میں لے آتا ہے جس میں خدا کی حاکمیت اور اس کے قانون کی اساس پر راعی اور رعایا دونوں ہی کے حقوق پوری طرح محفوظ ہوتے ہیں۔ جماعت اسلامی اسی اسلام کی اقامت کی دعوت دیتی ہے۔ جماعت کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ اس کے اس Stand اور اس کی اس بنیادی حیثیت کو مشکوک بنانے اور اس کے اس طاقت ور اور مضبوط موقف کو گرانے کی ناکام کوششوں میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی۔ جماعت کو اس ضمن میں ایک طرف سیاسی سطح پر اور دوسری طرف تنگ نظر مذہبیت نے حسد یا احساس کمتری یا پھر دونوں ہی سے مغلوب ہوکر یاس وناامیدی کی حالت میں تحریک اسلامی کی راہ کو روکنے کی جو کوشش کی وہ بھی الحمدللہ ناکام

کردی گئی۔ تحریک اسلامی کا یہ دم خم دراصل رب العزت کی تائید غیبی اور کارکنان جماعت کا اپنے محبوب نصب العین یعنی اقامت دین سے مخلصانہ وابستگی اور مسلسل قربانیوں کا نتیجہ ہے۔

جماعت کا نظریاتی، روحانی اور اخلاقی رول

حضرات! ہم اس بات پر ایمان ویقین رکھتے ہیں کہ ہم سب کا خالق، مالک ومقتدر، پروردگار وہی قادر مطلق اور عزیز وغفار ہستی ہے جو اس کائنات کا الٰہ واحد ہے۔ وہ اس کی ہدایت کی طرف بڑھنے والوں اور اس پر ایمان لانے والوں کے لیے انعام وعطا کی بخششوں اور رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ پس اسی نے لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنے دین کو اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ جو لوگ اس راہ کی طرف بڑھتے ہیں وہی ہدایت یافتہ ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح دنیا اور فلاح آخرت کے حقیقی امیدوار ہیں۔ ان دو حقائق کے ساتھ ایک اور بنیادی حقیقت کو تسلیم کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے جہاں افراد و اقوام کے لیے ایک فرصت عمل مہیا کی گئی ہے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ کون رب العزت کی راہ کو اپناتا ہے اور کون اصل حقیقت سے غافل ہو کر کفر وشرک کے خوف ناک المیہ سے دوچار ہوتا ہے۔ ایک دن آئے گا جب عوام وخواص، راعی ورعایا، امیر وغریب سبھی اس رب کے حضور پیش کیے جائیں گے اور وہاں انھیں اپنے اعمال کی پوری پوری جواب دہی کرنی ہوگی۔ یہ وہ بنیادی حقیقتیں ہیں جن کی طرف جماعت مسلسل دعوت دے رہی ہے اور ہم انہیں بنیادوں پر اپنے ملک کے باشندوں کے لیے ایک پاکیزہ نظام زندگی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

حضرات محترم! ہم اپنی حیثیت میں روحانی واخلاقی جماعت بھی ہیں۔ ہم مادے کو بھی بجائے خود ایک حقیقت تسلیم کرتے ہیں کیونکہ وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے وجود میں آیا ہے اور اللہ ہی نے مادی وروحانی، ظاہری اور باطنی تمام چیزوں کو اپنے بندوں کے لیے مسخر فرمایا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ (لقمان: ۲۰)

"کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے

لیے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں؟''

لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ مادہ پرستی کو ہم جرم عظیم سمجھتے ہیں کیونکہ ہزار مادی ترقیات کے باوجود دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ متعدد اقوام کو نرے مادہ پرست بننے نے ان کی لٹیا ڈبو دی۔ اخلاق کو تاراج کیا۔ روحانیت کو پامال کیا۔ انسانیت کو تب دنیا اور حیات دنیا پر راضی و مطمئن کیا۔ قدرت کی اصل نشانیوں سے غافل اور آخرت سے بے نیاز کیا، آدمی سے آدمی کو ٹکرایا اور اس کے خون کو پانی سے زیادہ بہایا گیا۔ انسانیت کے شرف و بزرگی کو نری حیوانیت میں تبدیل کیا۔ پس اللہ کا غضب ان امتوں پر ٹوٹ پڑا جنھوں نے حیات دنیا کی محبت میں آخرت کو بیچ دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا
وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ﴿٧﴾ (یونس: ۷)

''حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔''

پس ہم نے اس ملک کی آزادی سے پہلے، آزادی کے وقت اور آزادی کے بعد اور اسی طرح دستور کی تشکیل اور بوقت نفاذ اور آج بھی روحانی و اخلاقی قدروں کی عظمت و سر بلندی کی برابر تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ ویسے بھی ہمارا ملک روحانی و اخلاقی قدروں کا کبھی مخالف نہیں رہا۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک کے سربراہوں نے مغرب کی اندھی تقلید میں ان اقدار کی عملاً جو نا قدری کی اس کے سنگین نتائج چند ہی برسوں مین نمودار ہو گئے ہیں۔ جماعت اسلامی کے ذمہ داروں کی طرف سے ان روحانی و اخلاقی قدروں کی اہمیت اور ضرورت پر برابر اظہار خیال ہوتا رہا اور ملک کے رہنماؤں اور عوام و خواص کو انہیں اختیار کرنے کی برابر ترغیب دی جاتی رہی۔ چنانچہ اسی دارالخلافہ دہلی میں ۱۹۶۰ء میں جو کل ہند اجتماع منعقد ہوا تھا اس میں سابق امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی نے اہل ملک کو وارننگ دیتے ہوئے فرمایا:

''حکومت کے تمام شعبوں میں رشوت، خیانت، اقربا پروری اور فرض ناشناسی کا دور دورہ ہے۔ تعلیم گاہیں جو دراصل انسان سازی کے کارخانے ہوتے ہیں اور ان میں ملک کے آئندہ معمار تیار ہوا کرتے ہیں ان سے ایسے نوجوان نکل رہے ہیں جن کا

نشان امتیاز بد اخلاقی اور بے راہ روی ہے۔ بازاروں اور منڈیوں میں فریب اور لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری ہے۔ سیاست کا میدان اس قدر گندہ ہو چکا ہے کہ اب اس میں عام طور سے صرف وہی لوگ اترنے کی ہمت کر سکتے ہیں جو شرافت اور اخلاق کو پہلے ہی بالائے طاق رکھ چکے ہوں اور ایسے لوگ بس انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جو اس حوصلے کے ساتھ اس میدان میں اترتے ہوں کہ وہ خود بھی اس کی گندگیوں سے محفوظ رہیں گے اور دوسروں کو بھی اس سے پاک کرنے کی کوشش کریں گے۔ غرض جس طرف دیکھیے بداخلاقی و بدعنوانی کا ایک سیلاب امنڈتا ہوا نظر آئے گا اور افسوس یہ ہے کہ یہ سیلاب روز بروز بڑھتا اور پھیلتا ہی جا رہا ہے۔ ایسی حالت میں ان معمولی ترقیوں سے ملکی فلاح کی کیا امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں جو معاشی میدان میں ہو رہی ہیں۔ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان اخلاقی گراوٹوں کی بدولت یہ ملک اپنی نہروں، بجلی گھروں اور فولادی کارخانوں کی تعمیر کے باوجود روز بروز تباہی کی طرف بڑھتا جا رہا ہے کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ قوموں کی بقا و ترقی کا انحصار اصلاً اخلاق و سیرت ہی پر ہے نہ کہ معاشی و مادی خوش حالی پر۔ پھر یہ بات صرف اخلاقی گراوٹوں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اور بھی طرح طرح کے فتنے ہیں جو ملک میں سر اٹھا رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ملک کے مستقبل کے لیے خاصا خطرناک ہے۔"

جمہوریت کی برقراری

محترم حضرات! جماعت اسلامی جس دین کی اقامت کی سعی و جہد میں لگی ہوئی ہے اس کا رول محض نظریہ کی توضیح اور روحانی و اخلاقی اقدار کے ذکر خیر یا تشریح و تعبیر کی ذمہ داریوں تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ ملک کے تمام باشندوں کی فلاح و بہبود کے لیے حتی الوسع اپنے وسائل و ذرائع کو کام میں لگا کر خدمت کا صحیح حق ادا کرنے کی فکر کرتی ہے۔ مثلاً اس ملک میں جمہوریت کی برقراری کو ہم ایک عظیم الشان نعمت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے پڑوس میں گزشتہ ربع صدی میں جمہوریت کی بربادی کا اور ڈکٹیٹرشپ کی کارستانیوں کا جو تجربہ سامنے آچکا ہے وہ

ایک تلخ حقیقت ہے۔ اس لیے ہم اپنے ملک میں جمہوریت کے قیام، بقا اور حفاظت کو ضروری سمجھتے ہیں اور یہ چیز ہماری پالیسی کے دفعہ نمبر ۴ کا ایک اہم جز بھی ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ سچی جمہوریت بنیادی انسانی حقوق اور بنیادی سیاسی حقوق کی ضمانت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جمہوریت ان حقوق کے تعین، تحفظ اور عمل درآمد ہی سے اپنے شان دار نتائج پیدا کرسکتی ہے۔ دستور ہند کے دیے گئے تحفظات وضمانت اور بنیادی حقوق کے تحت آزادیِ فکر وضمیر، مذہب، تنظیم وتشہیر، تبلیغ واشاعت افکار ونظریات، حق تنقید واختیار وافکار کی اہمیت اور ضرورت کے شعور کو جماعت اسلامی اپنے رفقاء اور عوام میں برابر پیش کرتی رہی ہے۔

سیاسی زندگی کی پاکیزگی جمہوریت کی جان ہے

جماعت یہ جانتی ہے کہ جمہوریت کی زندگی کا راز بہت کچھ سیاسی زندگی کی پاکیزگی پر منحصر ہے۔ بدقسمتی سے ملکی سیاست جس زہرناک بے خدا تہذیب اور لادینیت کی شکار ہے اس کا انجام بہت جلد سامنے آچکا ہے۔ سیاسی رقابتوں اور سیاسی انتقام نے ایک دوسرے کے خلاف دشمنی اور عداوت کو بھڑکا دیا ہے۔ اس طرح متعدد جماعتیں اور افراد، سیاسی ولسانی اور محدود وطنی وگروہی عصبیتوں اور تنگ نظری کا شکار ہوکر جبر وتشدد، اتہام والزام اور قتل وغارت گری میں مصروف ہیں۔ رشوت ستانی اور کالے دھن کے بے پناہ استعمال نے الیکشنی سیاست کو گندہ کردیا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ سیاست ہو کہ معاشرت خداپرستانہ اخلاق سے جب جدا ہوجائے تو ان نتائج بد کا نمودار ہونا ناگزیر ہے۔ انتقامی سیاست بھی اس کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ چنانچہ موجودہ حکمراں جانتے ہیں کہ کسی وقت کیرلا کی منسٹری کو الٹ دیا گیا تھا تو آج بہار اور دیگر ریاستوں میں موجودہ حکمرانوں کے خلاف مسٹر J.P. (جے پرکاش) وہی کچھ کرنے جارہے ہیں۔ جو حرکتیں اس سے پیشتر حکمرانوں نے اختیار کی تھیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسٹر J.P (جے پرکاش) بہار اسمبلی کو تحلیل کرانے کے بعد An other Set of Similar Brand کے سوا کوئی فرشتوں کی نئی جماعت لاسکیں گے؟ کیا ان کی اس تحریک کا نشانہ ہندوستان کی دوسری ریاستوں کے علاوہ مرکزی حکومت بھی نہیں بن سکتی؟ جماعت اسلامی کی نگاہ میں خرابیوں کی اصلاح کے لیے بگاڑ

اورتشدد کی راہوں کو اختیار کرنے کے بجائے گفت وشنید اور مصالحت کے ساتھ بہتر سے بہتر انتظامیہ کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔ اگر ملک میں توڑ پھوڑ اور تشدد کا یہ سلسلہ جاری رہے تو ہمیں اندیشہ ہے کہ فرانس میں صدر ڈیگال کے دور میں جو کیفیت پیدا ہو چکی تھی وہی کچھ اس ملک میں پیدا ہو سکتی ہے۔ بظاہر اس وقت اس ملک میں جمہوری ڈھانچہ تو موجود تھا لیکن جمہوری نمائندوں اور پارٹیوں نے جمہوریت کی روح کو پامال کر دیا تھا اور یہ بات کچھ خلاف توقع نہیں ہے کہ ایسے زمانے میں بیرونی مفاد پرست قوتیں موقع کی تاک میں لگی رہتی ہیں اور وہی کچھ یہاں بھی دہرایا جائے جو چلی میں دہرایا گیا تھا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دین حنیف سے بے تعلق سیاست خدانخواستہ سرزمین حرم میں بھی چلائی جائے گی تو حرم کا تقدس اس کے برے اثرات سے لوگوں کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ چہ جائیکہ اس ملک میں خدا سے بیزار جمہوریت اور اس کے تحت الیکشنی سیاست ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہو جن کے تانے بانے الحاد و دہریت کے فلسفوں سے جوڑ رکھتے ہوں۔ اس لیے جماعت اپنے ساتھیوں کو ہمیشہ بیدار رکھنے کے علاوہ ملک کی سیاست کی اس گندگی کو دور کرنے کی برابر کوشش کرتی رہتی ہے۔ جماعت بلند کردار، امانت دار اور خداترس امیدواروں کی اہمیت پر زور دیتی رہی اور سیاست پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے بنیادی تصور کو ضروری قرار دیتی رہی۔ ساتھ ہی ساتھ جماعت کی نگاہ میں موجودہ سیاسی بحران میں اگر کچھ ترقی منظور ہو تو متناسب نمائندگی کے طریقے کو بھی پسندیدہ نظر سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح سے ملک کے خارجہ مسائل کے سلسلے میں بھی جماعت پرامن مذاکرات اور گفت وشنید کے ذریعے پڑوسی ممالک کے ساتھ مسائل کو حل کرنے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے۔

اقلیتوں کے حقوق

سیاسی حقوق میں اقلیتوں کے جان ومال، کلچر، تہذیب زبان، مذہب واخلاق اور تعلیمی اداروں کے تحفظ کے لیے دستور ہند میں جن دفعات کے ذریعہ ضمانت دی گئی افسوس کہ وہ حقوق پامال کیے جاتے رہے۔ مگر یہ امر واقعہ ہے کہ جماعت نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ ملک کی دیگر اقلیتوں کے Cause کو اونچا کرنے کی ہر دم سعی کی، دینی اصولوں کے نام پر بنیادی

حقوق کو جس طرح پامال کرنے کی کوشش کی گئی جماعت برابر اس کا مقابلہ کرتی رہی۔ اس نے اقلیتوں کے اندر بہت سے اختلافات کو پاٹنے کی کوشش کی۔ مثلاً مسلمانوں کے اندر ملی اتحاد کے پیشِ نظر مشاورت کی تشکیل میں نمایاں رول ادا کیا۔ Child Adoption Bill کی مخالفت کی اور اقلیتوں کے پرسنل لا میں مداخلت بے جا کے مفسدہ کو روکنے میں زبردست رول ادا کیا۔ اقلیتوں کے اقلیتی کردار اور ان کے تعلیمی اور کلچرل اداروں کے حقوق میں مداخلت کی مذمت کی۔ اس سلسلے میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی سے تعاون حاصل کیا۔

مسلمانوں کو دوسرے درجے کے شہری ہونے کے احساس سے نجات دلانا

یہ جماعت اسلامی ہی تھی جس نے مسلم معاشرے کے دس کروڑ افراد کے Morale کو گرنے سے بچالیا۔ ''وہ دوسرے درجے کے شہری ہرگز نہیں ہیں'' کے احساس کو ان کے اندر اجاگر کیا۔ جماعت جانتی تھی کہ حکمراں ہوں کہ اپوزیشن، ان کا گزشتہ رویہ مسلمانوں کے حق میں اطمینان بخش نہیں رہا۔ اس لیے وہ غلط اقدامات کو روکنے کی کوشش کرتی رہی خواہ وہ آمرانہ طرز کے ہوں یا کلیت پسندانہ۔

فسادات کو مٹانے میں ہمارا رول

فسادات کے بھیانک ماحول میں جب کہ ہندوستان کی متعدد ریاستیں جیسے بنگال بہار، یوپی، مہاراشٹر، راجستھان، مدھیہ پردیش اور گجرات فرقہ وارانہ فساد کی آگ میں جل رہے تھے۔ غنڈوں کے ہاتھوں مسلم اقلیتوں کا خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا اور ان کا دین و ایمان عزت وناموس خاک میں مل رہی تھی خوف وہراس کی وجہ سے ہجرت ومہاجرت کی آوازیں ہر طرف پھیل رہی تھیں تو جماعت کے اکابر واصاغر پوری ہمت کے ساتھ فسادات کی آگ کو بجھانے، مظلوموں کی تائید، حکمرانوں کو سختی سے جھنجھوڑنے اور ظالموں کو سخت سزائیں دلوانے کی وکالت کررہے تھے۔ غرض کہ جماعت نے ہر قیمت پر فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی پوری کوشش کی۔ اس کے علاوہ مصیبت زدگان کے لیے ریلیف اور امداد کے کیمپ

کھولے جن میں احمد آباد کی مثال بہت نمایاں ہے۔اسی طرح قحط سالی کے زمانے میں بلا امتیاز مذہب وملت غلہ اور کپڑا اور نقد وصول کر کے تقسیم کرتی رہی۔جماعت کا رول اس پورے دور میں کبھی بھی منفی (Negative) یا احتجاجی (Agitative) نہ رہا بلکہ Consultative اور Suggestive Co-opertive رہا۔ ہمارا اصول وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ (المائدہ:۲) رہا۔ ملک میں سالمیت اور اتحاد کی فضا برقرار رکھنے کے لیے جابجا سمپوزیم منعقد کیے۔مختلف الخیال افراد اور جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے محبت واخلاص کی لڑی میں منسلک کیا۔

لسانی مسئلہ میں جماعت اسلامی کا رول

پورے ملک میں لسان یا زبان کی بنیاد پر جو آگ سلگ گئی تھی اس نے کتنے ہی معصوموں کی جان لے لی۔گجراتی ومرہٹی، بنگالی وآسامی، تامل اور ہندی، کنٹری اور ملیالم وغیرہ کے نام پر خون آشامی کا سلسلہ جاری رہا۔افسوس کہ یہ ان دو کمشینوں کی سفارشات اور اس پر اندھادھند عمل کا نتیجہ تھا جو شری نہرو، پٹیل اور پٹابی ستیارامیا آنجہانی جیسی شخصیتوں کے ذریعے عمل میں آئے تھے۔ دوسرا کمیشن سر فضل علی اور مسٹر کنزرو پر مشتمل تھا۔افسوس کہ علاقائی زبانوں کے مسئلہ نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کو کئی ایک اختلافی مسائل سے دوچار کردیا۔ اس کے برعکس جماعت اسلامی جو رول اس سلسلے میں شروع سے ادا کرتی رہی وہ نہایت حقیقت پسندانہ اور منصفانہ رہا ہے۔وہ زبانوں کے اختلاف کو خدا کی نشانی قرار دیتی ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ (الروم:۲۲)

”اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔دانش مند لوگوں کے لیے۔“

جماعت اختلاف زبان کو اللہ کی رحمت سمجھتی ہے اور اپنے مطبوعات اور دارالاشاعتوں

کے ذریعے مختلف زبانوں میں مطبوعات کو جاری کرتے ہوئے ملک کے باشندوں میں اس نے الفت ومحبت کی داغ بیل ڈال دی۔ غالب اکثریت کی زبان بولے جانے والے علاقوں میں وہاں کی اقلیتوں کی زبانوں کا بھی پاس ولحاظ کیا۔ ان مختلف علاقوں میں ہر علاقہ کی زبان کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے کتابیں چھاپیں اور تقسیم کیں۔ آپسی میل ملاپ کے مراسم بڑھائے اور بتلایا کہ مختلف زبانیں بولنے والے لوگ ایک دوسرے سے خدا کی محبت میں قریب تر ہو سکتے ہیں اور مل جل کر زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

معاشی مسئلہ

جماعت اسلامی اس ملک میں ایک ایسے معاشی نظام کی خواہش مند ہے جو مملکت کے تمام باشندوں کے لیے یکساں طور پر معتدل، متوازن اور موزوں ثابت ہو سکے۔ اس کی نگاہ میں اس مسئلے کا حل ایک مخصوص منسٹری یا پلاننگ کمیشن کے چند افراد کے حوالے کرنے سے نہ ہوگا بلکہ حکمرانوں اور ذمہ داروں سے لے کر عوام وخواص براہ راست اور بالواسطہ دونوں طرح اس مسئلے کے حل میں شریک ہوں۔ جماعت یہ چاہتی ہے کہ ملک میں ایک ایسا ماحول پیدا کیا جائے کہ جس میں ہر فرد آخرت میں اپنے رب کے حضور جواب دہی کا احساس رکھتا ہو۔ فرد پر جماعت اور جماعت پر فرد کا احتساب اور ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے مواخذہ کا احساس غالب رہے۔ افراد کو اپنے اجتماعی مفاد کے لیے قربانیاں دینے کا احساس ہو۔ احتساب اور نگرانی کا نظام جو اب معطل ہو چکا ہے اس کو سختی سے متحرک کیا جائے۔ دولت سب کی سہولت اور فراہمی رزق کا موجب بننے بالخصوص اس کا مصرف غریب کی غربت دور کرنے اور اس کی معاشی حالت درست کرنے میں صرف ہو۔ دولت کی پرستش لعنت سمجھی جانے لگے۔ مالوں کا انفاق زندگی میں خوشی اور مسرت کا موجب ہو۔ کمانے والے ہاتھوں کی ہمت افزائی ہو۔ معطل اور غیر استعمال شدہ زمینیں جلد سے جلد اجتماعی مفاد کے لیے استعمال میں لائی جائیں۔ لاٹریوں، سٹوں اور شراب اور سودا اور استحصال بالجبر کے کاروبار کا خاتمہ ہو۔ یہ ماحول آخر کیسے پیدا ہوگا جب کہ دولت کی حرص، رشوت کی گرم بازاری اور اسمگلنگ کے شوق نے سماج کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہو؟ کسی سودخوار

معاشرے میں غریب کی ہمدردی کا کیا سوال پیدا ہوسکتا ہے؟ بے حیائی اور فحاشی ومنکرات کے لیے لوگ اپنی دولت کو بے غل وغش استعمال کرر ہے ہیں۔ ملک کی معیشت پر اسمگلروں کا قبضہ ہوچکا ہے۔ بلاشبہ جماعت اسلامی کنگ اسمگلروں کی گرفتاری کو اچھی نظر سے دیکھتی ہے مگر خواجہ کے بہت دیر سے بیداری پر افسوس بھی کرتی ہے۔ اس لیے کہ ملک میں خوف ناک کالے دھن نے ملکی معیشت ہی پر اثر نہیں ڈالا بلکہ ملک کے سیاسی رخ کو بھی پلٹ دیا ہے۔

مسٹر نیکولاس کالڈر نے شری نہرو آنجہانی سے بہت پہلے کہا تھا کہ یہ دھن تین کروڑ تک پہنچ جائے گا اور ملکی معیشت کو تباہ کردے گا۔ مگر اب پندرہ سال بعد یہ کالا دھن تین ہزار تا چار ہزار کروڑ ہوچکا ہے بلکہ ان کی معیشت غارت ہوچکی ہے۔ سیاست اور الیکشنی سیاست دونوں ہی چوپٹ ہوچکے ہیں۔ ملک میں معاشی نظام کے اس بری طرح بربادی کے باوجود جماعت کے خیال میں اب بھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا کہ ہم اس کو قابو میں لاسکتے ہیں۔ ہمارے خیال میں اب ایک ایسے ماحول کے بنانے کی ضرورت ہے کہ جس میں ایک ایک فرد کے دل میں سماج کے ایک ایک بے کس غریب اور خستہ حال کے خاطر دل میں وہ احساس پیدا ہوجائے جو انسانیت کے محبوب تاج دار، غریبوں کے مولا، مساکین وبیواؤں کے غم خوار رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا فرمایا تھا۔ آپؐ نے قرآن کی روشنی میں یہ بات پیش کی کہ اللہ کی محبت میں رشتہ دار یتیم، مسکین، مسافر سائل، قیدی اور معاشرے کے حاجت مند تمام افراد بلاامتیاز مذہب وملت اس کے مال میں شریک ہوں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ (البقرہ:۱۷۷)

”نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب

اوراس کے پیغمبروں کو دل سے ماننے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے
داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر
اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔"

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾ (الفجر: ۱۸،۱۷)

"ہرگز نہیں، بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے، اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک
دوسرے کو نہیں اکساتے۔"

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس نے رات اس حالت میں گزاری کہ اس کا پیٹ تو بھرا مگر اس کا پڑوسی بھوکا رہا تو اس کی صبح ایک مومن کی صبح نہ ہوگی۔

۲۔ جس نے بازار میں غلہ کو کھلے عام نرخ پر فروخت کرنے سے اس لیے روک رکھا کہ قیمتوں کے چڑھاؤ کا انتظار کرے، ایسا شخص جہنم کا مستحق ہے۔

۳۔ جو شخص بازار میں اپنا مال لے آیا اور اس دن بازار میں جیسا کچھ نرخ تھا اس نے فروخت کر دیا ایسے شخص کو جنت کی خوش خبری دی گئی ہے۔

۴۔ وہ نمازی بھی قابل گرفت ہے جو اپنے پڑوس کی معمولی ضروریات میں بھی مددگار نہیں بنتا۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر ایسی بنیادوں پر ہم نے افراد کی ذہنیت کو بدل دیا تو ایک ایسا مونس وغم خوار اور صحیح معنوں میں Social Justice کا مظاہرہ کرنے والا معاشرہ وجود میں آئے گا کہ اس کی معیشت اس ملک کے باشندوں کے لیے رحمت ثابت ہوگی۔ دولت کی منصفانہ تقسیم عمل میں آئے گی جو صحت مندانہ معیشت کی علامت ہوگی۔ جماعت اپنے طور پر ان گئے گزرے حالات میں بھی افراد اور آبادی کی بنیادی اکائیوں کی طرف توجہ دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس وقت ملک میں بلاسودی امدادی ادارے، طبی امدادی مراکز، ابتدائی طبی امداد کے مراکز، میٹرنیٹی ہاسپٹل اور قحط سالی اور سیلاب کے زمانے میں ریلیف ورک کے

ذریعے کچھ نمونے کے کام پیش کرنے میں الحمدللہ کام یاب رہی ہے۔ علاوہ اس کے جماعت ہمارے ملک کی نوخیز نسل کے اخلاقی حالات پر افسوس کا اظہار کرتی ہے۔ کیونکہ ان میں لادینیت، تشدد، خودغرضی، فحاشی ومنکرات اور نشہ کی عادت خوف ناک حد تک بڑھ چکی ہے۔ ہمارے ملک میں بے روزگار نوجوانوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی چلی جارہی ہے اور ملکی معیشت وخوش حالی سے وہ تقریباً مایوس ہوتے جارہے ہیں۔ کاش آج بھی ہم ان کے کردار واخلاق اور روحانیت کے پہلوؤں کو سدھارنے کی طرف متوجہ ہوں تو امید ہے کہ ان کی مصروفیات ومشغولیات کا رخ تعمیری کاموں کی طرف مڑسکتا ہے۔ جماعت حتیٰ الامکان کوشش کررہی ہے کہ منتخب محلوں اور ملی جلی بستیوں میں ان نوجوانوں کی حالت سدھر جائے۔

ایک نہایت اہم اور آخری بات

حضرات محترم! اس ملک میں ہمارا رول ادھورا اور ناقص رہ جاتا اگر ہم نے انہی مسائل کے حل کو ہدف بنایا ہوتا لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ان مسائل کے حل کے لیے جس مسئلہ پر ہم پوری توانائی اور قوت صرف کررہے ہیں وہ یہ ہے کہ خالق ارض وسما ومالک کون ومکان کے بندوں پر اسی کی حاکمیت اور مالکیت کو تسلیم کرایا جائے۔ اسی کی شاہراہ ہدایت پر لوگ چلنے لگیں۔ اس کے دین یعنی اسلام کی طرف لوگ متوجہ ہوں جو دنیا کی آسودگی اور فلاح آخرت کا ضامن ہے۔ ہمارا نعرہ يَاَيُّهَا النَّاسُ اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ پس جماعت اپنے وطنِ عزیز اور اس کے باشندوں سے یہ کہتی ہے کہ دنیا کا اب کوئی نظریہ بھی اس قابل نہیں ہے کہ اس سے اس ملک کی قسمت سنور سکتی ہو۔ پس دین حنیف کی راہ ہی وہ آخری راہ ہے جو اہل ملک کے لیے اختیار کیے جانے کے لائق ہے۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۔

ہم اپنے اہل وطن سے یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ دنیائے انسانیت کے کروڑوں افراد کے پیشوا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس کلمہ کو اپنے پیچھے اپنی اولاد کے لیے چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کرے اور فلاح آخرت اور دنیا سے سرفراز ہوں وہ کلمہ اس کے سوا کیا تھا:

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿۲۸﴾ (الزخرف:۲۸)

''اور وہ یہی کلمہ اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑ گیا تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔''

انہیں کے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کے گھرانے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے لا الٰہ الا اللہ کے تصور کو روئے زمین کے تمام باشندوں کے لیے عام فرمایا۔ اس کی برکتوں کو سارے انسانوں پر تقسیم کیا۔ ہم پورے یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج بھی ہمارے وطن عزیز کے حکمراں، قانون ساز ادارے، ریاستی اسمبلیاں، تاجر اور صنعت کار، ادیب و فلسفی، اساتذہ اور طلبہ، عوام اور خواص اس مبارک کلمہ کو اختیار کرلیں اور اس پر عمل پیرا ہوجائیں تو مسائل حیات کی شاہ کلید ان کے ہاتھ لگ جائے گی۔

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

کے مصداق ان کی زندگی بدل جائے گی۔

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠٣﴾

(الاعراف: ۲۰۳)

''یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں تمام انسانوں کے لیے اور ہدایت و رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان و یقین رکھتی ہے۔''

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہم کو اور ہمارے وطن عزیز کے تمام باشندوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ دین حق کی راہ مستقیم پر اپنی زندگی کی گاڑی کو چلاسکیں اور کروڑوں افراد کا یہ قافلہ فلاح دنیا و آخرت کی طرف بڑھتا ہی چلا جائے۔

مسلمانانِ ہند کے لیے جماعت اسلامی ہند کا پروگرام

مولانا سید حامد علی

جماعت اسلامی ہند مسلمانان ہند کے لیے کیا پروگرام رکھتی ہے؟ ان سے وہ کیا کہتی ہے؟ ہندوستان کے مسلمانوں سے وہ کن باتوں کا مطالبہ کرتی ہے؟ ان کے سامنے وہ کیا راہ رکھتی ہے؟ یہ وہ بات ہے جو مجھے آپ کے سامنے رکھنا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ آپ ہی کی بات ہے۔ ہم اور آپ کون سی راہ اختیار کریں کہ ہماری دنیا بھی کام یاب ہو اور ہماری آخرت بھی کام یاب ہو۔ ہم دنیا میں کیسے زندگی گزاریں کہ وہ زندگی ہمارے لیے عزت کی زندگی ہو، وہ زندگی ملک کی خدمت کے لیے ہو، نوع انسانی کی فلاح کے لیے ہو، اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ یہ ہمارا آپ کا اپنا مسئلہ ہے۔ ہمارے آپ کے اپنے سوچنے کی بات ہے۔ یہ ہمارے اپنے عمل کی بات ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ آپ اسے توجہ سے سنیں گے اور غور فرمائیں گے اور اگر آپ کے دل کو بات لگے تو اسے اپنائیں گے بھی۔

بزرگو اور بھائیو! مسلمانوں کو اس دنیا میں اور اپنے ملک میں کیا کرنا چاہیے، ان کے سامنے کیا پروگرام ہونا چاہیے؟ اس سوال کا جواب ایک اور سوال پر موقوف ہے۔ وہ یہ کہ مسلمان ہیں کیا؟ خود مسلمانوں کی اپنی حیثیت کیا ہے؟ اور پھر اس سے اگلا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ جب تک یہ دو باتیں ٹھیک سے طے نہ ہو جائیں مسلمانوں کا رول کیا ہو؟

ان کا پروگرام کیا ہو؟ یہ سوال ٹھیک سے طے نہیں ہوسکتا۔ یہ جو آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے درمیان مختلف باتیں کہی جاتی ہیں، ایک کچھ کہتا ہے، دوسرا کچھ کہتا ہے، تیسرا کچھ کہتا ہے۔ یہ جو اختلاف رائے ہے وہ اصل میں اس وجہ سے ہے کہ ہم شروع سے نہیں چلتے۔ جب ہم بیچ سے چلیں گے تو جوابات مختلف ہوجائیں گے، راہیں الگ الگ ہوجائیں گی۔ پہلا سوال یہ ہے کہ ہم ہیں کیا؟ اور دوسرا سوال یہ کہ ہم جو کچھ ہیں اس کے لحاظ سے ہمارے وجود کا، ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ یہ دوسوال جب طے ہوجائیں تو وہ سوال آپ سے آپ طے ہوجائے گا کہ ہمارا پروگرام کیا ہے؟ ہمارا رول کیا ہے؟ ہمیں کیا کرنا ہے؟ تو مسلمان کیا ہے؟ کیا وہ کوئی نسلی اور وطنی قوم ہیں؟ نسل کی بنیاد پر بننے والی قوم، زبان کی بنیاد پر بننے والی قوم، رنگ کی بنیاد پر بننے والی قوم، کچھ اس کا ماضی ہے، ماضی کی روایات کی بنیاد پر بننے والی قوم، اگر مسلمان قوم ہوں تو پھر ان کا راستہ ایک اور قسم کا ہوگا۔ دنیا کی جیسی اور قومیں ہوتی ہیں، جس طرح وہ سوچتی ہیں، جس طرح وہ اپنے لیے پروگرام تجویز کرتی ہیں، جس طرح وہ اپنے لیے لائحہ عمل بناتی ہیں ویسے ہی نام کے معمولی فرق سے مسلمانوں کو بنانا ہوگا۔ لیکن ہم اور آپ جانتے ہیں کہ مسلمان کسی نسلی قوم کا نام نہیں ہے۔ دنیا میں جتنی نسلیں ہیں ان تمام نسلوں کی نمائندگی مسلمانوں میں ہے۔ مسلمان کسی وطنی قوم کا نام بھی نہیں ہے۔ دنیا کے ہر خطے میں مسلمان آباد ہیں۔ مسلمان کسی لسانی قوم کا نام بھی نہیں ہے۔ مسلمان دنیا کی ہر زبان بولتا ہے۔ تب مسلمان کیا ہیں؟ مسلمان کا وجود اسلام سے وابستہ ہے۔ اسلام سے ہٹ کر ہم مسلمان کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ مسلمان ایک نظریاتی جماعت ہیں، ایک اصولی جماعت ہیں۔ ایک نظریے کی علم بردار امت ہیں۔ مسلمان ہے وہ جس کی زندگی اور جس کی موت اسلام سے وابستہ ہو۔ ایک آدمی جس کے آباء واجداد ہزار ہا سال سے امت مسلمہ سے وابستہ تھے۔ آج وہ اسلام کا انکار کردے۔ مسلمان نہیں رہتا۔ ایک آدمی جو کسی غیر مسلم گھرانے میں پیدا ہوا وہ اسلام کے نظریے کو اس کے عقیدے کو، اس کے نظام کو اپنا لے تو وہ ہمارا بھائی ہوجاتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان کسی نسلی اور وطنی قوم کا نام نہیں ہے، بلکہ ایک نظریہ کی، ایک عقیدہ کی، ایک دین کی، ایک نظام حیات کی علم بردار جماعت کا نام ہے۔ یہ ہماری حیثیت ہے۔ اس سے یہ بات خود بخود واضح ہوجاتی ہے کہ ہم کیا

ہیں اور کیا نہیں ہیں؟ اگر ہمارا تعلق اسلام سے زندہ ہے، تابندہ ہے، محکم ہے تو ہم صحیح معنی میں مسلمان ہیں، ہم مسلمان کی حیثیت سے زندہ ہیں لیکن مسلمان نامی بے شمار افراد پر مشتمل ایک قوم موجود ہو اور ان کا رشتہ اسلام سے ختم ہو چکا ہو یا انتہائی کمزور ہو چکا ہو تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ افراد ہیں لیکن فی الواقع وہ مسلمان نہیں ہیں۔ تو پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم اسلام سے قائم ہیں، ہم اسلام کے نظریہ کو لے کر اٹھنے والی ایک امت ہیں۔ اسلام کے عقیدہ کو ماننے والی، اسلام کے دین کو اپنانے والی، اسلام کے لیے جینے اور مرنے والی امت ہیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس میں کبھی بھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔ امت کے اہل فکر نے، امت کے اہل علم نے ہمیشہ یہی سمجھا ہے کہ مسلمان وہ جو اسلام کو اپنائے جو اسلام کے راستے پر چلے، امت مسلمہ وہ جو اسلام کی علم بردار ہو۔ یہ سوال جب طے ہو گیا تو اگلا سوال طے کرنے میں ہمیں آسانی ہوگی کہ مسلمانوں کا مقصد وجود کیا ہے؟ ان کا نصب العین کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ جب مسلمان وہ ہے جس کا تعلق اسلام سے ہو، اسلام اور مسلمان دو چیزیں ہیں ہی نہیں۔ مسلمان کا وجود اسلام سے ہے تو پھر امت مسلمہ کا مقصد وجود اس کا سوا کیا ہوا کہ وہ اس دنیا میں اللہ کے دین کی علم بردار رہے۔ اس کا مقصد وجود اقامت دین ہے۔ اقامت دین یعنی اللہ کے دین کو اپنے وجود پر، اپنے سماج پر، اپنے ملک پر اور اللہ کی زمین پر نافذ کرنا۔ ایک ایسی جماعت ایک ایسی پارٹی، ایک ایسی ملت جس کا وجود اسلام سے وابستہ ہو اس کا اس کے سوا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے کہ وہ جیے تو اسلام کے لیے مرے تو اسلام کے لیے، عمل کرے تو اسلام پر، دعوت دے تو اسلام کی اور نافذ کرے تو اللہ کے اس نظام حیات کو جو اس نے اسلام کے نام پر ہمیں دے رکھا ہے، تو امت مسلمہ کا مقصد وجود ہوا اقامت دین، اللہ کے دین پر ٹھیک ٹھیک عمل، اللہ کے دین کی دعوت اور اللہ کے دین کی اقامت — یہ دو سوال جب طے ہو جاتے ہیں تو پھر یہ سوال اپنے آپ طے ہو جاتا ہے کہ ہمارا پروگرام کیا ہو؟ اب میں اس پروگرام کے اجزاء ایک ایک کر کے آپ کے سامنے رکھوں گا۔ اس نیت کے ساتھ اور اس دعا کے ساتھ کہ مسلمان ہونے کے ناطے ہم اس پروگرام کو اپنائیں گے اور اپنا کر، اپنا اپنے سماج کا، اپنے ملک کا اور نوع انسانی کا بھلا کریں گے اور دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کریں گے۔

جب ہم ایک نظریاتی امت ہیں، جب ہم دین سے وابستہ ایک امت ہیں اور جب ہمارا مقصد ہی اقامت دین ہے تو سب سے پہلا جو ہمارے سامنے پروگرام آنا چاہیے اور جو اللہ اوراس کے رسول نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم دین کا صحیح علم حاصل کریں، ہر مسلمان دین کی بنیادی باتوں کو جانتا ہو۔ اسلام میں کوئی مذہبی طبقہ بیچ میں ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ دنیا کے بعض مذاہب میں ہوتا ہے کہ پروہت یا پادری کے ذریعے نجات ملتی ہے۔ وہ عبادات کے مراسم ادا کرتے ہیں تو ادا ہوتے ہیں۔ اسلام نے یہ راہ تجویز نہیں کی ہے، نجات ہر انسان کا اپنا شخصی معاملہ ہے۔ ہر انسان خدا سے تعلق خود قائم کرسکتا ہے اور خود قائم کرنا چاہیے۔ خدا کو راضی کرنا، اس کی عبادت کرنا، اس کی اطاعت کرنا، اس کے دین پر چلنا، یہ اس کا اپنا معاملہ ہے، یہ اس کی اپنی ذمہ داری ہے، یہ اس کا اپنا فرض ہے۔ اس لیے یہ اس کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کے دین کا علم حاصل کرے۔ دین کا علم حاصل کرنا، دین کی بنیادوں کو جاننا، کتاب وسنت سے متعلق ہونا، یہ ہم میں سے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ آج جو آپ یہ دیکھتے ہیں کہ امت مسلمہ بے شمار فرقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ بات بات میں اختلاف ہے اور دین کے نام پر اختلاف ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس دین کو چند اشخاص کے حوالہ کر دیا۔ وہ دین جس کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس سے ہماری دنیا کی کامرانی وابستہ ہے۔ آخرت کی نجات وفلاح وابستہ ہے۔ اس کے لیے ہمارے پاس کوئی وقت نہیں ہے۔ اس کا علم حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی وقت نہیں ہے۔ ہم نے طے کر دیا کہ فلاں شخص ہماری جو رہ نمائی کرے گا اسے ہم قبول کرلیں گے۔ یہ صحیح اسلامی روش نہیں ہے۔ صحیح اسلامی روش یہ ہے کہ ہم اللہ کے دین سے خود وابستہ ہوں، اس سے خود واقف ومتعارف ہوں، کتاب وسنت سے ہم خود متعلق ہوں، عربی زبان ہم نہیں جانتے نہ جانیں۔ اردو زبان میں بھی قرآن مجید کے، صحیح احادیث کے بہت سے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اسلامی لٹریچر بڑے پیمانے پر اردو میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ عربی کے بعد اردو وہ خوش قسمت زبان ہے جس میں اسلام پر سب سے زیادہ مستند اسلامی لٹریچر موجود ہے۔ ہمارے پاس تھوڑا وقت ہونا چاہیے۔

۲۴ گھنٹہ میں تھوڑا سا وقت ایک گھنٹہ پون گھنٹہ اگر ہم روزانہ نکال لیں تو ہم اسلام کا

علم حاصل کر سکتے ہیں اور تب ہمیں یہ محسوس ہوگا کہ ہمارے اختلافات جو ہیں وہ ہماری نادانی کا نتیجہ ہیں۔ دین کی بنیادی باتیں بالکل واضح ہیں اور اس میں اختلاف اور تفرقہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہماری بہت سی مصیبتوں کی وجہ ہمارا کتاب وسنت سے متعلق نہ ہونا ہے۔ پہلا پروگرام یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو اس کے لیے وقت نکالنا چاہیے کہ ہم اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو خود سمجھیں۔ عربی زبان میں سمجھیں۔ وہ ممکن نہ ہو تو اردو زبان میں سمجھیں اور دین کی حقیقت کو دین کی تعلیمات کو واضح کرنے والی کتابوں کے مطالعہ کے لیے بھی وقت نکالیں اس کے بغیر ہماری راہ ہم پر واضح نہیں ہوسکتی۔ میں کھڑا ہوا میں نے کوئی بات آپ سے کہہ دی۔ ایک اور صاحب آئے انھوں نے کوئی اور بات کہہ دی، ایک اور صاحب آئے انھوں نے کوئی اور رہ نمائی فرمادی۔ اب آپ پریشان ہیں کہاں جائیں ؟ کس راستے کو اختیار کریں؟ کس پروگرام کو اپنائیں؟ اس کا حل یہی ہے کہ ہم میں سے ہر مسلمان ہم میں سے ہر شخص اپنی دنیا اور آخرت کی کام یابی کی راہ کو نجات کی راہ کو خود ڈھونڈھے، کتاب وسنت سے خود وابستہ ہو۔ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ”تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑلو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔“ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت، تو کیا واقعی ہم ان دونوں سرچشموں کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں؟ کیا واقعی ہم انہیں جانتے ہیں؟ جاننے کے لیے وقت نکال رہے ہیں؟ اگر نہیں ہے تو ہمارے لیے کام یابی کی راہ، دنیا اور آخرت کی فلاح کی راہ باز نہیں ہوسکتی، نہیں کھل سکتی۔

یہ پہلا پروگرام ہے، دوسری بات ہم آپ سب جانتے ہیں کہ تنہا علم کچھ نہیں ہوتا، ساری باتیں مجھے معلوم ہوں، میں عمل نہ کروں تو ظاہر ہے کہ ایسا علم بے کار ہے۔ نبی ﷺ جن جامع دعاؤں کو اہتمام سے کیا کرتے تھے ان میں ایک دعا یہ بھی تھی:

اللهم انی اعوذبك من قلب لا يخشىٰ ومن علم لا ينفع ومن نفس لا تشبع ومن دعوة لا يستجاب

”اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے، ایسے دل سے جو تیرے آگے جھکے نہیں، ایسے نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو کبھی قبول نہ ہو۔“

علم تو حاصل ہو گیا حق کا، دین کا، آخرت کی راہ کا لیکن عمل کی توفیق نصیب نہ ہوئی، حضورؐ ایسے علم سے پناہ مانگتے تھے۔ علم بے کار ہے اگر اس پر عمل کی توفیق نہ ہو۔

ابھی ایک غیر مسلم بھائی نے معاونین کے اجتماع میں ایک سوال کیا تھا کہ مسلمان کسے کہتے ہیں؟ یہ بات بھی سوال کرنے کی ہوگئی؟ یہ بات تو فضا میں گونجنی چاہیے تھی، ہر غیر مسلم کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ مسلمان کہتے کس کو ہیں؟ لفظ مسلم کے معنی ہی ہیں اللہ کا تابع دار۔ اسلام سے مسلم بنا ہے۔ اسلام کے عربی زبان میں تین معنی آتے ہیں۔ اپنے آپ کو کسی کی اطاعت میں دینا، اپنے آپ کو کسی کے حوالے کر دینا، اور اپنے آپ کو کسی مقصد کے لیے قربان کر دینا، اطاعت کرنا، حوالے کرنا، قربان کرنا۔ یہ تینوں مفہوم اسلام میں اکٹھا ہیں۔ مسلم وہ ہے جو اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں دے دے، اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دے اور اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے لیے قربان کرنے پر تیار ہو۔ ہم دین کی راہ کو جان لیں۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے آمادہ نہ ہوں، ہم اللہ کی رضا کو جان لیں لیکن ہم اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے حوالے کرنے پر تیار نہ ہوں، ہم پر اللہ کی راہ واضح ہو لیکن ہم اللہ کی راہ میں کوئی قربانی دینے کو تیار نہ ہوں۔ کوئی کانٹا ہمارے قدم میں چبھنے نہ پائے، کوئی خطرہ ہمارے سامنے آنے نہ پائے، کوئی غم ہم پالنے کو تیار نہ ہوں تو ہم اسلام کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے۔ اور جب اسلام کے تقاضے ہم پورے نہیں کر سکتے تو نہ ہماری دنیا کام یاب ہو سکتی ہے، نہ آخرت تو ہم مسلمانوں کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو دوسرا پروگرام رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی پوری زندگی میں اسلام کی تعلیمات پر عمل کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے احکام پر عمل کریں۔ یہ جو پوری زندگی کی بات ہے۔ یہ بات سمجھنے کی ہے۔ بس یہی وہ بات ہے جو اس دور میں ذرا اوجھل سی ہو گئی تھی جسے اللہ کے فضل سے جماعت اسلامی نے کتاب وسنت سے سمجھ کر ہمارے اور آپ کے سامنے رکھا۔ اسلام میں عبادت گزار لوگوں کی کبھی کمی نہیں تھی، اللہ کے فضل سے ایک سے ایک عابد و زاہد لوگ موجود تھے اور موجود ہیں۔ اخلاق و کردار کے اعتبار سے مسلمانوں میں ایسے افراد پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں جن پر وہ پوری دنیا کے مقابلے میں فخر کر سکتے ہیں۔

جس بات کی کمی تھی وہ یہ تھی کہ یہ بات ذہن سے اوجھل ہو گئی تھی کہ اللہ کا دین پوری

زندگی کی رہنمائی کے لیے آیا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ زندگی کے کسی ایک گوشے میں ہم اللہ کی بندگی کریں اور دوسرے گوشے میں اللہ کی بندگی سے بے نیاز ہو جائیں۔ کچھ معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور باقی دوسرے معاملات میں دنیا کے دوسرے انسانوں کا اتباع کریں۔ یہ بات ہمارے لیے صحیح نہیں۔ ہم نے جب لاالٰہ الا اللہ کہا تو اس بات کا فیصلہ کیا، اس بات کا عزم کیا، اور اس بات کا دنیا کے سامنے، خدا اور اس کے فرشتوں اور انسانوں کو گواہ بنا کر اعلان کیا کہ اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں، اللہ کے سوا ہم کسی کے بندے نہیں۔ آج سے ہم بندگی کریں گے تو خدا کی، پرستش کریں گے تو خدا کی، غلامی کریں گے تو خدا کی، اطاعت کریں گے تو خدا کی اور جب ہم نے محمد رسول اللہ کہا تو ہم نے یقین کے ساتھ یہ فیصلہ کیا یہ عزم کیا یہ اعلان کیا خدا اس کے فرشتوں اور انسانوں کو گواہ بنا کر کہ آج سے ہمارے رہنما پوری زندگی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اللہ کے آخری رسول ہیں، تو یہ کلمہ ہماری پوری زندگی کو اللہ کی بندگی میں دے دینا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبہ:۱۱۱)

”بلاشبہ اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو خرید لیا ہے۔ اس معاوضہ میں کہ ان کے لیے جنت ہے۔“

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷ (البقرہ:۲۰۷)

”اور لوگوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے آپ کو فروخت کر دیتے ہیں۔ اللہ کے ہاتھ اس کی مرضی چاہنے کے لیے اور اللہ ایسے بندوں پر بہت مہربان ہے۔“

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ (البقرہ:۲۰۸)

”اے ایمان لانے والو! اسلام میں (اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں) پورے کے پورے اور سب کے سب داخل ہو جاؤ۔“

اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت، یہ چند مولویوں کا کام نہیں ہے۔ یہ چند

پیروں کا کام نہیں ہے۔ یہ چند زاہد و عابد افراد کا کام نہیں ہے۔ یہ پوری امت مسلمہ کا کام ہے، ہر ہر مسلمان کا کام ہے، ہر مرد کا، ہر عورت کا، ہر جوان کا، ہر بوڑھے کا، ہر ادھیڑ عمر کا، ہر غریب کا، ہر امیر کا، ہر شخص کا کام ہے۔ سارے مسلمان اسلام کے اندر داخل ہو جائیں اور پورے کے پورے داخل ہو جائیں۔ یہ مطالبہ ہے قرآن مجید کا۔ دوسری جگہ فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْکَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ (الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

”اے نبیؐ! ان سے کہہ دو کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلے مسلمان ہوتا ہوں۔“

تو اسلام کا راستہ یہ ہوا کہ نماز بھی اللہ کے لیے، قربانی بھی اللہ کے لیے، جینا بھی اللہ کے لیے اور مرنا بھی اللہ کے لیے۔ تو ہم یہ فیصلہ کریں کہ زندگی کا سب سے اہم پروگرام یہ بنائیں کہ اپنی پوری زندگی کو ہم اللہ کے حوالے کر دیں۔ کیا اس میں اللہ کا فائدہ ہے؟ اللہ بے نیاز ہے۔ یہ پوری کائنات اس کی بندگی اور اطاعت کر رہی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں اس زمین کے سارے انسان اور جن ایک مقام پر کھڑے ہو کر اللہ کی بندگی کرنے لگیں تو اس کی حکومت میں اس کے اقتدار میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور اس زمین کے سارے انسان اور سارے جن ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر اللہ سے بغاوت کا فیصلہ کریں تو اس کے اقتدار میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ انسان اور جن کی جو آزادی ہے وہ اللہ کی ہی بخشی ہوئی ہے۔ اللہ کی بندگی میں اللہ کا کوئی فائدہ نہیں، اس میں سرتاسر ہمارا ہی فائدہ ہے۔ اللہ کا دین اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہماری صلاحیتوں کا صحیح مصرف کیا ہے؟ اللہ نے جو بے پایاں قوتیں انسان کو بخشی ہیں، ان کے استعمال کا صحیح ڈھنگ کیا ہے؟ اللہ نے اس زمین کے اوپر، اس زمین کے اندر، سمندر کے اوپر، سمندر کے اندر، فضا میں، خلا میں، سیاروں میں، پوری کائنات میں انسان کے لیے جو نعمتیں بھر دی ہیں اور انسان ان نعمتوں کو یکے بعد دیگرے حاصل کرتا جا رہا ہے، ان نعمتوں کو وہ کیسے استعمال کرے کہ اس کی دنیا سکھی ہو، سارے انسان سکھی

ہوں، اس کی دنیا کام یاب ہو، ہر فرد کا، ہر قوم کا، ہر صنف کا، ہر طبقہ کا، ہر گروہ کا ارتقاء ہو اور پھر خدا راضی ہو اور مرنے کے بعد جب ہم اللہ کے حضور جائیں تو وہاں ابدی زندگی میں جنت کی ابدی نعمتیں پائیں اور اللہ کے ہول ناک عذاب سے ہم بچ سکیں تو اس کی پیروی پوری زندگی میں ہم اس لیے کریں کہ ہماری دنیا اور آخرت دونوں کام یاب ہوں۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا دوسرا پروگرام یہ ہے کہ ہم اپنی پوری زندگی میں اللہ کے دین کے پیرو ہوں۔ میں ذرا اشارہ کرکے بتاؤں گا کہ اگر ہم زندگی کے مختلف معاملات میں اللہ کے دین کے پیرو بن جائیں تو آخرت سے پہلے دنیا میں اس کے نتائج کیا نکلیں گے؟ ایک پہلو لے لیجیے عبادات کا۔ اگر اذان ہوتے ہی سارے مسلمان مسجد کا رخ کریں اور نماز باجماعت کا اہتمام کریں تو علاوہ اس کے کہ ہمارے اندر اللہ سے تعلق استوار ہو، قربانی کا جذبہ پیدا ہو، خدا کے دین پر چلنے کے لیے سرفروشی کی عادت پیدا ہو تنہا یہ چیز مسلمانوں کو صحیح بنیاد پر متحد کرنے والی ہوگی۔ مسلمان کی قوت وشوکت کے مظاہرے کے لیے یہ بات بالکل کافی ہے کہ پانچ وقت پوری مسلمان قوم مسجد میں جا رہی ہے آ رہی ہے، پوری ڈسپلن کے ساتھ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہی ہے اور وہاں بیٹھ کر مل جل کر اپنی مصیبتوں اور دکھوں پر غور کر رہی ہے، اللہ سے تعلق ٹھیک ہوا، اپنے مسائل حل ہوئے، اپنے اندر اتحاد پیدا ہوا، آپ دیکھتے ہیں کہ کتنی بڑی امت ہے؟ اس ملک میں دس کروڑ ہے۔ دنیا میں اسی کروڑ یا ایک ارب ہے، لیکن منتشر ہونے کے باعث اس کا کوئی وزن نہیں۔ ایک طرف تعلق خدا سے کمزور، اس کی بنیاد پر کردار ختم ہوا، اور دوسری طرف اتحاد غائب۔ اگر ایک طرف خدا سے ہمارا تعلق مضبوط ہو اس کے نتیجہ میں بااخلاق و باکردار بن جائیں۔ پھر دینی بنیاد پر اتحاد ہو تو کیا اس ملک میں اور دنیا میں ہم ساکھ رکھنے والی قوم نہیں بن جائیں گے، ہماری قوت نہیں ہوگی۔ ہمارے اندر طاقت نہیں ہوگی؟ ہم اپنی مصیبتوں کو خود دور نہیں کرسکیں گے؟ ہم خود انصاف نہیں کرسکیں گے؟ نماز کے بعد زکوٰۃ کا نمبر آتا ہے جو دین کی دوسری بنیاد ہے۔ صرف زکوٰۃ کو اگر ہم صحیح طور پر اللہ کی رضا کے لیے نکالیں تو آپ یقین مانیے کہ ہم مسلمان جو غربت کا رونا روتے ہیں، ہمارے بے شمار مسائل جو الجھے پڑے ہیں، یہ سارے مسائل حل ہوجائیں۔ ایک طرف اللہ راضی ہو،

دوسری طرف ایک پروگرام کے تحت جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے۔زکوٰۃ کو بیت المال میں جمع کیا جائے اور وہاں پوری فہرست ہو، بے سہارا لوگوں کی، غریب لوگوں کی، بے روزگار لوگوں کی اور پھر اس طرح خرچ کیا جائے کہ غریبوں کا مسئلہ حل ہو۔ روزہ اگر ہم اس طرح رکھیں کہ ہم نفس پر قابو پالیں، ہم خواہشات پر قابو پالیں، ہمیں اللہ کی بندگی کی عادت ہوجائے، ہم اس بات کو محسوس کرلیں کہ ہم اللہ کے بندے ہیں۔ جب وہ کہتا ہے کہ کھاؤ تو فوراً کھائیں، وہ کہتا ہے کہ نہ کھاؤ تو فوراً پیچھے ہٹ جائیں۔ وہ کہتا ہے کہ نہ سوؤ تو ہم نہ سوئیں، وہ کہتا ہے کہ سوجاؤ تو ہم سونے لگیں۔ اگر ہم روزہ اس طرح رکھیں کہ ہمیں اس بات کی مشق ہوجائے، اس بات کا شعور ہوجائے کہ ہم تو صرف اللہ کے بندے ہیں تو پھر ہم اپنی خواہشات کی وجہ سے جس بدکرداری و بداخلاقی میں مبتلا ہیں، جس نے ہمیں کھوکھلا کردیا ہے، ہماری ساکھ کو ختم کردیا ہے۔ اس سے ہم نکل آئیں اور ہم ایک باکردار اور بااصول جماعت بن جائیں۔ پھر اسلام کا چوتھا رکن حج ہے۔ حج کیا ہے؟ اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین سے محبت کرنے کی ایک مشق۔ محبت پیدا کرنے کا ایک کورس، انسان کی اوور ہالنگ، اپنی پوری زندگی بدل دو، اللہ کی بندگی میں لگادو، اللہ کی راہ میں مصیبتیں جھیلنے کی استعداد پیدا کرو، وہاں سے لوٹ کر آؤ تو دین کے لیے دین کی دعوت کے لیے، دین کی اقامت کے لیے، اللہ کی بندگی کے لیے، رسول کی اطاعت کے لیے تمہارے دل میں ولولہ ہو، محبت ہو، شوق ہو۔ اگر ہم اس طرح حج کریں جس طرح ہمیں کرنا چاہیے تو کیا یہ پوری امت زندہ نہ ہوجائے۔ وہ اللہ کے دین کے لیے اٹھ نہ کھڑی ہو، اللہ کی محبت میں سرشار نہ ہوجائے۔ آگے بڑھیے۔ اسلام صرف عبادات کا نام نہیں ہے عبادات کے بعد اسلام میں جس چیز کی اہمیت ہے وہ ہے اخلاق و کردار۔

صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص میں چار عادتیں ہوں وہ خالص منافق ہے اور اگر ان میں سے کوئی عادت ہو اس عادت کے بقدر اس میں نفاق کی حالت ہے۔ جب تک کہ وہ نہ چھوڑ دے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ اس کا کسی سے جھگڑا ہوجائے تو حق سے ہٹ جائے اور گالی گلوچ پر اتر آئے۔ یہ چاروں باتیں

اخلاقی ہیں۔ اخلاق کی بنیادی باتیں ہیں۔ جس میں یہ عادتیں ہوں: جھوٹ، بے ایمانی، وعدہ خلافی، ناانصافی و بدکلامی۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ اگر چہ وہ نماز پڑھتا ہو، اگر چہ وہ روزے رکھتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں، وہ خالص منافق ہے۔ اگر علماء بالفرض یہ کہہ دیں کہ کوئی آدمی مسلمان ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول فرمائیں کہ مسلمان نہیں ہے تو بات اللہ اور اس کے رسول کی معتبر ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس میں یہ عادتیں ہوں وہ خالص منافق ہے۔ اس کا الٹا کیا ہوا؟ خالص مسلمان کون ہے؟ سچا مسلمان وہ ہے جو بات کرے تو سچ بولے، وعدہ کرے تو وہ وعدہ پورا کرے۔ اس کے پاس امانت ہو تو خیانت نہ کرے اور کسی سے کتنا ہی اس کا جھگڑا ہو جائے کوئی قوم یا کوئی فرد اس کا کتنا ہی دشمن ہو وہ انصاف سے نہ ہٹے اور شرافت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ یہ میں نے ایک حدیث بطور مثال پیش کی ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوسکتا ہے کہ اخلاق و کردار کی کیا اہمیت ہے؟ اخلاق و کردار جو آج ہمارے ملک میں اور پوری دنیا میں ناپید ہو چکا ہے۔ اگر اللہ کی رضا کے لیے اپنے اندر ہم پیدا کرلیں تو اللہ کی رضا حاصل ہوگی، آخرت کی ابدی کامیابی حاصل ہوگی۔ جنت کی نعمتیں حاصل ہوں گی اور اس سے پہلے دنیا کی زندگی میں ہم ایک ساکھ والی قوم بن جائیں گے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ کردار کے آگے جھکتا ہے، وہ باکردار قوم کے آگے جھکتا ہے۔ اسی ملک میں جہاں ہماری کوئی ساکھ نہیں، نہ جان محفوظ، نہ مال محفوظ، نہ آبرو محفوظ، نہ زبان محفوظ، نہ پرسنل لا محفوظ، ہماری کوئی عزت نہیں۔ اسی ملک نے وہ دن دیکھے ہیں جب کہ مسلمان یہاں اکادکا تھے۔ یہاں اولیاء کرام آئے، صوفیاء عظام آئے وہ یہاں آکر جم گئے اور ان کے وجود سے اسلام کی کرنیں پھوٹیں۔ اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ ان کی کرامت کا بڑا چرچا ہے۔ میں کرامات کا منکر نہیں ہوں۔ میں تو کرامات کو آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ ہر وہ مسلمان جو اللہ کے دین پر خلوص سے چلنا چاہے، جو اللہ کے دین کی دعوت کے کام میں لگے۔ جو اللہ کے دین کی اقامت کے کام میں لگے، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرماتا ہے۔ یہی کرامات ہیں لیکن اولیائے کرام کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ وہ کردار کا نمونہ تھے۔ اللہ کے عابد وزاہد بندے، اللہ کے بندوں کی خدمت کرنے والے۔ اللہ کے بندوں کے لیے سماج میں نفرت ہی

نفرت تھی جن کے سائے سے انسان ملیچھ ہو گیا تھا جو سڑک پر چل نہیں سکتے تھے، انھوں نے ان کو سینہ سے لگایا۔ لوگوں نے حیرت سے دیکھا، یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ تھی وہ کرامت جو صوفیائے کرام میں تھی۔ یہی وہ کرامت تھی جو آپ کے ہندوستان کے ایک صوبہ کیرالا میں آنے والے عرب تاجروں میں تھی۔ سب سے پہلے اسلام کہاں پہنچا ہے؟ دور فاروقی میں بمبئی کے قریب ایک مقام تھانہ ہے وہاں اسلام کی آواز پہنچی اور کیرلہ صوبہ کا علاقہ ہے مالابار۔ وہاں اسلام کی آواز پہنچی۔ مالابار میں عرب تاجر آئے دنیا کمانے کے لیے، تجارت کرنے کے لیے۔ لیکن وہ با کردار تاجر تھے۔ جب وہ بس گئے تو ان کے کردار سے اور ان کی تبلیغی کوششوں سے اسلام پھیلنا شروع ہو گیا اور وقت کا راجہ مسلمان ہو گیا، ایسا کیوں ہوا؟ آج کیا حال ہے؟ یہ بات مشہور ہے کہ مسلمان تاجر زیادہ بے ایمان ہوتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے یا غلط۔ میں کچھ نہیں کہتا، لیکن وہ دور بھی ہندوستان نے دیکھا ہے کہ جب عرب سے ہزاروں میل دور سمندر پار کر کے لوگ دنیا کمانے آئے، تجارت کرنے کے لیے آئے تو مالابار کے غیر مسلم بھائیوں نے پھٹی آنکھوں سے ان نئے بنیوں کو دیکھا، ارے یہ کیسے ہیں؟ یہ تو کبھی ڈنڈی مارتے ہی نہیں۔ یہ ہمیشہ جھکتا تولتے ہیں۔ یہ اپنی چیز کا عیب خود بیان کر دیتے ہیں کہ بھئی دیکھو یہ چیز سستی ہے مگر اس میں یہ خرابی ہے۔ یہ چیز مہنگی ہے اس میں خرابی نہیں ہے۔ پسند خود کر لو۔ یہ جب کماتے ہیں تو نفع زیادہ نہیں بٹورتے، یہ جو کچھ کماتے ہیں اس کو تنہا نہیں کھاتے، محلہ میں غریبوں کو بانٹ کر کھاتے ہیں۔ جب نماز کا وقت ہوتا ہے دکان بند کر دیتے ہیں۔ جس محلہ میں رہتے ہیں اس محلہ کی بہو بیٹیوں پر نگاہ نہیں اٹھاتے۔ بلکہ اس محلہ کی بہو بیٹیوں کی عزت و ناموس کے محافظ بنتے ہیں۔ لوگوں نے بڑی حیرت سے یہ سب کچھ دیکھا اور اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ پھر اسی ہندوستان نے وہ منظر بھی دیکھا کہ محمد بن قاسم جو اٹھارہ سال کا نوجوان تھا (نوجوان بھائی غور سے سنیں) آج ہمارے نوجوانوں کو سوائے ہپی بننے کے، سوائے گندے گیت گانے کے کچھ نہیں آتا۔ نہ تعلیم، نہ سلیقہ، نہ تمیز، نہ دنیا کا علم، نہ دین کا علم، کچھ نہیں، اپنے وجود سے بے خبر، مقصد وجود سے بے خبر۔ ایک وہ نوجوان تھا محمد بن قاسم، ۱۸ سال کا نوجوان، سندھ کا فاتح، فتح کرنا بڑی بات نہیں ہے۔ جب یہاں انھوں نے حکومت قائم کی خلیفہ راشد نہیں تھے، ان کا شمار عابد و زاہد سلاطین میں بھی نہیں

ہوتا۔ ایک فاتح تھے، جب وہ معزول ہوئے اور معزول ہوکر واپس ہوئے، خلافت بدلی وہ معزول کر دیے گئے تو سندھ کے ہندوؤں نے ان کا اسٹیچو بنایا۔ یہ شخص بادشاہ نہیں تھا، دیوتا تھا، آسمان سے دیوتا اتر آیا تھا، ہم پر حکومت کرنے کے لیے۔ اسٹیچو بنانا غلط تھا، لیکن یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ سندھ کی مفتوح ہندو قوم پر محمد بن قاسم نے حکمرانی کے دور میں اپنے کردار اور حسنِ سلوک کے کیا اثرات چھوڑے تھے۔

میں نے تین نمونے پیش کیے ہیں۔ ایک صوفیائے کرام کا، ایک عرب تاجروں کا، ایک فاتح حکمراں کا، تینوں کے پاس اصل قوت کردار کی تھی۔ اس ملک میں جہاں ہر طرف کرپشن ہی کرپشن ہے، نیچے سے اوپر تک، ہمارا سماج، ہمارا ملک سڑ گیا ہے۔ کوئی ایک رہ نما ایسا نہیں ملتا جس کے بارے میں لوگ یہ یقین رکھتے ہوں کہ یہ کرپشن سے خالی ہے۔ کرپشن کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہم مسلمان اگر اللہ کی رضا کے لیے اس کے دین کی پیروی کی خاطر، جنت کے حصول کی خاطر، اخلاق و کردار کا نمونہ بن جائیں۔ سچ بولنے والے، ایمان داری پر ہر حال میں قائم رہنے والے، دشمنوں سے انصاف کرنے والے، ہر انسان سے حسنِ سلوک کرنے والے، باحیا، باکردار، بااصول تو ہم اس ملک کے ڈوبتے ہوئے جہاز کو بچالیں گے۔ ہم اس ملک کے نجات دہندہ بن جائیں گے۔ اس ملک کے عوام و خواص ہم پر اعتماد کریں گے۔ ایک واقعہ ضمناً سن لیجیے، قریبی دور کا۔ دلی کے قریب مظفر نگر ضلع ہے، یہ انگریز کے شروع دور کی بات ہے، اس کے ایک قصبہ میں جھگڑا ہو گیا، ایک زمین کے بارے میں مسلمان کہتے تھے کہ زمین ہماری مسجد کی ہے، ہندو بھائی کہتے تھے کہ ہماری ہے، جھگڑا افساد تک پہنچا، عقل مند لوگوں نے کہا عدالت میں جاؤ لڑتے کیوں ہو؟ انگریز جج تھا۔ اس نے کہا میں فیصلہ کردوں گا جھگڑا رفع نہیں ہوگا۔ کسی کو پنچ بنایا جائے۔ بھائی کیا فائدہ، مقدمہ بازی سے، پنچ مان لو کسی کو، کہا کسے مانیں؟ کہا کسی ہندو بھائی کو مان لو۔ 'ہندو کو' ارے بھائی یہ مسئلہ تو فرقہ وار ہو گیا ہے، کمیونل ہو گیا، سارے ہندو ایک طرف ہیں، نہیں مانیں گے۔ انگریز نے بہت کہا لیکن مسلمان نہیں مانے۔ پھر بلایا ہندوؤں کو، بھائی کیوں لڑتے ہو مقدمہ؟ کسی مسلمان بھائی کو پنچ مان لو۔ 'مسلمان بھائی کو' ارے بھائی وہ سب ایک طرف ہیں، نہیں مانیں گے۔ ان سے

انصاف کی امید نہیں ہے۔ ارے بھئی کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں ہے، سب بے ایمان ہو گئے۔ جب انگریز نے بہت زیادہ اصرار کیا تو ہندوؤں نے کہا کہ ایک بزرگ ہیں، معمر بھی ہیں اور بہت نیک آدمی ہیں، وہ اللہ کے ولی ہیں۔ انھیں ہم پنچ مانتے ہیں۔ مسلمانوں نے بھی کہا وہ ولی اللہ ہیں۔ ہم انھیں مانتے ہیں۔ انگریز نے خط لکھا آپ آجائیے۔ اس معاملہ میں آپ کو ثالث بنایا گیا ہے۔ وہ معروف معنی میں صرف ایک بزرگ آدمی نہیں بلکہ ایک انقلابی بھی تھے۔ انھوں نے خط لکھا کہ تم نے ہمارے ملک کو، ہماری تہذیب کو، ہمارے مذہب کو، اس ملک کے انسانوں کو تباہ کیا ہے۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ انگریز کا منہ نہیں دیکھوں گا، میں نہیں آؤں گا۔ انگریز نے پھر خط لکھا کہ آجائیے، معاملہ آپ پر موقوف ہے۔ پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو جائیے گا۔ آ گئے اور پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے کیس سنا اور کچھ لمحات کے بعد کہا۔ مسلمان جھوٹ بولتے ہیں، یہ زمین ہندوؤں کی ہے۔ یہ کردار ہمارے اندر ہونا چاہیے۔ ہم سچی بات، انصاف کی بات، پوری قوم کو ناراض کر کے، پوری دنیا کو ناراض کر کے کہہ سکیں۔ جو بات سچی ہے، ہر حال میں کہیں، ہمارا نقصان ہو، ہمارے خاندان کا نقصان ہو، ہمارے شہر کا نقصان ہو، ہمارے ملک کا ہو، کسی کا ہو، حق بات ہمیں بہر حال کہنا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ ۖ (المائدہ:۸)

"اے ایمان والو! اللہ کے لیے اٹھ کھڑے ہونے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔"

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ عبادات کے فوراً بعد اخلاق و کردار کا نمبر ہے۔ زندگی کے ہر دائرے میں جہاں ہوں، گھر کے اندر ہوں، بازار میں ہوں، کھیت پر ہوں، پارلیمنٹ اور اسمبلی میں ہوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہوں ہر جگہ ہم اخلاق و کردار کا نمونہ بنیں۔ کالجوں کی بات آ گئی تو میں اپنے نوجوان مسلمانوں سے کہنا چاہتا ہوں، کیا حال ہے نئی نسل کا؟ افسوس یہ ہے کہ مسلمان نوجوان بھی اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ کاش یہ منظر ہم دیکھتے اور اس کی ہمیں مسلمان نوجوانوں سے توقع کرنی چاہیے کہ اسلامی تعلیمات کی پیروی کے نتیجے میں ان کے بارے میں یہ رائے ہوتی کہ یہ مسلمان لڑکا ہے۔ یہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ فیل ہو جائے نقل نہیں کرسکتا۔ استاد

کے ساتھ گستاخی نہیں کرسکتا۔ گندے گیت نہیں گا سکتا۔ رومان نہیں لڑا سکتا۔ گندے فلم نہیں دیکھ سکتا۔ یہ رائیں اگر ہوتیں مسلمان نوجوانوں کے بارے میں تو اس ملت کی قسمت کتنی شان دار ہوتی۔ مختصر یہ کہ ہمارے نوجوان، ہمارے بزرگ مرد وعورت سب پوری زندگی میں اخلاق و کردار کا نمونہ ہوں۔ اللہ کی رضا کے لیے فلاح آخرت کے لیے، یہ اللہ کی رضا کا راستہ بھی ہے اور یہی اس دنیا میں اس ملک میں، ہماری عزت کا، ہماری ساکھ کا اور ہمارے مسائل کے حل کا راستہ ہے۔ اور آگے بڑھیے۔ اسلام میں تیسری اہم بات ہے انسانوں کے حقوق کی ادائیگی۔ دین کے دو برابر کے حصے ہیں۔ اللہ کا حق، بندوں کا حق۔ قرآن مجید اٹھا کر دیکھیے، اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ اپنا حق بیان کیا ہے۔ ایک جملہ میں الا تعبدوا الا اللہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، یا اسی طرح کا کوئی اور جملہ۔ اور اس کے بعد لمبی فہرست ہے انسانوں کے حقوق کی: وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ ماں باپ سے حسن سلوک کرو، عزیزوں سے کرو، غریبوں سے کرو، یتیموں سے کرو، مسافروں سے کرو، غلاموں سے کرو، اس سے کرو اس سے کرو، حتیٰ کہ تھوڑی دیر پاس بیٹھنے والے کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرو۔ ہر ایک سے انصاف، دشمن سے بھی انصاف، ہر ایک سے حسن سلوک، ہر ایک کی خدمت، اس کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ ایک حدیث سے ہوتا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا: میری امت میں دیوالیہ کون ہے؟ انتہائی غریب انسان کون ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ ہم اس شخص کو انتہائی دیوالیہ اور غریب سمجھتے ہیں جس کے پاس نہ تو پیسہ ہو، نہ سامان۔ آپ نے فرمایا: نہیں، نہیں، میری امت میں دیوالیہ یہ شخص نہیں ہے۔ میری امت میں دیوالیہ وہ شخص ہے جو آخرت میں بہت سی نیکیاں لے کر آئے گا، بہت سے روزے، بہت سی نمازیں، بہت سے صدقے۔ آپ بڑی حیرت سے سنیں گے کہ آخرت میں جو شخص بہت سی عبادتیں لے کر آئے وہ کیسے دیوالیہ ہے؟ بھئی وہ تو بہت مال دار ہے۔ آگے سنیے۔ حضورؐ نے فرمایا: لیکن اس نے کسی کو تھپڑ مارا ہوگا، کسی کی آبرو لی ہوگی، کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کا خون بہایا ہوگا۔ کسی کا مال ہڑپ کرلیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہے۔ ہر مظلوم کی دادرسی کرے گا۔ یہ مظلوم فریادرسی کو پہنچیں گے، اللہ کے حضور، وہاں پیسہ نہیں ہوگا کہ جرمانہ ہو دس ہزار روپیے

بیس ہزار روپیے۔ وہاں سکہ نیکی کا چلے گا، قیمت صرف نیکی کی ہوگی۔ اللہ فرمائے گا کہ اتنی نیکیاں اس مظلوم کو، اتنی نیکیاں اس مظلوم کو، اتنے روزے اسے دو، اتنی نمازیں اسے دو، اتنے صدقات اسے دو اور جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کی برائیاں لے لی جائیں گی، اس کے نامۂ اعمال میں ٹانک دی جائیں گی اور وہ ذلت وخواری سے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ یہ ہے حدیث کا مفہوم۔

میرے نمازی بھائیو! میرے حاجی بھائیو! روزہ رکھنے والے بھائیو! اس حدیث کو غور سے سنو۔ آج کیا ہو گیا ہے؟ فلاں صاحب نمازی ہیں، کسی کا مال ہڑپ کر لیا۔ فلاں صاحب حاجی ہیں، مگر حقوق کے مارنے والے۔ فلاں صاحب دین دار ہیں مگر دین کے داعی ہیں مگر انسانوں پر ظلم کرنے والے۔ یہ صحیح اسلامی تصویر نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن کے آنے سے پہلے جب تمہارے پاس کوئی پیسہ نہیں ہوگا۔ کوئی رشتہ کام نہیں آئے گا۔ انسانوں کے حقوق ادا کر دو یا معاف کرا لو۔ ذرا ٹھہر کر سوچیے اگر ہم اللہ کے بندوں کے حقوق ادا کرنے والے بن جائیں تو آخرت میں اللہ کی رضا اور جنت سے پہلے کیا دنیا میں ہمارے گھر، ہمارے محلے جنت نہ بن جائیں گے؟ آپ تصور کیجیے کسی ایسے گھر کا جہاں بیوی شوہر کا کہنا مانتی ہو اور شوہر بیوی کا حق ادا کرتا ہو۔ جہاں ماں باپ اولاد کا حق ادا کرتے ہوں، اولاد ماں باپ کا کہنا مانتی ہو۔ جہاں عزیز، عزیز کا حق پہچانتا ہو، پڑوسی پڑوسی کا حق پہچانتا ہو، کیا ایسے گھر، ایسے محلے، کیا ایسی بستیاں جنت نہیں بن جائیں گی۔ تو اسلامی تعلیمات کی رو سے ہمیں ایک کام کرنا یہ ہے کہ بندوں کے حقوق ادا کرنا ہیں۔ ان کے حق سے زیادہ ان کو دینا ہے۔

اسلامی تعلیمات کا ایک پہلو یہ ہے کہ ہم اپنی تقریبات ومعاملات میں اسلام کی سادگی اختیار کریں۔ اسلامی تعلیمات کی پیروی کریں۔ یہ غلط ہے کہ اسلام پر عمل کرنا دشوار ہے۔ اسلام پر عمل کرنے کی ایک خوبی یہ ہے کہ دنیا انتہائی ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے۔ آسان ہو جاتی ہے۔ کوئی مسئلہ مسئلہ نہیں رہتا۔ شادی آج کتنا بڑا مسئلہ ہے۔ غریب کی لڑکی نہیں اٹھتی۔ غریب کے لڑکے کی شادی نہیں ہوتی۔ بہار اور آندھرا میں تو یہ بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ہندو بھائیوں کے یہاں یہ مسئلہ اور بھی بڑا ہے۔ اسلام نے اس مسئلے کو اتنا آسان کر دیا ہے کہ نکاح میں کچھ لگتا

ہے نہیں۔ یہ بہت سی تقریبات تو ہم نے خود اپنے اوپر لاد لی ہیں۔ خط سے بات طے ہوسکتی ہے۔ مہر حسب حیثیت ہونا چاہیے وہ بھی ادا ہوسکتا ہے۔ ابھی کچھ خرچ نہیں ہوا۔ آپ کہیں گے کہ ولیمہ تو کرنا پڑے گا۔ جی ہاں لیکن ولیمہ سنت ہے فرض نہیں ہے۔ مسلمان بہت سے فرائض ادا نہیں کرتے۔ ولیمہ حسب حیثیت ہے۔ ولیمہ شہرت کے لیے ہوتو عذاب ہے۔ ولیمہ سادہ ہوسکتا ہے۔ یہ ہے نکاح، بہت آسان۔ مگر مسلمانوں نے کہا ہمیں پسند نہیں، ہزاروں روپیہ خرچ کریں گے، لاکھوں خرچ کریں گے۔ زندگی بوجھل بنانی ہے۔ یہ میں نے ایک مثال دی۔ یہی معاملہ غمی کا ہے۔ مرنے والا مر گیا۔ سال بھر تک مصیبت چلتی رہتی ہے۔ تیجا ہے، دسواں ہے، بیسواں ہے، چالیسواں ہے، سہ ماہی ہے، ششماہی ہے، برسی ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے ہمیں یہ نہیں بتایا۔ کفن دینا ہے، دفن کرنا ہے، نماز جنازہ پڑھنا ہے۔ دعائے خیر کرنا ہے۔ زندگی بہت آسان ہے، ہلکی پھلکی۔ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ''اللہ نے تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔'' ہم مسلمان اگر اسلام کے مطابق اپنی تقریبات کو، اپنی شادی اور غمی کو کرنے لگیں تو ہماری زندگی آسان ہوجائے، لڑکیاں فوراً اٹھ جائیں۔ لڑکوں کے نکاح فوراً ہوجائیں۔ غمی مسئلہ نہ ہو، شادی مسئلہ نہ ہو۔ ہم مسلمان اپنے آپ کو بہت غریب قوم کہتے ہیں اور واقعی ہم غریب قوم ہیں۔ لیکن دیکھ لیجیے کبھی عقیقہ کے موقع پر، ختنے کے موقع پر ، چھٹی اور چھلے کے موقع پر، ہم کتنا خرچ کرتے ہیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہی تہوار منائے۔ عیدالفطر، عیدالاضحیٰ۔ ہم نے کہا نہیں بہت سے تہوار ہونا چاہییں۔ اگر ہم جائز طریقے پر کمائیں، کمانا بھی دین داری ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال کمائی کا طلب کرنا فرض کے بعد فرض ہے۔ اور قرآن کہتا ہے کہ نماز جمعہ کی جب اذان ہوتو کاروبار چھوڑ دو لیکن فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ۔ ''جب نماز ختم ہوجائے تو اللہ کی زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔'' کمانا دین داری ہے، نہ کمانا دین داری نہیں ہے۔ اللہ کے بندوں کے ہم پر حقوق ہیں وہ ادا ہوں گے جائز مال سے، تو ہم پوری محنت سے جائز مال کمائیں اور کفایت شعاری سے، فضول خرچی سے بچتے ہوئے خرچ کریں۔ ہمارا مسئلہ حل ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ فضول خرچی کرنے والے اللہ کے دشمن ہیں،

شیطان کے بھائی ہیں۔ یہ میں نے آپ کو زندگی کے مختلف معاملات میں اسلامی احکام کی چند مثالیں دیں۔ اگر ہم اللہ کے دین پر چلیں تو اللہ کی رضا اور جنت حاصل ہونے کے علاوہ ہماری دنیا کے مسئلے حل ہو جائیں۔ ہماری زندگی سکھی ہو جائے، پرسکون ہو جائے، ہلکی پھلکی ہو جائے۔ ہم دنیا میں انصاف اور عزت پائیں۔

اسلامی تعلیمات کا ایک پہلو یہ ہے کہ ہم پوری زندگی میں اللہ کے دین پر عمل کریں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اپنی اصلاح کے ساتھ ہم اپنے گھروں کو اسلامی بنائیں۔ یہ ہماری نوجوان نسل جو کرپٹ (Carrupt) ہو گئی ہے، بگڑ گئی ہے، قابو سے باہر ہو گئی ہے، اس کی اصلاح کی فکر کریں۔ اپنی عورتوں کی، اپنی بچیوں کی، اپنے بچوں کی اصلاح کی فکر کریں۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا۔ ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔'' ہم میں کا کوئی شخص گوارا نہیں کرسکتا کہ اس کی اولاد آگ میں جلے، اس کی بیوی آگ میں جلے، ہم کیسے یہ گوارا کرتے ہیں کہ جہنم کی ہولناک آگ میں ہماری اولاد جائے، ہمارے بچے، چہیتے بچے اور چہیتی بچیاں جائیں، ہماری بیویاں جائیں ہماری مائیں جائیں، ہماری بہنیں جائیں۔ لیکن اگر ہم نے ان کی اصلاح کی فکر نہ کی، اگر وہ بگڑ گئے، اگر وہ اللہ کے نافرمان بن گئے، اگر وہ دین پر نہیں چلے تو ظاہر ہے کہ اللہ کی نافرمانی کا انجام تو دوزخ ہی ہے۔ اگر ہم انہیں دوزخ کی آگ سے بچانا چاہتے ہیں، دنیا میں انہیں باعزت بنانا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی راستہ ہے، اپنی اصلاح کے ساتھ اللہ کے دین کی پیروی کے ساتھ ہم اپنی اولاد اور اپنے گھر کی اصلاح کی فکر کریں۔ جتنی فکر ہم ان کے کپڑوں کی کرتے ہیں، کھانے کی کرتے ہیں دوادارو کی کرتے ہیں اس سے زائد فکر کریں، انھیں باکردار بنانے کی۔ پھر اتنی بات ہی کافی نہیں ہے۔ ہماری یہ ذمہ داری بھی ہے کہ جس ملت کے اندر ہم رہتے ہیں۔ ملت اسلامیہ۔ اس کی اصلاح کی فکر کریں، ہم ٹھیک ہوں، ہمارا گھر ٹھیک ہو لیکن ہمارے آس پاس کا پورا محلہ خراب ہو تو ہماری اولاد ان کے اثرات سے بچ نہیں سکتی۔ پڑوس میں ریڈیو بج رہا ہوگا گراموفون کے ریکارڈ لگے ہوں گے۔ گندے گانے نشر ہو رہے ہوں گے تو ہماری بچیاں سنیں گی، ہمارے بچے سنیں گے۔ ہماری عورتیں سنیں گی۔ ہم سنیں گے اور انسان انسان ہے، پتھر نہیں ہے، وہ پگھلے گا

اور متاثر ہوگا۔ اس کے اندر جذبات کا ہیجان پیدا ہوگا۔ ہم اگر چاہتے ہیں کہ صحیح معنیٰ میں سچے مسلمان بنیں۔ ہماری آخرت کام یاب ہو۔ اللہ ہم سے راضی ہو تو یہ ناگزیر ہے کہ اپنے محلے اور اپنے سماج کو ٹھیک کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذلك اضعف الایمان۔ ''تم میں سے جو آدمی (مولوی نہیں، پیر نہیں، لیڈر نہیں) تم میں سے جو مسلمان کسی برائی کو دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، ہاتھ سے نہ بدل سکے تو زبان سے بدلنے کی کوشش کرے اور اتنا بھی نہ کر سکے تو پھر کم از کم دل میں اسے بدلنے کی تڑپ رکھے۔ یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

قرآن کہتا ہے کہ امت مسلمہ اٹھائی ہی اس لیے گئی ہے کہ نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران: ۱۱۰) ''تم بہترین امت ہو، تم انسانوں کی خدمت کے لیے برپا کیے گئے ہو۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' آج تم نے سماج سے منہ موڑ لیا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم میں جو دین دار طبقہ ہے، وہ ان لوگوں سے جو بگڑا ہوا ہے، نفرت کرتا ہے، ان سے منھ موڑ کر چلتا ہے۔ حالانکہ اگر دین دار لوگ ان لوگوں سے روٹھ جائیں تو ان کی اصلاح کون کرے گا۔ بگڑے ہوؤں کی اصلاح تو وہی کریں گے جو دین دار ہیں۔ سماج کی اصلاح ہماری ذمہ داری ہے، تنہا ہماری اصلاح کافی نہیں ہے، تنہا گھر کی اصلاح کافی نہیں ہے۔ یہ امت ہماری امت ہے ہم اس امت کے جز ہیں۔ ہم اس جسم کے اعضا ہیں۔ ہماری امت اگر دین سے دور ہوگئی اگر رسول کے احکام پر چلنے والی نہ ہوئی تو یہ امت دنیا میں بھی تباہ ہوگی اور آخرت میں بھی تباہ ہوگی اور ہم بھی ساتھ میں تباہ ہوں گے۔ تو اسلام جو پروگرام دیتا ہے اور وہی پروگرام جماعت اسلامی کا ہے۔ وہ یہ کہ ہم مسلمانوں کی ہمہ جہتی اصلاح کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ ہماری ایک اور ذمہ داری ہے، بہت بڑی ذمہ داری جو ہم مسلمان عرصہ دراز سے بھولے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے کبھی سوچا کہ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان کہاں سے آگئے؟ اگر اسلام غیر مسلموں تک نہ پہنچایا جاتا، اگر اللہ کے رسول حضرت محمدؐ

اسلام کی دعوت نہ دیتے، آپ تنہا مسلمان ہوتے یا اسلام کی دعوت صرف عرب میں رہتی تو عرب کے علاوہ ساری دنیا غیر مسلم ہوتی۔ ہمارے بزرگوں نے: صحابہ کرامؓ نے، تابعین نے، تبع تابعین نے، اولیاء کرام نے، محدثین عظام نے، علماء حق نے ہر دور میں یہ سمجھا کہ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم غیر مسلم افراد تک، غیر مسلم دنیا تک اللہ کے اس دین کو پہنچائیں جو اللہ کی طرف سے سارے انسانوں کے لیے ہے۔ یہ ذمہ داری بھی ہم میں سے ہر مسلمان کی ہے، اس ملک میں ہم سات آٹھ کروڑ ہیں۔ ہمارے علاوہ ایک عظیم تعداد جو انسانوں کی ہے وہ ہمارے بھائی ہیں، ہمارے ساتھی ہیں، ہمارے پڑوسی ہیں، ہم پر ان کا حق ہے۔ ہمیں دنیا میں بھی ان کے دکھ سکھ میں شریک ہونا ہے، ان کے کام آنا ہے، ان کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ ہم انھیں وہ راہ دکھائیں جو اللہ کی راہ ہے، جو اس کے رسول کی راہ ہے جو دنیا اور آخرت کی کام یابی کی راہ ہے، ہم اپنے غیر مسلم بھائیوں تک اپنی زبان سے اپنے عمل سے اللہ کے دین کو پہنچائیں۔ ذرا تصور کیجیے، ہم مسلمان اگر اس کام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے غیر مسلم دوستوں کو بتائیں کہ دیکھیے یہ راستہ ہے نیکی کا، یہ راستہ ہے بھلائی کا، یہ راستہ ہے انصاف کا، یہ راستہ ہے انسانوں کی خدمت کا، یہ راستہ ہے اللہ کی خوشی کا۔ یہ راستہ ہے آخرت میں نجات کا تو نہ صرف یہ کہ ہم اسلام کا نمونہ ہوں گے بلکہ اس ملک میں اسلام کا چرچا عام ہوگا، اسلام کی دعوت عام ہوگی، لوگوں کے دل اللہ کے لیے کھلیں گے، آپ کہیں گے یہاں؟ اس دور میں جب کہ اتنی نفرت موجود ہے، اتنی خلیج حائل ہے، اتنی بدگمانیاں ہیں، اتنی غلط فہمیاں ہیں؟ جی ہاں۔ اسی دور میں اس ملک میں آج سے پہلے بہت پہلے جب اس ملک میں صوفیائے کرام آئے تھے، بڑی چھوت چھات تھی، بڑے تعصّبات تھے، کوئی نسبت نہیں اس زمانے کو اس زمانے سے۔ اس سے پہلے جب حضورؐ عرب میں آئے تھے تب تو حالات اور زیادہ خراب تھے۔ حضورؐ کی کوششوں سے، صحابہ کرامؓ کی کوششوں سے، تابعین کی کوششوں سے، اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا۔ یہ ذمہ داری ہر مسلمان کی ہے۔ ہر اسلام کے سچے پیرو کی ہے۔ وہ اسلام پر چلنے کے ساتھ اللہ کے دین کی دعوت کو، اللہ کی طرف سے آئے ہوئے نظام رحمت کو دنیا کے سامنے رکھے۔

اور سب سے آخری بات یہ کہ ان سارے کاموں کو کرنے کے لیے ہم متحد و متفق

ہوجائیں۔ ہم نے شروع میں عرض کیا تھا، ہماری کمزوری کا راز ہے کہ ہم بکھری ہوئی بھیڑ ہیں ہمارے اندر کوئی اتحاد نہیں ہے۔ اسلام اس اتحاد کو غلط سمجھتا ہے جو دنیا کی ادنیٰ مقاصد کے لیے ہو، جو اور قوموں سے لڑنے کے لیے ہو، اسلام کہتا ہے تم متحد ہوجاؤ اللہ کے دین پر چلنے کے لیے، نیکی پھیلانے کے لیے، برائی مٹانے کے لیے، انصاف قائم کرنے کے لیے، اللہ کے دین کی دعوت کے لیے، اللہ کے دین کی اقامت کے لیے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا، ''اللہ کی رسی کو اکٹھا ہو کر مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور فرقے فرقے نہ ہوجاؤ۔'' قرآن نے خود کہا: وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال:۴۶) ''آپس میں لڑو نہیں، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔'' اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، ہماری ہوا اکھڑ گئی، ہم کمزور ہوگئے، ہماری پوری تاریخ گواہ ہے۔ ہماری کمزوری کا راز دو باتوں میں ہے۔ اللہ سے تعلق ٹوٹ گیا جو طاقت کا سرچشمہ ہے اور ہمارے اندر اتحاد نہیں رہا، دین سے دور ہوتے ہوئے، اتحاد سے دور ہوئے اور نتیجہ میں ہماری ساکھ ختم ہوگئی، ہماری قوت ختم ہوگئی۔ نہ ہم دنیا کے رہے نہ ہم دین کے رہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری دنیا اور ہماری آخرت دونوں کام یاب ہوں تو اللہ کے دین کے تقاضے پورے کرنے کے لیے، اس کے دین پر چلنے کے لیے، مسلمانوں کی اصلاح کے لیے، دین کی دعوت کے لیے، انسانوں کی خدمت کے لیے اور سماج کی تعمیرِ نو کے لیے ہم متحد و متفق ہوجائیں۔ یہ ہے وہ پروگرام جو اسلام دیتا ہے اور یہی ہے وہ پروگرام جو جماعت اسلامی دیتی ہے۔ ہم مسلمانوں سے پھر کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے جینے اور مرنے والے بن جائیں۔ اللہ کے دین پر چلنے والے اور اپنے قول و عمل سے ان کا نمونہ بن جائیں۔ وہ اسلام کا نمونہ ہوں، ان کے گھر اسلام کا نمونہ ہوں، ان کے بچے اسلام کا نمونہ ہوں، ان کے نوجوان اسلام کا نمونہ ہوں، ان کی عورتیں اسلام کا نمونہ ہوں۔ کیسے نمونہ ہوں؟ کوئی غیر مسلم آپ سے پوچھے کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ کہیں کہ فلاں مزدور کے ساتھ لگ جاؤ، دن بھر وہ جس طرح مزدوری کرتے ہوئے زندگی گزارے وہ ہے اسلام۔ ایک شخص پوچھے اسلام کیا ہے؟ تو آپ کہیں کہ دیکھو، تمہارے بازو میں فلاں مسلمان لڑکا کھڑا ہے اس کو دیکھو وہ ہے اسلام۔ اسلام کے مطالعے کے لیے کتابوں کی ضرورت نہ پیش آئے۔ ہم نے اور ہمارے دوستوں نے

جتنا بھی غیر مسلموں تک اسلام پہنچانے کی کوشش کی ہمیں دو باتیں سننے کو ملیں۔ جماعت اسلامی کی پوری ۳۱ سال کی تاریخ میں دو باتیں۔ ارے صاحب، یہ تو حق ہے، یہ تو ہمارے مسائل کا حل ہے۔ آپ کہاں تھے؟ ہمارا ملک تباہ ہو گیا ہمیں تو اس میں کوئی بات غلط معلوم نہیں ہوتی۔ یہ تو بہت عمدہ تعلیم ہے۔ اگر یہی اسلام ہے تو بالکل حق ہے یہ۔ یہ بات ہر اس غیر مسلم بھائی نے کہی جس نے ہماری بات کو غور سے سن لیا، یا ہماری کتاب پڑھ لی۔ لیکن فوراً ایک اور بات سننے کو ملی: یہ اسلام ہے کہاں؟ اس پر چلنے والے کہاں ہیں؟ بڑی تکلیف سے یہ جملہ ہم سنتے رہے۔ ہم چاہتے ہیں، اپنے مسلمان بھائیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ یہ جملہ سننے کو نہ ملے۔ وہ اللہ کی رضا کے لیے اسلام پر اس طرح چلنے لگیں۔ اسلام کے ایسے داعی بن جائیں، اسلام کا ایسا نمونہ بن جائیں اور اس کام کے لیے اس طرح متحد ہو جائیں کہ اسلام کو سمجھانے کے لیے کتابوں کی ضرورت نہ پڑے۔ لوگ مسلمانوں کو دیکھیں اور اسلام کو سمجھیں، اس سے متاثر ہوں، وہ یہ محسوس کر لیں کہ مسلمان سچا خدا پرست ہوتا ہے، اپنے سماج کا سچا خادم ہوتا ہے، جہاں مسلمان گروہ ہوگا وہ پورے ملک کے لیے خیر و برکت کا، ملک کے لیے ہی نہیں پوری نوعِ انسانی کے لیے خیر و برکت کا باعث ہوگا، قابل اعتماد ہوگا، باکردار ہوگا، بااصول ہوگا۔ یہ ہے وہ پروگرام جو جماعت اسلامی مسلمانوں کے سامنے رکھتی ہے۔ یہ اس کا اپنا پروگرام نہیں ہے، یہ ہمارے اور آپ کے خدا کا، جس رسول کو ہم مانتے ہیں، اس رسول کا دیا ہوا، جس دین کو ہم جانتے ہیں اس دین کا دیا ہوا پروگرام ہے۔ اس پروگرام پر عمل کرنا، ہماری اور آپ کی دنیا اور آخرت کی کامرانی کا باعث ہے۔ تقریریں میں کروں اور آپ سنیں، اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ جس بات کو ہم صحیح سمجھتے ہیں، جس راہ کو ہم حق سمجھتے ہیں، جس راہ کو ہم نجات کی راہ سمجھتے ہیں، اللہ کی توفیق سے اس پر عمل کرنے کا اٹل فیصلہ کریں، زندگی کی آخری سانس تک اس پر جمے رہیں اور اس پر چلتے ہوئے اللہ سے جا ملیں۔

مختصر روداد اجتماع متّفقین

جولوگ جماعت اسلامی ہند کے بنیادی نکات اور اس کے مقصد سے اتفاق رکھتے ہیں اور بعض پروگراموں میں ہمارے ساتھ تعاون کرنے پر بھی آمادہ ہیں یا بالفعل تعاون کررہے ہیں۔ خواہ انھوں نے باضابطہ طور پر متفق کا فارم بھرا ہو یا نہ بھرا ہو، ان کی تعداد ارکان کی تعداد سے زیادہ ہے۔ ضرورت تھی کہ ان کے سامنے امت مسلمہ کے نصب العین اور اس کے مقصد وجود کو تھوڑی تفصیل سے پیش کیا جائے اور ان کے سامنے تحریک اسلامی اور جماعت اسلامی سے اتفاق کے تقاضے رکھے جائیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر ۹ رنومبر ڈھائی بجے دن ان کے لیے بھی ایک نشست اجتماع گاہ کے آڈیٹوریم میں رکھی گئی۔ اس نشست کی صدارت جناب سراج الحسن صاحب امیر حلقہ کرناٹک نے کی۔ ان کے ابتدائی کلمات کے بعد سورہ الصّف کی چند آیتوں کا درس دیا گیا جن میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت اور اس کے لوازمات کا بیان ہے۔ درس قرآن کے بعد جناب سراج الحسن صاحب نے ''تحریک اسلامی کے تقاضے'' ایک مفصل تقریر میں پیش کیے۔ آڈیٹوریم میں کئی ہزار سامعین حاضر تھے۔ نماز عصر تک یہ اجتماع جاری رہا۔ بعد نماز عصر، مغرب تک اس اجتماع کو جاری رکھنے کی ضرورت، صدر اجتماع نے محسوس نہیں کی۔ اس اجتماع میں قرآن کا جو درس دیا گیا تھا اور جو تقریر کی گئی تھی وہ اس مجموعے میں موجود ہے۔

امیر جماعت اسلامی کا اخبار نویسوں سے خطاب

نئی دہلی: ۱۱رنومبر۔ مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی ہند نے آج شام کو ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ جماعت اسلامی چاہتی ہے کہ ہمارا ملک ہندوستان اخلاقی اور روحانی اعتبار سے دنیا کا امام بنے۔ آب نے کہا کہ ملک کے ارتقاء اور اس کی اخلاقی، روحانی اور مادی بہتری کا مسئلہ ہم سب کی توجہ کا محتاج ہے اور وہ الجھنیں صرف یہیں نہیں بلکہ ساری دنیا میں پائی جاتی ہیں لیکن ان کو حل کرنے کی جو مادی تدبیریں سوچی گئی ہیں وہ اس کو مزید پیچیدہ بناتی چلی گئی ہیں۔ آپ نے کہا کہ ان معاملات کے حل کے لیے ہمارا اندازِ کار مادی نہیں بلکہ اخلاقی ہے۔ ہم ایسے حالات پیدا کرنا چاہتے ہیں جو موجودہ الجھنوں کو کم کرنے میں آسانیاں فراہم کرسکیں۔

ہمارا اپروچ ملک کی دوسری پارٹیوں سے بہت زیادہ مختلف ہے اور ہم اخلاق وروحانیت پر انسانیت کے سدھار اور ارتقاء کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں۔

آپ نے اسلام کی تاریخ اور تعارف کے ضمن میں کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی دین اسلام کے پیرو تھے جس کا مطلب خدا کی اطاعت اور سپردگی تھی۔ اسلام تمام انسانوں کو ایک خدا کا کنبہ قرار دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ انسانوں کو آپس میں لڑنے کی بجائے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا اور انسان کی اخلاقی، مادی اور روحانی بہتری کے لیے اشتراک سے کام کرنا چاہیے۔ آپ نے زور دیا کہ جھگڑوں اور صف آرائی کی

بجائے مذاکرات سے مسائل کو سلجھانے کی ضرورت ہے۔

مولانا یوسف صاحب نے مختلف سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس اجتماع میں باہر کے ملکوں سے جو مہمان مدعو کیے گئے تھے ان کی وجہ سے ہندوستان اور ان ملکوں کے تعلقات میں بہتری آئے گی۔

بنگلہ دیش سے کئی اصحاب کو مدعو کیا گیا تھا مگر زرمبادلہ کی مشکلات کی وجہ سے وہ حضرات نہیں آسکے اور معذرت کر دی۔ ہمیں ان کی عدم شرکت پر دلی افسوس ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے سلسلے میں آپ نے بتایا کہ انھوں نے اس بات سے اتفاق کیا تھا کہ ان کے آنے سے دونوں پڑوسی ملکوں کے تعلقات میں بہتری آسکے گی۔ مگر افسوس ہے کہ گوناگوں مشکلات کی وجہ سے وہ نہیں آسکے۔

ایک انڈونیشی نامہ نگار کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ وہاں سے ڈاکٹر حتیٰ اور ڈاکٹر ناصر بیماری کے سبب نہیں آسکے، البتہ ڈاکٹر ناصر کے نمائندہ ڈاکٹر عمادالدین یہاں آئے ہیں۔

احمدیوں کے سلسلے میں آپ نے کہا کہ دنیا کی ڈیڑھ سو سے زیادہ اسلامی تنظیموں نے مکہ کانفرنس میں ان کو اقلیت قرار دیا تھا اور یہ امت کا متفقہ فیصلہ ہے۔

آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا پچھلے دو سال میں دوسری پارٹیوں کا نقطۂ نظر آپ کے بارے میں بدلا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارا اندازِ کار ہمیشہ ایجابی رہا ہے اور صحت مند اصولوں پر ایجابی اقدام پر یقین رکھتے ہیں۔

مسجد اقصیٰ کی بازیابی کے لیے آپ نے زور دے کر کہا کہ ہم نے اس سلسلے میں رائے عامہ کو بنانے کی کوشش کی۔ نیز ان کے مظلوموں کے لیے ضروری سامان بھی فراہم کیا۔ ہمارے ملکی عوام بھی ان کے کاز کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔

آپ نے کہا کہ ہم ملک میں آمریت نہیں چاہتے بلکہ عدل اجتماعی اور روحانیت و اخلاق پر مبنی جمہوریت چاہتے ہیں۔

ایک سوال کیا گیا کہ دنیا کے اسلامی قائدین کو مدعو کر کے کیا اسلامی تحریکات کا کوئی وفاق مرتب کرنا جماعتِ اسلامی کے پیشِ نظر ہے؟ مولانا یوسف صاحب نے کہا کہ وہ

ہمارے بھائی ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے حالات کا بچشم خود مشاہدہ کریں ہم بہر حال ایک آزاد سوسائٹی ہیں۔ اور اس میں بین الاقوامی رشتے اور تعلقات سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اس طرح ہمارے ملک اور ان کے ملکوں کے تعلقات بہتر ہو سکیں گے۔ مولانا نے گاندھی جی کا حوالہ دیا کہ وہ تحریکِ خلافت کے حامی تھے اور غالباً انہی مصالح کی بنا پر انھوں نے اس طرح کے تعلقات کی حوصلہ افزائی بھی کی۔

تحریک اسلامی کے تقاضے

مولانا سراج الحسن

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ اس نے ہمیں اور آپ کو جماعت اسلامی ہند کے کل ہند اجتماع میں شرکت کا موقع عنایت فرمایا۔ ہم اس بات پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں کہ اس دور میں ہمیں اور آپ کو اپنے دین کا شعور اور اس کی اقامت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنانے کی توفیق عطا فرمائی جب کہ آج یا تو انسان بے مقصد زندگی گزار رہے ہیں، یا غلط مقاصد کے لیے گزار رہے ہیں۔ زندگیاں بہرحال گزر رہی ہیں، غلط مقاصد کے لیے بھی اور بے مقصد بھی۔ اور اللہ کی نعمتوں میں سے یہ سب سے بڑی نعمت ہے جو کسی بندے پر اگر ہو اور اس شکل میں ہو کہ اسے زندگی کا صحیح شعور حاصل ہو جائے اور اپنی زندگی کے مقام اور اس کے مقصد کو پہچان لے اور اپنی زندگی کو صحیح مقصد کے لیے گزارنے کا عزم اور فیصلہ کرے۔ میرے نزدیک اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہے۔ اللہ کے بے انتہا انعامات میں سے یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہ اجتماع جو تحریک اسلامی ہند کے متفقین کا اجتماع ہے۔ اس میں اس اجتماع کی مناسبت سے عنوان ہی یہ رکھا گیا ہے کہ تحریک اسلامی کے ان تقاضوں کو متفقین پر واضح کیا جائے جو تحریک اسلامی اپنے متفقین سے کرتی ہے۔ اس سے پہلے کہ آپ ان تقاضوں کے سلسلے میں سوچ بچار کریں اور تقاضوں کے سلسلے میں کچھ باتیں آپ کے سامنے لائی جائیں۔ میں نہایت اختصار کے ساتھ یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں اور عرض کرنا چاہوں گا کہ ہم سب سے پہلے اس بات کو سمجھ لیں کہ تحریک اسلامی ہے کیا؟

تحریک اسلامی کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسلام سے متعلق ہمارا ذہن صاف ہو۔ آپ اچھی طرح سمجھ لیں اور جان لیں کہ اسلام ہے کیا؟ اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔ یہ ہم اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ پوری انسانیت کے لیے آیا ہوا دین ہے۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ایک مکمل دین ہے اور یہ بھی کہ وہ دنیا و آخرت کی فلاح کا ضامن ہے اور اس کی بشارت بھی دیتا ہے۔ اس کے سوا کوئی راہ فلاح و کامرانی کی انسانیت کے لیے ہے ہی نہیں۔ ہمیں اس بات پر یقین ہے اور ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اسلام عام معنوں میں ایسا دھرم نہیں ہے جو خدا اور بندے سے متعلق کچھ بحث کرتا ہو یا خدا اور بندے کے تعلق سے کچھ گفتگو کرتا ہو یا کچھ وعظ اور نصیحت کرتا ہو۔ یہ ایسی تحریک خیر و فلاح ہے جو حضرت آدم سے شروع ہوئی اور سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی۔ یہ ایسی تحریک ہے جو اس زمین پر پہلے انسان کے ساتھ شروع ہوئی اور جب تک انسان اس کائنات میں زندہ اور باقی ہے اس وقت تک یہ تحریک قائم اور باقی رہے گی۔ یہ ایسی خیر و فلاح کی تحریک ہے جو اس دنیا کے اندر بھلائی اور دین کو قائم کر کے شیطنت کو، ابلیسیت کو، ظلمت کو، باطل کو مٹا کر حق کو قائم کرنے کے لیے چلائی گئی ہے۔ جو چلتی رہی ہے اور ان شاء اللہ چلتی رہے گی تاکہ دنیا کے اندر سے ہر طرح کے عدم توازن، ہر طرح کے استحصال اور ہر طرح کے جبر و ظلم اور ہر طرح کی بدی اور ہر طرح کے منکرات کا خاتمہ ہو۔ اسلامی تحریک ایک انقلابی اور ایک زبردست اور طاقت ور تحریک کا نام ہے جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوتی ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتی ہے۔

یہ بات اچھی طرح ہمارے ذہنوں میں رہنی چاہیے کہ اسلام کیا ہے اور تحریک اسلامی کیا ہے؟ اسلام اگر خدا کے آگے جھک جانے اور اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دینے، اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینے، اس کی بندگی اختیار کرنے، اس کی اتباع کو تسلیم کرنے اور اپنے آپ کو تفویض کرنے کا نام ہے تو تحریک اسلامی بھی اسی کا نام ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تحریک کو چلایا جائے اور خدا کے بندوں کو خدا کی بندگی کی دعوت دی جائے اور ایسا ماحول اور ایسی فضا پیدا کر دی جائے کہ خدا کے بندے خدا کے سوا کسی اور کے بندے نہ رہیں۔

بندگی صرف خدا کی ہو، بندے صرف خدا کے بندے ہوں۔ اس دنیا کے اندر، اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر خدا کے سوا کوئی پوجا نہ جائے۔ کسی کی اطاعت نہ ہو اور وہ عادلانہ نظام حق قائم ہو سکے جو اسی لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ قائم ہو اور قائم کیا جائے اور دنیا سے بدی اور منکرات کو مٹایا جائے۔ یہ ہے تحریک اسلامی جس سے ہم اور آپ وابستہ ہیں۔ اس تحریک کی تاریخ پر اگر ہم غور کریں تو یہ بات ہمارے سامنے آئے گی کہ اسلام جو چند ابدی اور ازلی اصولوں کا نام ہے جس کو خدا نے انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا۔ خدا کے اس دین نے انسانی زندگی کے اندر انسانی تاریخ میں ہمیشہ سے رہنمائی کا، اور زندگی کے گیسو سنوارنے کا کام کیا ہے۔ وہ زندگی کا ساتھ دینے اور ساتھ ساتھ چلنے کے لیے نہیں آیا بلکہ اس لیے آیا کہ زندگی پر اپنا آب و رنگ چڑھائے اور زندگی کو اپنے نقشہ کے مطابق ڈھالے، زندگی کو اپنے اصولوں پر استوار کرے، زندگی کو اپنی منزل کی طرف چلائے، زندگی کو صحیح راہ پر ڈالے اور اسے بھٹکنے نہ دے اور حق و صداقت کی صراط مستقیم پر چلائے۔ اسلام اور تحریک اسلامی ان ہی ابدی اور ازلی اصولوں کو لے کر چلنے والی ایک تحریک کا نام ہے۔ اسلام کے متعلق اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک مخصوص لباس کا نام ہے۔ کچھ مخصوص کاموں کا نام ہے، کچھ مخصوص اشغال و اعمال کا نام ہے، کچھ مخصوص غذاؤں کا نام ہے تو غلط سمجھتا ہے۔ اسلام کسی لباس، کسی وضع، کسی علاقے، کسی زبان کا نام نہیں ہے۔ وہ صرف چند ازلی اور ابدی اصولوں کا نام ہے۔ جن پر زمانے کی گردش اور اس کے تغیر کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور اس کے حقائق اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے بلکہ ہمیشہ سے اٹل ہیں اور اٹل رہیں گے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں

حقائق ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسم افلاطون

یہ طلسم افلاطون نہیں ہے۔ یہ زندگی اور اس کے حقائق ہیں۔ اسلام کی بنیاد ان ابدی حقائق پر ہے جو قیامت تک قائم رہیں گے اور ان ہی اصولوں پر زندگی اور اس کا نظام چلتا رہے گا۔

دوستو! تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ ایک دور وہ آیا اسلامی تحریک کا جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا۔ آپ کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام نے اس کے لیے

انسانوں کو پکارا، اس کی طرف دعوت دی، جب بھی انسانی قافلے راہِ حق سے بھٹکے انہیں راہِ ہدایت پر کھینچ لانے کی انھوں نے پھر کوشش کی، کبھی ان کی کوشش اسی دنیا میں کام یاب ہوگئیں اور کبھی ایسا ہوا کہ ان کی یہ کوششیں جو دنیا کے اندر کی گئیں بظاہر اس کا کوئی نتیجہ نکلتا نظر نہیں آیا لیکن وہ اپنا کام پورا کر کے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ وہ ہرگز ناکام نہیں ہیں۔ ان کی یہ کوششیں اور ان کی یہ جدوجہد رائگاں نہیں گئی۔ ظاہر بیں نگاہوں نے یہ سمجھا کہ یہ تحریک فنا ہوگئی۔ نہیں، بلکہ انھوں نے جو بیج اپنی زندگی کے اندر ڈالے تھے، جو اعمال اور جو طریقے انھوں نے دنیا کے اندر چلائے تھے وہ ختم نہیں ہوئے، ان کے اثرات کبھی ان کی زندگی میں برآمد ہوئے ہیں تو کہیں برسوں بعد ان کے نتائج سامنے آئے ہیں، آج انسانیت کے پاس خیر وصلاح کا جتنا بھی سرمایہ ہے اور انسانی ضمیر بھلائی کو پسند کرنے کے جس جذبے سے مالا مال ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی انسان نہیں جو کسی برائی کو برائی سمجھ کر اسے مانتا اور پسند کرتا ہو، کسی بھی بھلائی کو بھلائی سمجھ کر اس کا انکار کرتا ہو۔ انسانی ضمیر کو عقیدہ اور عمل کا جو ذخیرہ ملا ہے، اس کو جو روشنی ملی ہے اور اس کی جو تربیت ہوئی ہے وہ ان ہی انبیاء کرام کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ علم اور عمل کی جو روشنی بھی، خیر وصلاح کی جو روشنی بھی دنیا کے اندر یا اس کے کسی گوشے میں پائی جاتی ہے وہ ان ہی انبیاء کرام کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اور یہ بھی ہوا کہ کسی محدود گوشے کے اندر ان کو یہ موقع بھی مل گیا کہ زندگی کو اپنے اصولوں کے مطابق ڈھالیں، اپنی دعوت کے مطابق ڈھالیں، اپنے نصب العین کے رخ پر زندگی کو چلائیں اور جب وہ دور آیا جس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دور کہتے ہیں۔ اس دور میں تحریک اپنے نقطۂ عروج تک پہنچ گئی، اس نے اپنے ارتقاء اور تکمیل کے آخری مراحل طے کیے۔ سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں جب یہ تحریک چلی تو ۲۳ سال کی مختصر پیغمبرانہ زندگی کے اندر ایک بڑے علاقہ کے اندر وہ ذہنی، فکری، روحانی، اخلاقی اور عملی انقلاب برپا ہوا کہ دنیا دیکھ کر حیران رہ گئی۔ نیا ذہن، نئے اذکار، نئے خیالات، نئی سیرت، نیا کردار، نیا انسان دنیا کے اندر پیدا کر دیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایک ایسے گروہ کو انھوں نے اٹھایا اور ایک ایسی امت اٹھا کر کھڑی کر دی جو آپ کے بعد مسلسل اسی دعوت کو اسی تحریک کو اس کے اسی رخ کو پیش کرتی رہے گی اور قیامت تک انسانیت کی رہنمائی کرتی

رہے گی۔ آپ نے ایک امت اٹھا دی اور یہ ذمہ داری اس کو سونپ دی اور یہ کام اس کے سپرد کر دیا۔ یہ تحریک کے لیے نمونے کا دور تھا، جو سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہ نمائی سے قائم ہوا۔ حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی تحریک کو آگے بڑھایا۔ اسی مشن کو آگے بڑھایا، اسی دعوت کو لے کر وہ پھیل گئے۔ سمندروں نے راستہ روکنا چاہا لیکن وہ ان کا راستہ روک نہ سکے۔ بحر روم کی موجوں نے اٹھ اٹھ کر ان سے کہا کہ تم آگے نہ بڑھو لیکن بحر روم کے طوفانی اور موّاج سمندر نے بھی، بحر الکاہل نے بھی اور بحر عرب کی موجوں نے بھی ان کا راستہ روکنے میں کامیابی حاصل نہ کی، وہ مسلسل سیلاب بن کر آگے بڑھتے چلے گئے، ایک ابر رحمت بن کر آگے بڑھتے چلے گئے اور جہاں گئے وہاں برسے، موسلا دھار بارش کی طرح برسے۔ ایسی برسات برسی کہ انسانیت کی کھیتی لہلہا اٹھی اور وہاں اخلاق اور زندگی پر بہار آ گئی۔ جبر و ظلم کے ہزاروں سال کے نقوش مٹ گئے اور حق و صداقت کے نئے نقوش قائم ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد ایک دوسرا دور آتا ہے۔ تحریک اسلامی اپنے عین مثالی نمونے سے نکل کر ایک دوسرے مرحلے کے اندر داخل ہوتی ہے، وہ مرحلہ ایک لمبا مرحلہ ہے جب کہ امت اس مشن کے سلسلے میں گرم جوش نہیں رہی۔ پھر ایک وقت وہ آیا کہ امت نے اپنے مقام کو بھلا دیا، اپنے مشن کو بھلا دیا، اپنے مقصد کو بھلا دیا، اپنی فکر اور راہ بھلا دی، اپنی منزل بھلا دی، وہ ایک مقام پر رک کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں یہ نہیں معلوم رہا کہ وہ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور کہاں انہیں جانا ہے، کیا انہیں کرنا ہے اور آج وہ کہاں کھڑے ہوئے ہیں؟ یہ دور بھی ان کے اوپر آیا وہ نہیں جانتے تھے کہ اپنی راہ اور منزل کو گم کر کے بے خبری اور گمنامی کے ایک ایسے مقام پر کھڑے ہوئے ہیں کہ جس کے متعلق علامہ اقبالؒ نے روح محمدؐ کو خطاب کر کے ان الفاظ میں اس کی ترجمانی کی تھی۔

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے

مسلمان کو یہ پوچھنا پڑا اور پوچھنے پر مجبور ہونا پڑا کہ اے روحِ محمدؐ! اس راز کو اب فاش کر کہ آیات الٰہی کا نگہبان اب کدھر جائے اور یہ قافلہ جس کو تو نے تشکیل دیا تھا، اسے

بتادے کہ اس کی منزل کون سی ہے، اسے کہاں جانا ہے۔ آہ! میں انسانی تاریخ کے اندر اس سے بڑی کسی ٹریجڈی سے واقف نہیں ہوں کہ جو اس شکل میں موجود ہے۔ ایک تاریخی حقیقت کے طور پر کہ جو امت ایک نصب العین کے تحت اٹھائی گئی، اس نے اپنے نصب العین کو بھلا دیا اور آج وہ اندھیروں کے اندر اس طرح بھٹک رہی ہے کہ روشنی کی کوئی کرن اور امید کا کوئی شعلہ اس کی زندگی کے اندر کہیں سے نظر نہیں آتا۔ دنیا کی گمراہ قوموں کی طرح وہ بھی اندھیروں میں بھٹک رہی ہے، ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے۔ یہ دور تاریکی کا دور ہے۔ یہ دور گراوٹ کا دور ہے۔ جہالت کا دور ہے۔ جس کی انتہا اس بات پر ہوئی کہ ۱۹۲۴ء کے اندر پہلی جنگ عظیم کے بعد خلافت کا جب سقوط ہوا اور برائے نام خلافت بھی باقی نہیں رہی اور مصطفیٰ کمال نے جب خلافت کو ترکی سے ملک بدر کر دیا تو وہ دنیا بدر ہوگئی۔ یہ ہمارے زوال کا آخری نقطہ تھا جس کو ہم نے چھولیا۔ جب ہم اپنی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہم گرتے گرتے اور گرتے چلے گئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بات بھی نظر آتی ہے کہ اسلام کی انقلابی روح کسی دور کے اندر بھی مضمحل نہیں ہوئی، مرعوب نہیں ہوئی بلکہ وہ مسلسل طوفان اٹھاتی رہی، تحریکیں اٹھاتی رہی۔ اس نے نئی نئی لہریں چلائیں سمندر کے اندر طوفان اس نے اٹھائے اور کشتیوں اور جہازوں کو منزل اور ساحل کا پتہ بتانے کی کوشش کی، یہ کوششیں دورِ اول سے شروع ہوتی ہیں اور ہم اپنے دور تک دیکھتے ہیں کہ یہ کوششیں برابر اور مسلسل جاری ہیں۔ ائمۂ اربعہ کا دور، حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور، حضرت امام غزالی کا دور، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا دور، حضرت ابن تیمیہ کا دور، حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا دور، حضرت خواجہ گیسو دراز کا دور — یہ سب کے سب لوگ اپنی ذات کے اندر اسلام کے اسی عظیم اخلاقی اور انقلابی مشن کے لیے کام کرنے والے اور اس کی علامت بنے ہوئے تھے۔ اس طرح یہ روح برابر اپنا کام کرتی رہی۔ اس کو بہت زیادہ زندگی کے سرچشموں پر قبضہ کر کے زندگی کو اپنے منشاء کے مطابق ڈھالنے کا اختیار چاہے نہ ملا ہو لیکن زیر زمین دھارے ہمیشہ بہتے رہے تا آنکہ ہمارا دور بھی آ گیا جو اجتماعیت کا دور ہے۔ تحریکوں کا دور ہے۔ آج اسلام کی وہی انقلابی روح پوری شان کے ساتھ، بڑی قوت کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ آج پوری دنیا کے اندر اسلامی دعوت کا چرچا ہے۔ اسلامی تحریک کا

احیا ہے، اسلامی نصب العین کا شعور ہے۔ آج پھر سے اسلام اپنی اصل شان کے ساتھ اپنی اصل روح کے ساتھ سامنے آنے لگا ہے۔ اس کی روح بے نقاب ہو رہی ہے۔ ڈالے ہوئے پردے چاک ہو رہے ہیں۔ تاریخ نے اس کے چہرے کو دھندلا کرنے کی جو کوشش کی تھی اور گردوغبار اڑایا تھا وہ گردوغبار اب چھٹ رہے ہیں اور حقیقت اس دھند کے اندر سے اب نمایاں ہو رہی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آفتاب عالم تاب جب نصف النہار پر پہنچ کر چمک رہا ہوتا ہے، اگر دھند وغبار چھا جاتا ہے تو آفتاب نصف النہار پر پہنچ کر کیوں نہ چمک رہا ہو لیکن اس وقت اس کی روشنی پھیکی پڑتی نظر آتی ہے، ماند نظر آتی ہے لیکن جب گردوغبار چھٹ جاتا ہے تو روشنی اپنی اصلی بہار دکھانے لگتی ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی تحریک اسلام کی روح ایک نئے عزم کے ساتھ، ایک نئی طاقت کے ساتھ ہمارے اس دور کے اندر زندگی کی رہنمائی کے لیے پھر اس سے قریب ہوگئی ہے اور آگے بڑھ رہی ہے۔ ہندوستان کی جماعت اسلامی ہند ہو یا ہندوستان سے باہر کام کرنے والی اور تحریکیں ہوں۔ چاہے ان کے نام مختلف ہوں وہ اسلام کی اسی روح کے حامل ہیں، وہ اسلام کے اسی نصب العین کے حامل ہیں۔ اسلام کی انقلابی روح کا مختلف شکلوں کے اندر ظہور ہو رہا ہے۔ ہمارا دور تو تحریک اسلامی کا دور ہے۔ ہم ایک ایسے دور کے اندر ہیں جہاں ہم نہایت اعتماد کے ساتھ زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہنے چلے ہیں اور کہتے جا رہے ہیں اور ہم کہہ رہے ہیں کہ اے دنیا تیرے پاس اب کچھ بھی نہیں ہے، ہدایت الٰہی کی طرف لوٹ۔ دنیا کی ساری رہنمائیاں اب باطل ہوگئی ہیں اور باطل ہیں اور انھوں نے جتنا نقصان پہنچانا تھا پہنچا دیا، پہنچا چکے اور تو بھگت چکی۔ آ خدا کی رہنمائی کی طرف لوٹ! سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کی طرف نکل آ۔ دنیا کی تنگی سے آخرت کی طرف لوٹ آ۔ آج ہم یہ بات ڈنکے کی چوٹ سے کہہ رہے ہیں، ہانکے پکارے کہہ رہے ہیں، شرماتے ہوئے نہیں کہہ رہے ہیں، لجاتے ہوئے نہیں کہہ رہے ہیں، اعتماد سے کہہ رہے ہیں، عقل وحواس کے ساتھ کہہ رہے ہیں۔ صرف کہہ ہی نہیں رہے ہیں بلکہ یقین سے ہمارا قلب معمور ہے، اعتماد سے ہمارا سینہ روشن ہے، یقین کے فوارے ہمارے سینوں سے ابل رہے ہیں اور آج ہم ساری دنیا کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ اے دنیا! اگر تو سعادت وفلاح چاہتی ہے

تو اللہ کی ہدایت کی طرف آجا۔ اللہ کی طرف جھک جا۔ اللہ کے رسول کی اطاعت کو تسلیم کرلے، آخرت کو اپنا مقصود بنالے، تب ہی انسان کو موجودہ مسائل سے نجات مل سکتی ہے۔ آج کی دنیا ،آج کی انسانیت اور آج کا انسان اس کے سوا کیا ہے کہ اس شان دار انسانی تہذیب اور تمدن کو جس نے جنم دیا ہے اور جس کا بڑا چرچا ہے اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی جس ترقی پر اسے ناز ہے اور وہ فخر کرتا ہے کہ وہ چاند پر پہنچ گیا۔ میں آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ غور کریں۔ آج کے انسان کی انسانی زندگی اس کے سوا کیا ہے۔ وہاں کا انسان پانچ دن کوشش کرتا رہتا ہے اسے فرصت ہی نہیں۔ مسلسل وہ چلتی رہتی ہے، اس کو بالکل فرصت نہیں۔ وہ سوچتی نہیں۔ سوچ سے محروم، احساسات سے محروم، فکر سے محروم، جذبے سے محروم، وہ صرف حرکت کرنا جانتی ہے اور حرکت کرتی رہتی ہے۔ اور دو دن، ہفتے کے آخری دو دن عیش کے دن ہوتے ہیں اور انسان اس وقت شیطان بن جاتا ہے اس کے سامنے کچھ نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج انسان کے سامنے عیش کے سوا زندگی کی حقیر اور حیوانی ضروریات کو پورا کرنے کے سوا کوئی اعلیٰ نصب العین اور مقصد سامنے نہیں ہے۔ وہ اس لیے پیدا ہوا ہے کہ بس اپنی خواہشاتِ نفس کو پورا کرے۔ یورپ کا وہ مثالی انسان اور ترقی یافتہ انسان پانچ دن مسکین رہتا ہے اور دو دن شیطان رہتا ہے۔ یہ وہ انسانی سوسائٹی ہے جو معیاری شکل میں دنیا کے اندر آج پائی جاتی ہے۔

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس موقع پر تحریک اسلامی کو پھر سے نئی راہیں بنانی ہیں اور پھر سے انسانیت کو دعوت دینی ہے اور انسانوں کو صحیح راہ کی طرف بلانا ہے۔ ہم اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم اور آپ ایک ایسے دور کے اندر پیدا ہوئے ہیں جب کہ اسلامی تحریکیں دنیا کے مختلف حصوں میں چل پڑی ہیں۔ اسلام اپنا مؤثر اور مفید رول انجام دینے کے لیے پھر میدان کے اندر آرہا ہے۔ افسوس کہ ایک وہ وقت بھی آیا تھا کہ زندگی سے اس کو کاٹ دیا گیا تھا لیکن اسلام آج پھر ہمارے سامنے آرہا ہے۔ زندگی کی رہ نمائی کے لیے، اس موقع پر میں آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں اور متفقین سے خاص طور سے اگر آپ تحریک اسلامی ہند کے متفق ہیں تو آپ کو اپنی حیثیت کا شعور ہونا چاہیے کہ آپ کس تحریک کے متفق ہیں اور آپ نے کیا سمجھ کر اتفاق کیا ہے اور کیا سمجھ کر آپ نے جماعت اسلامی ہند کے

متفق بننے کی کوشش کی ہے اور بنے ہیں۔ آپ کے ذہن میں اس کا ایک واضح شعور اچھی طرح سے ہونا چاہیے۔ آپ کی حیثیت اس بات کی روشنی میں اس کے سوا کچھ قرار نہیں پائی کہ آپ نے جس فارم کو پر کیا ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ کا مقام، حلقہ، نام، ولدیت، عمر، مکمل پتہ اور اس کے بعد آپ یہ کہتے ہیں کہ میں نے جماعت اسلامی ہند کے بنیادی نکات کو "دعوت اسلامی کیا ہے" کتاب پڑھ کر اور پڑھنا نہ جانتے ہوں تو سن کر سمجھ لیا ہے اور مجھے اس سے اتفاق ہے۔ انشاء اللہ میں اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا یا کروں گی۔ جماعت کے دینی واصلاحی اور خدمت خلق کے کاموں میں حتیٰ الوسع تعاون کروں گا یا کروں گی — یہ تین باتیں ہیں جن کا اقرار ہمارے متفقین حضرات کرتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ جماعت اسلامی ہند کے بنیادی نکات سے اتفاق، دوسری بات یہ کہ اسلامی احکام پر عمل کرنے کی کوشش کا عہد — تیسری بات یہ کہ جماعت اسلامی ہند کے دینی واصلاحی اور خدمت خلق کے کاموں میں حتیٰ الوسع تعاون کرنے کا اقرار اور اس کا عہد۔ آئیے ان میں سے ہر بات پر ہم ذرا غور کر لیں اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ جو عہد ہم نے کیا ہے اور جن باتوں سے ہم نے اتفاق کیا ہے۔ اس اتفاق اور اس عہد کے تقاضے کیا ہیں؟ پہلی بات جس کا آپ نے اقرار کیا ہے کہ میں جماعت اسلامی ہند کی دعوت کے بنیادی نکات سے اتفاق کرتا ہوں۔ بنیادی نکات "دعوت اسلامی کیا ہے؟ کے اندر پانچ عنوانات کے تحت ہمیں ملتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ عقیدۂ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، یہ جو کلمہ ہے اس کی مختصر تعریف اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ ہی کو ہم اپنا الٰہ، معبود اور حاکم مان لیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر حیثیت سے رسول تسلیم کر کے اپنے آپ کو ان کی مکمل رہنمائی میں دے دیں۔ یہ وہ بنیادی عقیدہ اور یہ وہ پہلا نکتہ ہے جس سے آپ نے اتفاق کیا ہے۔ اور دوسری بات جس سے آپ نے اتفاق کیا وہ یہ ہے کہ اسلام جس کو اللہ نے ہر دور میں بھیجا ہے۔ جس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے آخری دور میں آخری مرتبہ بھیجا ہے، ہم اس اسلام کو جو آپ کے ذریعے سے آیا ہے، اپنا دین مانتے ہیں۔ آپ کے ذریعے جو دین آیا ہے وہی محفوظ دین ہے، مقبول دین ہے اور یہی مستند دین ہے، عند اللہ مقبول دین ہے۔ اس حیثیت سے اسلام کو ہم اپنا دین مانتے ہیں کہ یہ ہمارا دین ہے، یہ ہماری زندگی کی پوری رہنمائی

کے لیے آیا ہے اور یہ عقائد سے لے کر عبادات تک، اخلاق سے لے کر معاملات تک اور گھریلو زندگی سے لے کر بیرونی زندگی تک تمام گوشوں کو اللہ کی ہدایت کے تابع کرنا ہے اور تابع بنانے کے لیے مکمل ہدایات اور واضح احکامات لے کر آیا ہے۔ یہ ہے وہ اسلام جس کو ہم مانتے ہیں۔تیسری بات یہ کہ ہم مسلمان ہیں۔ہم وہ لوگ ہیں جو اسلام کو اپنا دین مانتے ہیں جو اللہ کو اپنا حاکم اور معبود اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول، اللہ کے دین اسلام کو اپنا دین، آخرت کو اپنا مقصود اور اللہ کی رضا کو اپنی زندگی کی غایت قرار دیتے ہیں۔ یہ ہے ہماری حقیقت، ہم مسلمان ہیں، ہم اللہ ہی کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔اسی کی عبادت کرتے ہیں، اسی کی اطاعت کرتے ہیں— چوتھی بات یہ کہ ہم نے اس نکتہ کو بھی مانا اور اس سے اتفاق کیا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں دو حیثیتوں سے اپنی ذمہ داری محسوس کریں۔ایک تو اللہ کے ایسے بندے کی حیثیت سے جو ایمان رکھتا ہے، شعور رکھتا ہے کہ ہمیں اللہ کی بندگی کرنی ہے اور بندگی کی دعوت دینی ہے۔اور اس حیثیت سے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ہمارا کام یہ ہے کہ ہم آپ کی لائی ہوئی ہدایات کو مانیں اور اس کو عمل میں لائیں اور اسی کی طرف ہم دنیا کو دعوت دیں۔اپنی زندگی کا عملی نمونہ پیش کر کے دنیا کو دعوت دیں۔ایک مسلمان کی حیثیت سے ہماری یہ ذمہ داری ہے۔ پھر پانچویں بات یہ کہ ہم نے یہ بات بھی تسلیم کی ہے اور اس سے اتفاق کیا ہے کہ آج سے ہماری زندگی نہ غلط مقاصد کے لیے گزرے گی، نہ بے مقصد گزرے گی بلکہ آج سے ہماری زندگی با مقصد ہوگی اور وہ مقصد کئی ایک نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی ہوگا جس کے لیے ہماری زندگی گزرے گی اور وہ مقصد ہوگا اللہ تعالیٰ کے دین کی اقامت— اللہ کے دین کی اقامت کے معنی اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے دین کو بغیر کسی تفریق کے، بغیر کسی تقسیم کے، بغیر کسی کتر بیونت کے، بغیر کسی کاٹ چھانٹ کے پورے کا پورا ہم مان لیں، اپنے اوپر سب سے پہلے نافذ کرلیں، اپنے ذہن پر، اپنی فکر پر، اپنے اعتقاد پر، اپنے قلب کی گہرائیوں کے اندر اس کو اتارلیں، اپنی روح کے اندر اس کو جذب کرلیں۔اپنی زندگی میں اس کو نافذ اور جاری وساری کرلیں اور پھر اسی کا جلوہ ہماری زندگی کے اندر ہر گوشے میں نمایاں ہو اور پھر اس کے ساتھ ساتھ ہم اس بات کی کوشش کریں کہ جس دین کو ہم مانتے ہیں

خلق خدا کو اس کی طرف دعوت دیں اور اس کی کوشش کریں کہ دنیا کے اندر ایک ایسی سوسائٹی کو تشکیل دیں جو اللہ کی ہدایت کو مان کر اسی کے مطابق اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے والی ہو۔ گویا اقامت دین کے معنی یہ ہیں کہ ٹھیک وہ اسی طرح سے مانا جائے ، اس پر اس طرح عمل کیا جائے کہ دستور جماعت کے الفاظ میں: فرد کا ارتقا، معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل سب کچھ اسی دین کے مطابق ہو جائے جس کا مکمل نمونہ سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کے بعد حضرات خلفاء راشدین نے دنیا کے اندر قائم فرمایا۔ یہ ایک مثالی نمونہ تھا۔ یہ ہے اقامت دین کا نصب العین جس سے ہم نے اور آپ نے اتفاق کیا ہے۔ ہم نے جب اس بات کا اقرار کیا کہ ہم نے جماعت اسلامی ہند کے بنیادی نکات کو سمجھ لیا ہے اور ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں تو یہ پانچ بنیادی نکات ہیں۔ یعنی بنیادی عقیدہ، اسلام، مسلمان کی حیثیت، اس کی ذمہ داری اور اقامت دین جس سے ہم نے اور آپ نے اتفاق کیا ہے۔ بنیادی نکات سے اتفاق کے بعد اس کے جو تقاضے ہمارے سامنے آئے ہیں وہ یہ ہیں کہ سب سے پہلے ہمارے متفقین کو اپنے فکر و اعتقاد کی اصلاح کرنی چاہیے اور پھر اپنے یقین کو مضبوط ترین بنائیں۔ یقین کیجیے کہ بے یقینی سے بڑھ کر کوئی مرض نہیں۔ اگر کوئی آدمی بڑے سے بڑے مرض کا شکار ہو تو اس کا وہ مرض دور ہوسکتا ہے۔ بے عملی بھی دور ہو سکتی ہے لیکن جو بے یقینی کا شکار ہو، اس کے یقین میں اگر شک کے کانٹے چبھے ہوئے ہیں تو اس کا علاج دشوار ہے۔ بے یقینی سب سے بڑی بیماری ہے۔ شک سب سے بڑی بیماری ہے جو قوائے فکر و عمل کو ٹھٹھرا کر رکھ دیتی ہے۔ انسان کی قوت عمل کو ماؤف کر کے رکھ دیتی ہے اور اس کو مضمحل کر کے پھینک دیتی ہے۔ اس کو ناکارہ بنا کر رکھ دیتی ہے۔ پہلی بات جن کا متفقین سے ہم تقاضا کرتے ہیں۔ تحریک اسلامی تقاضا کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ بنیادی نکات کا علم فہم اور شعور حاصل ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنے یقین کو محکم کریں، اپنے فکر و اعتقاد کی اصلاح کریں۔ تیسری بات یہ ہے کہ آپ نے اقرار کیا ہے کہ ان شاء اللہ اسلام کے احکام پر عمل کریں گے۔ تحریک اسلامی تقاضا کرتی ہے آپ سے اور بجا طور پر کرتی ہے کہ یہ اقرار صرف زبان کی حد تک نہیں رہنا چاہیے، اس کو حلق کے اوپر نہیں رہنا چاہیے۔ اسے بہر حال حلق کے نیچے اترنا چاہیے۔ حلق کے نیچے اتر کر دل پر اسے

قبضہ جمانے کا موقع ملنا چاہیے۔ اس اقرار کو عمل کی شکل میں ڈھل جانا چاہیے۔ قال کو حال بننا چاہیے۔ قول کو عمل بننا چاہیے، نظریے کو نمونہ بننا چاہیے، دعوت کو عملی شکل اختیار کرنا چاہیے۔

اس لیے ہم اس بات کا تقاضا کرتے ہیں اور تحریک اسلامی آپ سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ عملی زندگی کو سب سے پہلے اللہ کے دین کے مطابق بنالیں پھر دنیا کو اسلام کی دعوت دیں خود ہماری زندگیاں اسلام سے خالی ہوں تو یقین مان لیجیے کہ یہ تماشا زیادہ دنوں تک چلنے والا نہیں اور دنیا میں اس سے بڑا کوئی مذاق نہیں ہوسکتا کہ آپ اسلام کی باتیں کریں، اسلام کی دعوت دیں اور آپ کی زندگیاں خود اسلام سے خالی ہوں اس سے بڑا کوئی مذاق نہیں اس سے بڑا کوئی تماشا نہیں پھر اس مذاق اور تماشے کا نتیجہ اس شکل میں سامنے آئے گا کہ آپ اس دنیا کے اندر تماشا بن جائیں گے اور آپ کا وہ حشر ہوگا کہ دنیا آپ کا تماشا دیکھے گی۔ جو قوم اللہ کے دین کے ساتھ تماشا اور مذاق کرتی ہے وہ خود مذاق کا موضوع بن جاتی ہے، جو قوم اللہ کے دین کے ساتھ تماشا کرتی ہے خود زمانہ اس کا تماشا کرتا ہے اور وہ زمانہ کے لیے تماشا بن جاتی ہے۔ جس دین کی ہم دعوت دے رہے ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری عملی زندگی اس کا نمونہ ہو اور ہماری زندگی اس کی منہ بولتی تصویر ہو— چوتھا تقاضا یہ ہے کہ اقامت دین کو ہم اپنا نصب العین بنا کر اس کے لیے مستقل، مسلسل اور منظم جدوجہد کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ یہ کیا بات ہوئی کہ ہم ایک نصب العین کو اپنائیں اور اختیار کریں۔ لیکن اس کے حصول کے لیے ہمارے دل میں کوئی بے چینی نہ ہو، ہمارے اندر کوئی تڑپ نہ ہو، ہمارے اندر کوئی ولولہ نہ ہو۔ ہم راکھ کا ڈھیر بن جائیں۔ ہم برف کی ایک سل بن جائیں، صرف اس بات کا اقرار کرتے رہیں کہ ہمارے سامنے ایک نصب العین ہے، ہمارے سامنے ایک منزل ہے اور ہم اس منزل کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں۔ اس بات کا اقرار کرتے رہیں لیکن اس بات کے اقرار کا حق نہ مانیں کہ جس کو ہم نے اپنا نصب العین بنایا ہے۔ اس کے لیے زندگی کو لگائیں، اس کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے رہیں۔ اوقات کی قربانی، جان کی قربانی، مال کی قربانی، جسم و جان کی محنت اور مشقت، یہ سب کچھ ہم برداشت کریں۔ نصب العین کا یہی تقاضا ہے۔ اقامت دین کو اگر ہم نصب العین بناتے ہیں تو اس نصب العین کا یہ تقاضا ہے کہ ہم پورے اخلاص کے ساتھ اس کو

اپنائیں، پوری نگاہ اس کے اوپر جمادیں۔یقین کی پوری طاقت کے ساتھ،عمل کی پوری قوت کے ساتھ، پورے ولولے اور جوش کے ساتھ، پورے عزم اور حوصلے کے ساتھ اللہ کے دین کی اقامت کے نصب العین کے لیے مسلسل مستقل اور منظم جدوجہد کے لیے ہم تیار ہوجائیں۔ کوئی حیلہ، کوئی مصلحت، کوئی عذر، کوئی بہانہ، خدا کے یہاں کام نہیں آئے گا۔حیلہ ساز عقل، بہانہ ساز عقل ہزاروں حیلے تراشتی اور سجھاتی ہے۔کبھی مصلحت کے راستے دکھاتی ہے، کبھی مختلف بہانے بناتی ہے۔اقبال علیہ الرحمۃ نے خوب ہی کہا ہے۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

صرف قیل وقال اور فلسفیانہ موشگافیاں اور توحید کے علمی اور کلامی نکات کوئی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ توحید کا عملی تقاضا یہ ہے کہ خدا کی مانیں تو اس طرح مانیں کہ اس کے سوا کسی کی بندگی اور اطاعت نہ کریں،اسی کے پورے ،طور پر ہو رہیں ۔اس کی رضا کو زندگی کا مقصد بنالیں۔ اس کے لیے جییں اور اس کے لیے مریں۔شب وروز ہماری زندگی، ہمارے دن ، ہماری راتیں، ہمارا جینا اور مرنا خدا کے لیے ہوجائے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ (الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

’’اے رسول! کہہ دیجیے کہ بے شک میری نمازیں،میری قربانیاں،میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو پروردگار عالم ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور سب سے پہلے میں اس کا فرماں بردار ہوں۔‘‘

حضرات! اقامت دین کے نصب العین کو زبانی طور سے اپنا نصب العین کہہ دینا اور اس کا زبانی اقرار کرلینا آسان ہے۔لیکن واقعی اس کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر اس کے مطابق زندگی گزارنا مشکل کام ہے۔اس نصب العین کا یہ تقاضا ہے کہ ہم پوری سنجیدگی اور پورے شعور کے ساتھ اس کو اپنا کر اس کے لیے کام کرنے کے لیے میدان عمل میں آجائیں۔ اقامت دین کے نصب العین کو جب آپ اختیار کرلیں تو کچھ اور باتوں کا بھی آپ کو خیال کرنا ہوگا۔آپ ایک قافلہ بن رہے ہیں۔اب یہ نصب العین کوئی انفرادی نصب العین نہیں رہا۔یہ

اجتماعی نصب العین بن گیا ہے۔ایک تحریک اس کے لیے چل رہی ہے۔آپ کے اندر وہ اوصاف ہونے چاہئیں جو ایک تحریک کو چلانے اور اجتماعیت کو قائم و باقی رکھنے اور اس اجتماعیت کو مؤثر بنانے کے لیے ضروری ہیں۔آپ کے اندر باہمی خلوص و محبت ہونا چاہیے۔اس نصب العین سے تعلق رکھنے والے سارے افراد کے اندر خلوص اور محبت کی ایک رو دوڑ جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کے اندر اخوت اور مساوات ہو۔تیسری بات یہ کہ رواداری اور تحمل ہو۔ آپ انفرادی زندگی کے اندر جیسے چاہے رہتے ہوں۔لیکن اجتماعی زندگی کو جب اپنائیں گے مزاج، طبائع، خیالات، زاویۂ نگاہ اور رائیں مختلف ہوتی ہیں۔اگر تحمل نہ ہو، رواداری نہ ہو، بردباری نہ ہو، ایک دوسرے کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی صلاحیت نہ ہو تو کاندھے سے کاندھا ملا کر چلنے کی خواہش کے باوجود آپ چل نہ سکیں گے۔مسلمانوں کی انجمنوں اور اداروں کا کیا حال ہے؟ بڑے بڑے مقاصد کے لیے قائم ہوتی ہیں لیکن وہ چند دن بھی نہیں چل پاتیں، چلتی بھی ہیں تو سب کی سب بحران کا شکار ہو جاتی ہیں۔جب ایک مسئلہ پر گفتگو شروع ہوتی ہے تھوڑی ہی دیر میں منھ سے کف آنے لگتا ہے۔آنکھیں شعلہ بار ہو جاتی ہیں، سرخ ہو جاتی ہیں۔پھر ایک کے بعد ایک کا گریبان دوسرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔پھر اللہ اللہ خیر سلّا۔

پھر کسی کا رخ مشرق کی طرف اور کسی کا رخ مغرب کی طرف ہو جاتا ہے۔یہ اس لیے کہ اجتماعی اوصاف سے ملت خالی ہو گئی ہے۔ہم اسی ملت کے فرزند ہیں۔ہمیں وہ اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے ہوں گے جو کسی اجتماعی تحریک کو چلانے کے لیے ضروری ہیں۔ہم اپنے اندر رواداری، تحمل اور بردباری پیدا کریں۔اپنے اندر استقلال اور استقامت پیدا کریں، اپنے اندر صبر اور حکمت پیدا کریں۔ایک زمانہ سے ہم اپنی تحریک چلا رہے ہیں۔آج کے فتنے کیا ہیں؟ آج کے حالات کیا ہیں؟ آج کے مسائل کیا ہیں؟ آج کا ردین کیا ہے؟ کس طرح ہم اپنی بات کو رکھیں؟ ہمارا اپروچ کیا ہو؟ کیسے ہو؟ اور کس کس طریقے سے ہم اپنے کام کو آگے بڑھائیں؟ اس کے لیے صبر کی ضرورت ہے، حکمت کی ضرورت ہے، عظیم قربانی کی ضرورت ہے، جو لوگ اپنے نصب العین کے لیے قربانی نہیں دے سکتے، جنھیں اپنے نصب العین کے لیے قربانی دینا مشکل ہو، وہ لوگ اقامتِ دین کا کام انجام نہیں دے سکتے۔ایثار و قربانی کے

اوصاف اپنے اندر پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔جس تحریک کو جاں نثار اور قربانیاں دینے والے لوگ ملتے ہیں وہ تحریک دیکھتے دیکھتے آسمان عروج پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکنے لگتی ہے۔دیکھتے دیکھتے وہ چھلانگیں لگاتے ہوئے اپنے نصب العین کی طرف آگے بڑھنے لگتی ہے۔ جس تحریک کے افراد کے اندر ایثار و قربانی کے اوصاف نہیں ہوتے وہ بلند عزائم، اونچی اونچی آوازوں، دعووں اور نعروں کے باوجود دنیا کے اندر ایک نقش بھی قائم کرنے میں کام یاب نہیں ہوتی۔اگر کوئی نقش کھینچ بھی سکی تو وہ نقش، نقش برآب ہوگا۔اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتی۔اس لیے ایثار و قربانی کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔پھر اس مقصد کی دھن اور لگن ہر وقت ذہنوں پر چھائی رہے۔پھر اسی کے ساتھ نظم ضبط، ڈسپلن کی بھی ضرورت ہے۔ ایک بات میں آپ سے کہوں۔پانچ آدمی ہیں فوج کے، پانچوں مسلح۔ایک دستہ کی شکل میں اور ایک امیر کے تحت، وہ پانچ ہزار کی بھیڑ پر بھاری ہیں۔اگر کبھی ان کا نشانہ چوک بھی جائے تو ان کی مسلسل حرکت، ان کا کام، ان کی یلغار، اپنے مقصد اور نشانے ہی کی طرف ہوگی۔پانچ ہزار کی بھیڑ، منتشر بھیڑ ان پانچ آدمیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔اقامت دین کا نصب العین تقاضا کرتا ہے کہ اس کے ماننے والے اور اس کے لیے کام کرنے والے اپنے اندر بے انتہا مضبوط قسم کا ڈسپلن پیدا کریں، اپنے اندر نظم وضبط پیدا کریں۔ایسی صورت حال نہ ہو کہ اعلان پر اعلان ہو رہے ہوں، ہدایتوں پر ہدایتیں دی جا رہی ہوں اور سامنے کھڑے ہو کر کہا جا رہا ہو لیکن بہرے کانوں سے سنا جائے اور سنی ان سنی کر دی جائے۔آپ کا نصب العین بہت اونچا سہی آپ اس زمین پر خدا کے داعی سہی لیکن آپ سے یہ کام ہوگا نہیں اور آپ کے ہاتھوں یہ کام آگے بڑھے گا نہیں۔ہمیں صاف طور پر اس بات کا اعتراف کرلینا چاہیے کہ نظم اور تعلق پیدا کیے بغیر یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اپنے کام کو آگے بڑھا سکیں اس لیے میں آپ سے عرض کروں گا کہ آپ متفقین کے مقام پر کھڑے ہو کر ٹھیر نہ جائیں، کھڑے ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ اس کے تقاضوں کو سمجھیں اور آگے بڑھیں۔جماعت اسلامی ہند کی چار سالہ پالیسی اور پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے، اس پر عمل درآمد کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ متحرک ہو۔ یہ مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی ہند ہی کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ یہاں بیٹھ کر

اس چار سالہ میقاتی پروگرام کو عمل میں لائیں بلکہ دیہات میں رہنے والے کسان کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے جو تحریک اسلامی کا کارکن ہے جتنی کہ مولانا محمد یوسف صاحب کی اہمیت ہے۔ اگر وہ کسان مولانا محمد یوسف صاحب نہیں بن سکتا تو اسی طرح مولانا محمد یوسف صاحب بھی کسان کا وہ کام نہیں کر سکتے جو اپنی جگہ رہ کر وہ کرتا ہے۔ اس لحاظ سے ان دونوں کے کام میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں ایک ہی کام میں جڑے ہوئے ہیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اس کام کو انجام دے رہے ہیں اس لیے متفق سمجھ کر اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھیں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ ہم تو صرف متفق ہیں۔ نہیں، ہم میں سے ہر شخص کی یہ ذمہ داری ہے کہ آگے بڑھے اور اس پروگرام اور پالیسی کو عمل میں لانے کی کوشش کرے۔

اگر آپ آگے بڑھیں گے تو اللہ کی نصرت شامل حال ہوگی اور آپ کے ذریعہ سے اس ملک کے اندر عظیم کام انجام پائے گا۔ آپ کے ذریعے خلق خدا کو ہدایت ملے گی اور انہیں صحیح راستہ معلوم ہوگا۔ اگر آپ یہ نہیں کریں گے تو تاریخ کے اندر ایک نئے ناکام اور بدنما نقش کا اضافہ کر کے آپ اس دنیا سے رخصت ہوں گے اور آنے والی نسلیں آپ کے دور کو پھر آپ کے کاموں کو اور آپ کے اونچے اونچے عزائم کو دیکھیں گی اور اس کے ساتھ آپ کے رویے کو دیکھیں گی تو ہنستی مسکراتی، قہقہہ لگاتی ہوئی آگے نکل جائیں گی اور پھر آخرت میں جو کچھ ہوگا اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اور آپ کو اس کے دین کا صحیح شعور، اس پر عمل کی توفیق اور اقامت دین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنانے کا جذبہ اور اس کے تقاضوں کا شعور اور اس کو پورا کرنے کا عزم اور حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین!

مختصر روداد اجتماع طلبہ

[منعقدہ ۹ رنومبر ۱۹۷۴]

طلبہ کا اجتماع تمل ناڈو کی قیام گاہ میں ٹھیک ۳ بجے سہ پہر شروع ہوا۔ پروگرام کا آغاز جناب جلیل اصغر نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ اس کے بعد جناب احمد اللہ صدیقی نے تمام طلبہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ اس اہم اور بابرکت اجتماع کے موقع پر طلبہ کی یہ نشست خاصی اہم ہے کیونکہ ہمیں تحریک اسلامی کے خادم کی حیثیت سے اس ملک میں بہت کچھ کرنا ہے۔ ہمارے بزرگوں کی نگاہیں ہم پر جمی ہوئی ہیں۔ ان کی توقعات ہم سے وابستہ ہیں۔ ہمیں پورے عزم وحوصلہ سے یہ عملی ثبوت دینا ہے کہ ہم اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی فلاح کے لیے اس ملک میں اسلام کی سربلندی کے خواہاں ہیں۔ ان ابتدائی جملوں کے بعد جناب احمد اللہ صدیقی نے طلبہ میں تحریک اسلامی کے کام کی چھ سال کی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ یہ رپورٹ ۱۹۶۷ میں جماعت اسلامی ہند کے کل ہند اجتماع کے بعد سے پانچویں کل ہند اجتماع تک کے عرصے میں کی گئی کارگزاریوں پر مشتمل تھی۔

اجتماع گاہ طلبہ اور نوجوانوں سے بھری ہوئی تھی۔ ایک عام اندازے کے تحت کم ازکم تین ہزار طلبہ اور نوجوان اس اجتماع میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ محترم امیر جماعت اسلامی ہند، محترم جناب محمد شفیع مونس صاحب امیر حلقہ اتر پردیش، محترم جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی صاحب اور جماعت کے بہت سے دوسرے ذمہ داران اور ارکان بھی اجتماع میں شریک تھے۔

رپورٹ میں یہ بتایا گیا کہ اس وقت پورے ملک میں تقریباً ۱۵ ہزار طلبہ مختلف جماعتی حلقوں اور تنظیموں کی شکل میں تحریک اسلامی سے وابستہ ہیں۔ مختلف علاقہ جات میں کل ۱۸۵ حلقے باقاعدہ جماعت کی زیر نگرانی سرگرم عمل ہیں جب کہ ۱۱ نیم آزاد اور ۴ آزاد تنظیمیں بھی قائم ہیں جو جماعت اسلامی کی سرپرستی اور رہ نمائی کو پسند کرتی ہیں۔ ایک آزاد تنظیم صوبائی سطح کی ہے اور ایک آزاد تنظیم ملک گیر پیمانے پر کام کر رہی ہے اور اس کی شاخیں ملک کے چار صوبوں میں قائم ہیں۔ رپورٹ میں تفصیل سے مختلف حلقہ ہائے جماعت اسلامی میں قائم شدہ طلبہ کے حلقوں اور تنظیموں کا تعارف کرایا گیا۔ ۸ صفحات کی اس رپورٹ کے بعد جناب م نسیم صاحب (لکھنؤ) نے طلبہ سے مختصر خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ نوجوانوں اور طلبہ نے اپنی پرعزم اور باحوصلہ جدوجہد سے بار بار ملکوں اور قوموں کی قسمتیں بدلی ہیں — انقلابات کی تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ نوجوانوں نے ہراول دستہ کے طور پر اہم رول ادا کیا ہے۔ آپ نے مختلف قوموں کی مثالوں سے یہ واضح کیا کہ جب بھی کسی قوم کے پاس بلند حوصلہ نوجوانوں اور طالب علموں کا سرمایہ رہا ہے۔ اس قوم نے ایک زندہ اور باعزت قوم کی حیثیت سے تعمیر عالم میں ایک مثبت رول ادا کیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اس دور میں جب کہ دنیا میں مختلف نظام ہائے فکر و عمل پرکھے اور اپنائے جا چکے ہیں اور تقریباً سب ہی ناکامی کی منزل پر پہنچ چکے یا اس کے قریب ہیں۔ اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنا امت مسلمہ کی اہم ترین ذمہ داری بن چکی ہے۔ اس اہم اور نازک موڑ پر نوجوانوں کو بڑا اہم رول ادا کرنا ہے۔ آپ اپنی حیثیت پہچان لیجیے اور بلند ارادے اور باہمت حوصلوں کے ساتھ میدان عمل میں آجائیے۔ اپنے اوقات کو منظم کیجیے، آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اس بات کا گواہ ہو کہ آپ واقعی طالب علم ہیں اور طلب علم آپ کی زندگی پر چھایا ہوا ہے۔ اس طرح جب آپ علوم دنیا و دین سے آراستہ ہو کر دین حق کی شہادت کے لیے کمربستہ ہو جائیں گے تو مجھے یقین ہے کہ اس ملک میں تحریک اسلامی کا مستقبل تابناک ہوگا۔ لطائف اور ظرائف سے بھرپور تقریر کا اختتام محترم م نسیم صاحب نے دعائیہ کلمات پر کیا۔

اسی دوران غیر ملکی مہمان اجتماع گاہ میں آچکے تھے۔ م نسیم صاحب کی تقریر کے بعد

جناب احمد اللہ صدیقی نے ان مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے ان کا تعارف کرایا اور سب سے پہلے جناب ابراہیم طحاوی صاحب کو اظہار خیال کی دعوت دی جو مصر کے مذہبی امور کے نائب وزیر اور وہاں کی جمعیۃ شبّان المسلمین کے صدر ہیں۔آپ نے عربی میں بہت ہی مختصر اور معنی خیز تقریر کی۔

آپ نے کہا کہ اب یہ حقیقت کسی ثبوت کی محتاج نہیں ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے دنیا کی رہ نمائی کرسکتا ہے۔ یہ بات ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر تسلیم کی جا چکی ہے۔ہمارا کام یہ ہے کہ ہم ان تفصیلات کی تحقیق و جستجو کر کے دنیا کے سامنے رکھیں جو اسلام زندگی کے مختلف گوشوں کے لیے فراہم کرتا ہے۔طحاوی صاحب کے بعد عالم اسلام کے معروف و مشہور نوجوان رہ نما ڈاکٹر احمد توتونجی صاحب کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی موصوف طلبہ کے عالمی اسلامی فیڈریشن کے بانی اور سکریٹری جنرل ہیں اور آج کل ریاض یونیورسٹی میں پٹرولیم ٹیکنالوجی کے شعبہ میں پروفیسر ہیں۔موصوف نے بہت ہی جوش و خروش سے تمام طلبہ کو مبارک باد دی اور ان کا خیر مقدم کیا۔آپ نے کہا کہ مجھ کو بڑی خوشی ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں اتنی کثیر تعداد میں طلبہ تحریک اسلامی سے وابستہ ہیں۔طلبہ کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ آپ اسلام کے سچے اور مخلص خادم بن جائیے آپ کی قربانیوں اور جدوجہد کا ثمرہ جنت کی شکل میں آخرت میں موجود ہے۔آپ نے فرمایا کہ اللہ کی رضا اور جنت سے زیادہ مسرت انگیز کسی مومن کے لیے اور کچھ نہیں ہے۔قرآنی آیات اور احادیث نبوی کو پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے نوجوان ساتھیوں سے اپیل کی کہ آپ اپنی زندگی کا نصب العین خدا کے دین کی سربلندی قرار دے لیجیے اور اس نصب العین کے فروغ کے لیے اپنی تمام تر جدوجہد کے ساتھ میدان عمل میں آجائیے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے بعد امریکہ سے آئے ہوئے مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن امریکہ و کناڈا کے نمائندے ڈاکٹر ہشام طالب نے تقریر کی۔انھوں نے کہا کہ میں امریکہ کے مسلمان طالب علموں کا سلام آپ کا پہنچاتا ہوں اور یہ تمنا کرتا ہوں کہ ہماری جدوجہد اور قربانیوں سے خدا کا دین دنیا پر غالب آجائے۔

موصوف کے بعد انڈونیشیا کے برادر عمادالدین مسرت اور جذبات کا طوفان لیے مائک پر تشریف لائے۔ ڈبڈبائی آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز کے ساتھ آپ نے خداوند کریم کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے موصوف کو اتنے بڑے اور عظیم الشان اجتماع میں شرکت کا موقع عطا کیا۔ موصوف نے کہا: آپ کتنے خوش قسمت انسان ہیں کہ آپ کو یہاں کام کرنے کی پوری آزادی میسر ہے۔ ہمارے ملک میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ خدائے تعالیٰ آپ کو نیک ارادوں میں کام یاب کرے اور آپ ہمیشہ جادۂ حق کے راہی بنے رہیں۔

عمادالدین صاحب کے بعد ماریشش کے طالب علم رہنما برادر عبدالخالق نے مختصر تقریر کی اور اپنی تنظیم کا مختصر تعارف بھی کرایا۔ سب سے آخر میں صدر جلسہ محترم شفیع مونس صاحب نے طلبہ کو ان کی ذمہ داریوں کی یاددہانی کراتے ہوئے دعا کی کہ خداوند قدوس ہم سب کو مل جل کر اپنے دین کی خدمت کے مواقع نصیب کرے اور ہماری مدد فرمائے۔

وقت کی تنگی اور غیر ملکی مہمانوں کی شرکت کے سبب سوال و جواب اور تجاویز و مشورے کا وقت نہیں مل سکا تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اجتماع طلبہ کے جذبات و احساسات کا بہترین ترجمان تھا اور مستقبل میں طلبہ کے اندر تحریک اسلامی کے کام کے بڑھنے کے امکانات بہت روشن اور واضح ہیں۔

اسی دن بعد مغرب علی گڑھ کی تنظیم کی تحریک پر علی گڑھ کے طلبہ کے کیمپ میں طلبہ کی تنظیموں کے ذمہ داروں کی بھی ایک غیر رسمی نشست ہوئی جس میں غیر ملکی مہمانوں میں سے ڈاکٹر احمد توتونجی، ڈاکٹر ہشام طالب، برادر عمادالدین اور برادر عبدالخالق نے شرکت کی۔ اس نشست میں سب ذمہ داروں نے مختصراً اپنی تنظیموں کا تعارف کرایا۔ دوران تعارف سوال و جواب بھی ہوتے رہے۔ اس نشست نے بڑی حد تک اس تشنگی کو دور کردیا جو طلبہ کے اجتماع میں وقت کی تنگی کے باعث محسوس کی جارہی تھی۔

مختصر روداد اجتماع معاونین

یہ اجتماع ۹ رنومبر ۱۹۷۴ء کو تقریباً ۳ بجے اجتماع گاہ کی ایک عمارت میں شروع ہوا۔ غیر مسلم معاونین کے علاوہ جماعت اسلامی کے بہت سے کارکن، جو غیر مسلموں میں جماعت اسلامی کے کام سے دلچسپی رکھتے تھے۔ اجتماع میں شریک تھے۔ مولانا سید حامد علی صاحب نے اس اجتماع کی صدارت کی۔

اجتماع کا آغاز صدر جلسہ کی مختصر تقریر سے ہوا۔ تقریر کا خلاصہ درج ذیل ہے:

بزرگو اور بھائیو! یہ اللہ کا بڑا اکرم ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا۔ یہ انسانیت جو اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے۔ کیا ہے؟ کیا یہ انسانی جسم کا نام ہے؟ جسمانی اعتبار سے تو انسان اور حیوان میں بہت کچھ مشابہت ہے۔ بعض حیوان جسمانی اعتبار سے انسان سے بے حد قریب ہیں نہیں، انسان کسی مخصوص جسم کا نام نہیں ہے، تو کیا انسانیت عقل کا نام ہے؟ عقل تو جانوروں کے پاس بھی ہے۔ چیونٹی اور شہد کی مکھی جیسی چھوٹی مخلوقات کس درجہ ذہین ہیں۔ اس کا اندازہ ان کے کاموں سے ہوتا ہے۔ پھر انسانیت کس چیز کا نام ہے؟ انسانیت نام ہے نیکی و بدی کے شعور کا۔ یہ چیز انسان کے ساتھ خاص ہے، حیوان نیکی و بدی کا شعور نہیں رکھتا۔ انسانیت اخلاق و کردار کو کہتے ہیں جو انسان اخلاق و کردار سے خالی ہو، وہ انسان نہیں، حیوان ہے۔ وہ زمین پر بوجھ ہے۔ وہ دوسرے انسانوں کے لیے وبال اور موجب عذاب ہے، مرنے کے بعد خدا کے یہاں اس کا حشر دردناک ہوگا۔

جہاں تک سماج کا تعلق ہے اس کی تعمیر بھی کردار کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ پنڈت نہرو بھی

جو خدا پر یقین نہیں رکھتے تھے، اس بات کے قائل تھے، ان سے ایک بار پوچھا گیا کہ کیا ملک وقوم کے ارتقاء کے لیے وہ منصوبے کافی ہیں جو آپ بنا رہے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: نہیں، میں ایسا نہیں سمجھتا، قوم کی تعمیر وترقی کے لیے کردار نا گزیر ہے۔ ان سے پوچھا گیا، تو کردار کی تعمیر کیسے ہو؟ اس کا کیا منصوبہ ہے؟ انھوں نے فرمایا، یہ کام پہلے مذہب کرتا تھا، اب مذہب آؤٹ آف ڈیٹ ہو گیا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ اب کردار کی تعمیر کیسے ہو سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک وقوم کا ارتقاء اخلاق وکردار پر منحصر ہے۔ ہم انگریز کے اس لیے غلام ہوئے کہ ہمارے عوام وخواص نے چند پیسوں کے لیے انگریز کا ساتھ دیا۔ جن لوگوں نے انگریزوں کو ملک سے نکالنا چاہا وہ اس لیے ناکام ہوئے کہ ہمارے عوام وخواص بحیثیت مجموعی کردار سے محروم ہو گئے تھے۔ میں صرف ایک مثال دیتا ہوں۔ ٹیپو سلطان کی عظیم شخصیت اور انگریز کے خلاف ان کی کوششوں کو کون نہیں جانتا؟ وہ کیوں ناکام ہوئے؟ صرف اس لیے کہ دوسرے نوابوں اور راجاؤں نے ان کا ساتھ نہیں دیا، ان کے وزراء اور ان کی فوج کے افراد چند پیسوں کے لالچ میں انگریزوں سے مل گئے۔ جو ملک اخلاق وکردار سے تہی دست ہو جائے وہ ارتقا کیا کرے گا، اپنی آزادی کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔ ہمارا ملک اور ہمارا سماج کرپشن کا بری طرح شکار ہو چکا ہے۔ ہماری سیاست بھی اخلاق وکردار سے خالی، بدیانتی اور کرپشن کا شکار ہو گئی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ملک کے مسائل بری طرح الجھ کر رہ گئے ہیں اور پورا ملک درد وکرب سے کراہ رہا ہے۔

ہم اگر انسان بننا اور انسان بن کر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہم اخلاق وکردار کی تعمیر کا اہتمام کریں۔ ہم اگر چاہتے ہیں کہ ہمارے سماج اور ہمارے ملک کے مسائل حل ہوں تو اس کے لیے اخلاق وکردار کی تعمیر کی ضرورت ہے۔ ہم اگر چاہتے ہیں کہ ہمارا خدا ہم سے راضی ہو اور ہم مرنے کے بعد نجات پائیں اور جنت کی نعمتوں سے ہم کنار ہوں تو اس کا راستہ بھی یہی ہے کہ ہم خدا کی رضا کے لیے اپنے اور سماج کے اخلاق وکردار کی تعمیر کریں۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم زندگی کے سارے گوشوں اور تمام امور ومعاملات میں اخلاقی اصولوں کی پابندی کریں۔ سب لوگوں کے لیے اخلاق کا ایک ہی پیمانہ ہو، ہم سب انسانوں کو انصاف اور رحم کا مستحق سمجھیں۔ ہر حال میں سچ بولیں۔ ہر معاملے میں ایمان دار بنیں،

دوست دشمن سب سے انصاف کریں، سب کے کام آئیں، حرام خوری اور رشوت ستانی سے بچیں، اپنی ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کریں، اپنے فرائض کو کما حقہ پہچانیں۔ مختصر یہ کہ ہر حال میں بااخلاق و کردار رہیں۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہمارے پاس پوری زندگی کا ایسا نظام موجود ہو جو زندگی کے تمام شعبوں سے بحث کرتا ہو اور اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر زندگی کے سارے مسائل حل کرتا ہو۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعے وہ نظام ہر ملک اور ہر قوم میں بھیجا ہے اور اس کی تکمیل اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے فرمادی ہے۔ اسی دین، اسی اخلاقی نظام کا نام اسلام ہے جو سب ملکوں اور سب انسانوں کے لیے خدا کا بھیجا ہوا قانون زندگی ہے۔ لیکن پوری زندگی میں اخلاقی اصولوں پر چلنا اور نفع ونقصان سے بے نیاز ہو کر ہر حال میں ایمان دار، راست گو، حق پرست اور باکردار بننا سخت دشوار کام ہے۔ یہ دشوار ترین کام خدا پر یقین، اس کی ناراضگی کے خوف، اگلی زندگی میں خدا کے حساب و کتاب اور عذاب پر یقین سے آسان ہوتا ہے۔ اس کے بغیر انسان اپنے دنیوی فوائد سے دست بردار نہیں ہوسکتا اور نقصان اٹھا کر اور مصیبتیں جھیل کر نیکی کی راہ پر نہیں چل سکتا۔ یہ پوری انسانی تاریخ اور پوری انسانیت کے تجربے کا خلاصہ ہے۔ خدا پر ایمان، آخرت کے عذاب وثواب کا خوف، اللہ کی ناراضگی کا ڈر اور اس کی محبت میں سرشار ہو کر ہی انسان نیکی کی دشوار گزار راہ پر ثابت قدم رہتا اور بدی کی پرکشش اور رنگین راہوں سے کنارہ کش ہو پاتا ہے۔

پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ خدا اور آخرت پر ایمان ویقین اور اخلاق و کردار کی تلقین کے ساتھ باکردار افراد اور جماعتوں کے کردار ہی سے کردار پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہم سماج اور ملک کو باکردار بنانا چاہتے ہیں تو ایسی جماعتوں اور تنظیموں کی ضرورت ہے جو خدا اور آخرت پر یقین رکھتے ہوں، باکردار ہوں اور نیکیوں کو پھیلانے والی اور برائیوں کو مٹانے والی ہوں۔

اس وقت کا یہ اجتماع اس غرض سے بلایا گیا ہے کہ ہم اپنی، اپنے سماج اور اپنے ملک کی اسی سب سے اہم ضرورت پر سوچ بچار کریں۔ ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اس ضرورت کی تکمیل کے سلسلے میں ہم کیا رول ادا کر سکتے ہیں۔ جماعت اسلامی ہند ملک کی خدمت اسی پہلو سے کرنا

چاہتی ہے اور وہ اس سلسلے میں آپ کا تعاون چاہتی ہے۔

اس تقریر کے بعد حسب ذیل احباب نے اظہار خیال کیا:

۱۔ ڈاکٹر زیرو صاحب، ریسرچ اسکالر، دہلی

۲۔ بخشی جگدیو سنگھ صاحب سکھ برادرہڈ کے نمائندے، دہلی

۳۔ سردار پرتیم سنگھ صاحب، احمد آباد

۴۔ سوم چند مکوانا صاحب، ری پبلکن پارٹی، احمد آباد

۵۔ ہری ہر پرشاد صاحب، بہار شریف

۶۔ کنول چند صاحب۔ اتری کوروکشتیر

۷۔ لکھن لال، مانو صاحب، کانپور

اور بھی متعدد احباب بولنا چاہتے تھے لیکن وقت کی کمی کے باعث نہ بول سکے۔

(بیچ میں نماز عصر کے لیے نشست ملتوی ہوگئی تھی۔ نماز عصر سے نماز مغرب تک پھر ہوئی۔)

آخر میں صدر جلسہ نے مقررین کی تقریروں کی اہم باتوں کو اپناتے ہوئے کارروائی کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا۔ اپنی اور سماج کے اخلاق و کردار کی تعمیر کے لیے ضروری ہے کہ

۱۔ خدا پر یقین کیا جائے۔

۲۔ سارے انسانوں کو خدا کا کنبہ اور بھائی بھائی سمجھا جائے، سب سے پریم کیا جائے اور سب کے دکھوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ یقین رکھا جائے کہ اگلی زندگی میں ہمیں اپنے ایک ایک کام کا جواب دینا ہوگا۔ اور اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی۔ جنت یا دوزخ سے ہم کنار ہوں گے۔

۴۔ پوری زندگی میں اخلاقی اصولوں کی شدت سے پابندی کی جائے۔

آخر میں صدر جلسہ نے اپیل کی کہ ہم یہاں سے واپس جا کر ایسے غیر سیاسی سنگھٹن بنائیں جس میں مسلمان اور غیر مسلم سب شریک ہوں اور اس کے دو بنیادی کام ہوں:

۱۔ بے سہارا اور غریب لوگوں کی خدمت۔

۲ــ سماج سے برائیوں کو دور کرنا اور نیکیوں کو فروغ دینے کی کوشش کرنا۔

جماعت اسلامی ہند مسلمانوں اور غیر مسلموں، دونوں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اس مقدس اور اہم کام کی تکمیل کے لیے مل جل کر اس کے ساتھ تعاون کریں۔ وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے تعاون سے ان اہم اور مقدس کاموں کو انجام دینا چاہتی ہے۔ امید ہے کہ اس مقدس اور اہم کام کی تکمیل کے لیے جماعت اسلامی ہند کو مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کا تعاون ملے گا۔

مختصر روداد اجتماع ادبا و شعرا

جماعت اسلامی ہند کے پانچویں تاریخی کل ہند اجتماع کے موقع پر ۱۰ رنومبر ۱۹۷۴ء کی شب کو دہلی میں ادارۂ ادب اسلامی ہند کے زیر اہتمام ادبی وشعری نشست جناب عمر بن عبداللہ حیدرآبادی (جدہ۔سعودی عرب) کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔اس باوقار اور پرکیف نشست میں جن ممتاز اسلام پسند شعراء نے اپنا کلام سنایا ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

مولانا سید احمد عروج قادری (مدیر زندگی)، مولانا عامر عثمانی (مدیر تجلی)، حفیظ میرٹھی، مائل خیرآبادی (مدیر حجاب)، ابوالمجاہد زاہد، کیف نوگانوی۔ سید جمال احمد امین آبادی۔ عاشق کشمیری نائب مدیر روزنامہ ''اذان'' سری نگر، اختر بگھروی وغیرہ۔ابتدا میں صدر ادارہ ادب اسلامی ہند جناب اصغر علی عابدی نے صدر بزم جناب عمر بن عبداللہ صاحب کا تعارف کروایا اور ان کی دینی، علمی اور ادبی خدمات پر روشنی ڈالی۔جناب صدر نے اپنے صدارتی خطبے میں ادب اور زندگی کے رشتے کی اہمیت واضح کی اور اسلامی ادب کے خدوخال پر روشنی ڈالی۔نیز اسلام پسند ادیبوں اور شاعروں کو منظم طریقے سے اسلامی خطوط پر جدوجہد رکھنے کا مشورہ دیا۔جناب م نسیم (سابق مدیر نئی نسلیں) نے اپنے مخصوص انداز میں اناؤنسر کے فرائض انجام دیے۔

خصوصی تنظیمی نشستیں

اجتماع کے دوران ادارے کے تنظیمی مسائل پر غور وخوض کے لیے دو نشستیں ہوئیں۔
پہلی نشست ۸ رنومبر کو صبح ۹ بجے آڈیٹوریم میں ڈائس کے قریب ہوئی، جس میں

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر سید انور علی، پروفیسر عبدالمعز منظر، طیب عثمانی، ابوالمجاہد زاہد، کیف نوگانوی، اصغر علی عابدی، م نسیم، عاشق کشمیری، سید علی، احمد حسین، اختر بگھروی نے شرکت کی۔ دوسری نشست ۹ رنومبر کو قیام گاہ لکھنؤ ڈویزن پر نماز ظہر وعصر کے درمیان ہوئی۔ اس نشست میں اصغر علی عابدی، ابوالمجاہد زاہد، مائل خیر آبادی، سید منظور الحسن ہاشمی، عبدالمعز منظر، حفیظ میرٹھی، متین طارق، طیب عثمانی، کیف نوگانوی، لطیف عزیز (مدیر السبیل)، عاشق کشمیری، اختر بگھروی وغیرہ نے شرکت کی۔ ان نشستوں میں ادارۂ ادب اسلامی ہند کو کل ہند سطح پر منظم ومتحرک کرنے پر زور دیا گیا۔ کشمیر، تمل ناڈو، کیرلا کی علاقائی زبانوں کے ادیبوں نے بھی تعاون کا یقین دلایا۔ ادارے کے دستور میں ترمیم وتبدیلی کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اسلام پسند ادیبوں کی جانب سے ایک منشور کا مسودہ پیش کیا گیا جس پر غور وخوض ہوا۔ ادارے کے آرگن کا مسئلہ بھی زیر غور آیا جس کے لیے ایک خطیر رقم کی پیش کش کی گئی۔ سال آئندہ کی پہلی سہ ماہی میں ادارۂ ادب اسلامی ہند کی ایک آل انڈیا کانفرنس کی تجویز پیش ہوئی۔ یہ مجوزہ کانفرنس علی گڑھ میں منعقد ہوگی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک ممتاز لکچرر صاحب نے اس سلسلے میں ہر ممکن تعاون کی پیش کش کی۔

مولانا مودودی کے دو خطوط

ابوالاعلیٰ مودودی　　　　فون ۵۳۵۰۷

۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور۔ پاکستان　　　　حوالہ ۱۷۲۴۰

مورخہ ۲۷/۱ اکتوبر ۱۹۷۴ء

برادرم!　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

مجھے اس بات کی بڑی مسرت ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے درمیان ڈاک، تار اور ٹیلی فون کا رابطہ پھر سے قائم ہوگیا۔ اور اس سے فائدہ اٹھانے میں سبقت آپ کی طرف سے ہوئی۔ ٹیلی فون پر آپ سے بات کر کے اتنی ہی خوشی ہوئی جتنی برسوں کے بچھڑے ہوئے بھائی مل گئے ہوں۔ اگرچہ ٹیلی فون میں بے تحاشا کھر کھر ہو رہی تھی جس سے بمشکل ہی آپ کی بات سمجھ سکتا تھا، لیکن مجرد رابطہ ہی قلبی اطمینان کے لیے کافی تھا۔

میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے جماعت اسلامی ہند کے سالانہ اجتماع میں شرکت کی مجھے دعوت دی۔ میری خود بھی برسوں سے یہ تمنا تھی کہ کبھی ہندوستان جانے کا اور اپنے بھائیوں اور دوستوں سے ملنے کا موقع ملے۔ خصوصاً آپ کی جماعت کے سالانہ اجتماع میں حاضری تو ایک نعمت غیر مترقبہ تھی جس کی میں کبھی توقع ہی نہ رکھتا تھا، لیکن افسوس یہ ہے کہ اس معاملہ میں بہت سے عوائق حائل ہیں۔ اول تو میری جوڑوں کی تکلیف آج کل بہت بڑھی ہوئی ہے جس کی وجہ سے چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا تک مشکل ہوگیا ہے۔ حتٰی کہ نماز میں سجدہ اور قعدہ تک کرسی پر بیٹھ کر ہی کرسکتا ہوں، دوسرے میرے پاسپورٹ میں ہندوستان کا اندراج نہیں ہے۔ تیسرے ابھی تک پاکستان اور ہندوستان کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا

ہے اور جو لوگ ادھر سے ادھر آئے ہیں یا ادھر سے ادھر گئے ہیں وہ دونوں حکومتوں کی خواہش اور رضا مندی سے ہی ایسا کر سکتے ہیں، ان موانع کا ۸/ نومبر تک دور ہو جانا متوقع نہیں ہے۔ لہٰذا اگر میں حاضر نہ ہو سکوں تو میری طرف سے اجتماع کے موقع پر تمام حاضرین کو سلام پہنچا دیں۔ میں ان کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت لے اور وہ بھی میرے حق میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے زندگی کی آخری ساعت تک دین کی خدمت کرنے کے قابل رکھے۔

والسلام

آپ کا بھائی

ابوالاعلیٰ

ابوالاعلیٰ مودودی — فون ۵۲۵۰۷

اے۔ ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور، پاکستان — حوالہ ۱۸۵۶

تاریخ ۱۶/ نومبر ۱۹۷۴ء

برادر عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ۲۵/ اکتوبر کا لکھا ہوا خط مجھے آج ۱۶/ نومبر کو ملا ہے۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ میرے لیے ۲۷ سال بعد اپنے بچھڑے ہوئے بھائیوں سے ملنا کس قدر مسرت کا موجب ہوتا، اور دہلی کے اجتماع میں شرکت کا موقع تو ایسا تھا کہ میں اسے چھوڑنا کسی طرح پسند نہ کر سکتا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ میری معذوری و بیماری کے علاوہ دوسرے عوائق اس آرزو کو پورا کرنے میں مانع ہوئے۔ آپ کے اجتماع کی کامیابی کا کچھ حال دعوت کے اس پرچے سے معلوم ہوا جس میں آپ کا خطبۂ صدارت شائع ہوا ہے۔ اس کے بعد سے کوئی پرچہ ابھی تک نہ مل سکا۔ جس سے پوری تفصیلات معلوم ہوتیں۔ آپ کا خطبۂ صدارت ہر لحاظ سے بہت خوب تھا۔ میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی تائید آپ کے شاملِ حال ہو۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

مہمانوں کا خیر مقدم

امیر جماعت اسلامی ہند جناب محمد یوسف صاحب کی عربی تقریر کا ترجمہ جو انھوں نے بیرون ملک کے اکابر کے سامنے کی تھی۔

بزرگو اور دوستو! السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہ

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا اور اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ابد الآباد تک اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں اور آپ کے آل واصحاب اور آپ کے لائے ہوئے دین کی خدمت میں مصروف داعیانِ حق پر بھی اللہ اپنی رحمتیں نچھاور کرے۔

سب سے پہلے میں ممتاز شخصیتوں اور فاضل اور جلیل القدر بھائیوں کو خاص طور پر اور تمام حاضرین و حاضرات کو عام طور پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ان کا خیر مقدم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ وہ ہمارے اس اجتماع کو نتیجہ خیز بنائے۔ مسلمانوں کے دلوں میں الفت و محبت پیدا کرے اور ملی شیرازہ بندی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے۔ آمین

حضرات! جماعت اسلامی ہند کا یہ پانچواں کل ہند اجتماع ہے۔ ہمارا پہلا کل ہند اجتماع 1951ء میں شہر رام پور میں منعقد ہوا تھا۔ دوسرا ۱۹۵۲ء میں شہر حیدر آباد میں، تیسرا ۱۹۶۰ء میں دہلی میں، چوتھا ۱۹۶۷ء میں حیدر آباد میں منعقد ہوا تھا۔ لیکن ہمارا یہ پانچواں کل ہند اجتماع

سابقہ چاروں اجتماعات سے ممتاز اور اہم ہے۔اس کے امتیاز و اہمیت کی یوں تو متعدد وجوہ ہیں لیکن اہم وجوہات یہ ہیں:

۱—امتیاز کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس میں اسلام کے وہ مخلص داعی بھی شریک ہیں جو مختلف ممالک اور مختلف میدانوں میں دین کی خدمت کے لیے کوشاں اور اس کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ ملتِ اسلامیہ کے نبض شناس ہیں، اس کے امراض پر بھی ان کی نگاہ ہے اور ان کے علاج سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔

ہمیں بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ آج ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار ہم ان داعیانِ اسلام سے اجتماع کے اس روح پرور ماحول میں ملاقات کر رہے ہیں۔ ان کے سامنے اگرچہ بہت سی رکاوٹیں اور دشواریاں تھیں لیکن پھر بھی انھوں نے ہماری دعوت کو قبول فرمایا اور اپنے ہندوستانی بھائیوں سے ملاقات کرنے کے لیے سفر کی صعوبتیں اٹھائیں تاکہ اپنی پند و موعظت اور ہدایت و رہ نمائی سے انھیں دینی غذا بہم پہنچائیں اور ان کے درمیان بھائی چارہ اور ایثار و قربانی کے جذبات و احساسات کی آبیاری کریں۔

۲—اس کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ مختلف کالجوں، یونیورسٹیوں اور اسلامی مدارس کے طلبہ بھی اس میں شریک ہیں، ان کے لیے ایک نشست مخصوص کی گئی ہے جس کا خاص مقصد یہ ہے کہ ان کے لیے دینی تربیت کا موقع فراہم ہو اور عالمی سطح پر جن مسائل سے وہ دوچار ہیں ان کا علمی تجزیہ سامنے آئے۔ پھر جو تقریریں اس نشست میں کی جائیں، انھیں پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے دلیل راہ بنا کر مستقبل کے لیے کوئی نقشہ کار متعین کیا جائے۔ ساتھ ہی یہ فائدہ حاصل کرنا بھی پیش نظر تھا کہ ان کے درمیان باہم دگر تعارف کی ایک بار پھر تجدید ہو جائے۔

۳—اس اجتماع کا تیسرا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں ہندوستان کے وہ ممتاز علمائے اسلام بھی شریک ہیں جو فکر و نظر کی پختگی کے اعتبار سے اسلامی فکر کے قائد کہے جاسکتے ہیں۔ وہ یہاں سر جوڑ کر بیٹھیں گے اور اسلام اور مسلمانوں کے اہم تر مسائل پر مل جل کر غور و خوض کریں گے۔

۴-اس کے امتیاز کا چوتھا پہلو یہ ہے کہ جماعت کے ذمہ داروں کے زیر نگرانی اس میں ایک نشست غیر مسلموں کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ جس کے پیش نظر غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا مقصد حاصل کرنا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہی ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اجنبیت کی دیواریں ٹوٹیں اور ربط وتعلق کی بند راہیں کھلیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو شکوک وشبہات ان کے ذہنوں میں پیدا کر دیے گئے ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔

۵- پانچویں خصوصیت واہمیت کی چیز جماعت اسلامی سے متعلق خواتین کا اپنا مخصوص اجتماع ہے جس کے تمام پروگراموں کو وہ بذاتِ خود انجام دیں گی۔ یہ خواتین ملک کے مختلف دور دراز مقامات سے اس اجتماع میں شرکت کے لیے آئی ہیں۔

یہ سارے اجتماعات علیحدہ آڈیٹوریم میں منعقد کیے گئے ہیں۔

اس کے بعد میں چاہتا ہوں کہ جماعت اسلامی ہند کا ایک سرسری جائزہ آپ لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

جماعت اسلامی ہند ایک دینی وفکری تحریک ہے جو ہندوستان میں ۲۷ سال سے اقامتِ دین کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ اس کا دائرہ کار اب مختلف میدانوں تک پھیل چکا ہے جس کی وجہ سے یہ تحریک پورے ہندوستان میں ایک جانی پہچانی تحریک بن چکی ہے۔ ہندوستان کا کوئی شہر اور کوئی گاؤں ایسا نہیں ہے جہاں اس کا تعارف نہ ہو چکا ہو اور وہاں کے لوگ عملاً اس سے کچھ کچھ دلچسپی نہ لینے لگے ہوں۔

جماعت ہر صوبے میں منظم طور پر اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ چنانچہ صوبائی سطح پر اکثر وبیشتر حلقوں میں اس کا ایک ایک امیر جماعت مقرر ہے، جو وہاں کی تنظیمی سرگرمیوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری انجام دیتا ہے۔

جماعت کی سرگرمیاں یوں تو مختلف میدانوں اور شعبوں میں پھیلی ہوئی ہیں جن کا ذکر طوالت کا موجب ہوگی البتہ اس کی کچھ اہم سرگرمیاں درج ذیل ہیں:

۱- بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے دینی درس گاہوں کا قیام۔ چنانچہ اب

تک ایسی ۵۵ درس گاہیں قائم کی جاچکی ہیں اور انھیں منظم طور پر چلایا جارہا ہے۔

۲۔ مختلف شہروں اور دیہاتوں میں سیکڑوں کی تعداد میں غیر سودی مراکز کا قیام۔

۳۔ اسپتالوں کا قیام۔ اس سلسلے میں حیدر آباد میں جماعت نے زچہ بچہ کا ایک بہت بڑا اسپتال قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ مقامی جماعتوں نے مختلف علاقوں میں فری ڈسپنسریاں قائم کی ہیں جہاں مفت علاج ہوتا ہے۔

۴۔ دست کاری کی ٹریننگ۔ اس مقصد کے لیے جماعت نے دسیوں صنعت گاہیں قائم کی ہیں جہاں ہاتھ کی مختلف صنعتوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام رہتا ہے۔

۵۔ نوجوانوں کی دینی تعلیم کی غرض سے لائبریریوں اور تعلیمی سینٹروں کا قیام تاکہ طلبہ کے لیے دینی تربیت کے مواقع فراہم ہوں۔

۶۔ مصیبت زدہ عام انسانوں کے لیے جماعت ریلیف کے کام میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے۔ چنانچہ ہندوستان کا ہر شخص یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات، قحط، بھوک مری اور سیلاب سے متاثر عام انسانی گروہوں کی جماعت نے بلا لحاظ مذہب وملت ہمیشہ خدمت اور مدد کی ہے۔ اس سلسلے میں اب تک تقریباً چالیس لاکھ روپے صرف کیے جاچکے ہیں۔

۷۔ صحافت اور تصنیف وتالیف کے میدان میں جماعت نے شروع ہی سے پوری دل چسپی لی ہے۔ چنانچہ ملک کی تمام اہم صوبائی زبانوں میں اس نے کتابیں شائع کیں، اخبارات ورسائل جاری کیے جنھوں نے اسلام کی دعوت کو فروغ دینے اور اس کا عام تعارف کرانے میں مثبت طور پر موثر کردار ادا کیا ہے اور باطل عقائد و نظریات کی بیخ کنی کا اہم فریضہ ادا کیا ہے۔

۸۔ غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ۔ اس سلسلے میں جماعت شروع ہی سے یہ کوشش کرتی رہی ہے کہ غیر مسلموں میں اسلام کا وسیع پیمانے پر تعارف کرایا جائے کیونکہ جماعت یقین رکھتی ہے کہ اسلام صرف مسلمانوں کی ملکیت نہیں ہے۔ چنانچہ ہزاروں غیر مسلموں سے جماعت کے اچھے روابط ہیں۔

جماعت سے باضابطہ تعلق رکھنے والے ارکان کی تعداد اگرچہ صرف دوہزار تین سو ہی ہے لیکن اس سے اتفاق کرنے والے اور اس کے کاموں میں عملاً تعاون پیش کرنے والے افراد کی تعداد پچاس ہزار سے بھی متجاوز ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ جماعت ہر کس و ناکس کو اپنا ممبر نہیں بنالیتی بلکہ وہی لوگ اس کے باضابطہ ممبر بن سکتے ہیں جو دینی شرائط کے ایک مخصوص معیار پر پورے اترتے ہوں۔

جماعت اسلامی اور مسئلہ فلسطین

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جماعت اسلامی ہند نے مظلوم فلسطینیوں کے لیے امدادی فنڈ جمع کرنے میں اپنی حدتک پوری کوشش کی اور آل انڈیا فلسطین کانفرنس کے معاملے مین بعض دوسری پارٹیوں سے اشتراک وتعاون کیا۔ اس کے علاوہ جماعت کے تمام اخبارات ورسائل مسئلہ فلسطین کی حمایت کرتے رہے اور عالم اسلام کے قلب میں اسرائیلی عناصر کے وجود پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے رہے ہیں۔

آپ کے سامنے یہ بات لانا بھی میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ابھی حال ہی میں، میں نے مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا تھا تا کہ اس سلسلے کی جماعت کی سرگرمیوں کا وہاں تعارف کرایا جاسکے اور ہندوستانی مسلمانوں کے حالات اور یہاں کے دوسرے مسائل ومعاملات سے وہاں کے مسلمان بھائیوں کو آگاہ کیا جاسکے اور جو عرب بھائی مقاماتِ مقدسہ کی بازیابی کے لیے کوشش کررہے ہیں ان کی تائید وحوصلہ افزائی کی جائے۔

عالم اسلام میں منعقد ہونے والی مختلف اسلامی کانفرنس میں بھی جماعت نے سرگرم حصہ لیا۔ مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والی اسلامی تنظیموں کی کانفرنس میں بھی جماعت نے شرکت کی۔ طرابلس میں موتمر الشباب العالمیہ الدعوۃ اسلامیہ میں بھی اس نے حصہ لیا۔ اسی طرح الجزائر کی اسلامی کانفرنس میں بھی وہ شریک رہی اور ندوۃ الشباب العالمیہ الدعوۃ الاسلامیۃ ریاض میں بھی اس نے پورا پورا حصہ لیا۔

میرے معزز بھائیو! میں سمجھتا ہوں کہ اس مختصر جائزے سے آپ پر یہ بات پوری طرح

واضح ہو چکی ہوگی کہ جماعت اسلامی ہند ایک خالص دینی تحریک ہے جو اقامت دین کے لیے جدو جہد کر رہی ہے۔ وہ دینی حدود سے کسی حال میں تجاوز نہیں کرتی۔ اس کا عقیدہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور اس کا واحد مدعا و مقصد یہ ہے کہ اس زمین پر دین کا قیام و نفاذ عمل میں آئے۔ جیسا کہ اس سے قبل متقدمین صلحا کے ہاتھوں دین کی یہ خدمت انجام پاتی رہی ہے۔

آخر میں میں آپ کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جس سے آپ حضرات بخوبی واقف ہوں گے اور وہ یہ کہ دورِ حاضر کا انسان حیرانی و پریشانی کے عالم میں آج چوراہے پر کھڑا ہوا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ امن و امان اور عدل و اطمینان کی زندگی کس راہ اور کس سمت کو اختیار کرنے پر اسے ہاتھ آسکتی ہے۔ اس نے مروجہ تمام نظام ہائے زندگی کا تجربہ کرلیا لیکن ان میں سے کوئی اسے امن و عافیت اور دنیا و آخرت کی کامرانی سے ہم کنار نہ کرسکا۔ اور ہمارا اعتقاد و یقین یہ ہے کہ وہ کامل نظام جو اللہ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے وہی انسان کو امن و سکون کی نعمتیں بخش سکتا ہے۔ جماعتِ اسلامی اسی دین کو اس کے پورے مفہوم کے مطابق بغیر کسی کم و کاست کے قائم کرنے کا عزم لے کر اٹھی ہے۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کو دعوتِ اسلامی کی تاریخ کا سنگ میل بنائے اور وہ اسلام کے حق میں بہترین نتائج و ثمرات کی موجب بن سکے۔

میں ایک مرتبہ پھر اپنے ان معزز مہمانوں کا خیر مقدم کرتا ہوں جو باہر سے تشریف لائے ہیں۔

اس موقع پر ہمیں یک گونہ افسوس بھی ہو رہا ہے کہ ہم نہ تو انھیں سفر کے لوازمات بہم پہنچا سکے اور نہ خاطر خواہ طور پر قیام کی سہولتیں ہی فراہم کر سکے۔ اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ ان باتوں کا خیال نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے سفر کو جہاد فی سبیل اللہ اور مقبول عبادت کا درجہ دے اور انھیں اعمال صالحہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔

خیر مقدمی صدارتی تقریر

مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی

[۱۰ر نومبر ۱۹۷۴ء صبح کے اجلاس عام برائے شرکاء ومدعوئین کی صدارت مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی نے کی تھی۔ یہ اس کی افتتاحی تقریر ہے۔]

محترم حاضرین! جیسا کہ آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ جماعت اسلامی کی جو پانچویں کل ہند کانفرنس دوروز قبل شروع ہوئی تھی اس کی یہ ایک نہایت اہم اور مخصوص نشست ہے۔ اس کی اہمیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں دنیا کے مختلف حصوں سے بہت سے ممتاز علماء اور دینی تحریکات کے رہ نما تشریف فرما ہیں۔ میں اپنے لیے فخر واعزاز کی بات سمجھتا ہوں کہ جماعت اسلامی ہند کی طرف سے ان تمام حضرات کا خیر مقدم کروں۔ ایسے حضرات کی ہندوستان میں تشریف آوری ہم اپنے لیے، عام مسلمانانِ ہند کے لیے، تمام باشندگانِ ملک کے لیے اور ان تمام ملکوں کے لیے جہاں سے یہ حضرات تشریف لائے ہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے باعثِ خیر و برکت سمجھتے ہیں۔ آپ سب حضرات اس سے واقف ہیں کہ اس زمانے میں دنیا وسائل وذرائع اور مواصلات کی کثرت وتوسیع کی بنا پر سمٹ چکی ہے اور حالات کچھ اس رخ پر چل رہے ہیں کہ اس زمانے میں کوئی ملک خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اپنے آپ کو اس کے لیے مجبور پاتا ہے کہ دوسرے ملکوں سے زیادہ سے زیادہ ربط وتعلق پیدا کرے اور ایک دوسرے کے بارے میں صحیح معلومات رکھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے، جیسا کہ آپ دیکھتے ہوں گے کہ ہندوستان میں آئے دن مختلف ممالک کے ممتاز افراد اور وفود آتے رہتے ہیں اور یہاں کے

حضرات بھی اور خود ذمہ داران حکومت بھی اپنے مصالح ومفادات کے تحت دنیا کے مختلف خطوں کا سفر کرتے رہتے ہیں۔ہم سمجھتے ہیں کہ ایشیا اور افریقہ اور دنیا کے دیگر حصوں کے بہت سے حضرات جو یہاں تشریف لائے ہیں وہ نہ صرف اس ملک کے لیے بلکہ ان ملکوں کے لیے کہ جہاں سے وہ تشریف لائے ہیں ان شاء اللہ صحیح معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگا اور اس سے سب سے بڑا فائدہ یہ بھی حاصل ہوسکتا ہے کہ ہم دوسرے ملکوں کے بارے میں اور دوسرے ملکوں کے حضرات خود ہمارے ملک کے بارے میں کچھ غلط فہمی میں، ناقص معلومات کی بنا پر، اگر مبتلا رہے ہوں گے تو ان کا ازالہ ہو سکے گا۔ یہ ایک عمومی پہلو ہے جس سے تمام ملک کو اور اہل ملک کو ان شاء اللہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے ہم اس میں اپنے لیے بہت زیادہ خیر وبرکت محسوس کررہے ہیں۔آپ سب حضرات اس سے واقف ہیں کہ دین اسلام وہ دین ہے جس نے اپنے ماننے والوں پر جہاں بہت سے فرائض عائد کیے ہیں ان میں سب سے بڑا فریضہ ایک یہ بھی ہے کہ وہ دین کی کی تبلیغ واشاعت کو اپنا مقصدِ زندگی قرار دیں۔اقامت دین اور شہادتِ حق امت مسلمہ کا اولین فریضہ ہے اور اس امت پر اللہ کی یہ رحمت رہی ہے کہ اس نے ہر زمانے میں مسلمانوں کو بہرحال کم وبیش اس کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ اپنے اس فرض سے غافل نہ رہیں۔ چنانچہ اسی احساسِ ذمہ داری کا نتیجہ ہے کہ تبلیغ اور اشاعتِ دین کا کام ابتدائے اسلام سے اس وقت تک برابر جاری ہے۔ بحمداللہ ہر ملک میں دین کے احیاء اور تجدید کے لیے کام کرنے والے افراد اور جماعتیں موجود رہی ہیں۔لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک افسوس ناک بات ہے کہ یورپ کے سیاسی اور تہذیبی غلبہ کے بعد اور مادیت کے استیلا وتسلط کے نتیجے میں ایک عارضی وقفہ میں مسلمانوں نے اپنے اس فرض کو فراموش تو نہیں کیا لیکن اس کے سلسلے میں یقیناً ان سے غفلتیں سرزد ہوتی رہی ہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ حالات کی تبدیلیوں کے بعد مسلمانوں میں نہ صرف یہ کہ احیاء وتجدیدِ دین کا جذبہ پیدا ہوا ہے بلکہ اس میں جوش وخروش بھی پیدا ہوا ہے کہ سابقہ مدت میں ان سے جو کوتاہیاں سرزد ہوئی تھیں ان کی کم سے کم مدت میں تلافی کرسکیں۔اسی بنا پر آپ دیکھتے ہیں کہ

اس وقت پورے عالم اسلام میں حرکت پائی جاتی ہے، ان میں جدو جہد کا جذبہ پیدا ہو چکا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسی کے ساتھ ان کے اندر یہ احساس بھی تیزی کے ساتھ ابھر رہا ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں میں احیائے دین اور تجدیدِ دین کی خدمت انجام دینے والی جتنی بھی جماعتیں ہیں ان میں باہم ربط و تعلق پیدا ہو، ایک دوسرے کے حالات سے، ایک دوسرے کی سرگرمیوں سے، ایک دوسرے کی مشکلات سے وہ واقف ہوں اور ان مشکلات کو حل کرنے کے لیے ہر ہر ملک میں جو کوششیں کی جارہی ہیں ان سے واقفیت حاصل کی جائے۔ تاکہ اس ربط و تعلق اور تعارف کے نتیجے میں خود اس طرح کی تمام کوششوں میں تنظیم و توثیق پیدا ہو سکے۔

آپ سب حضرات اس سے بھی واقف ہوں گے کہ ابھی پچھلے چند ماہ میں اسلامی ملکوں میں متعدد اسلامی کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ ابھی گزشتہ اپریل میں خود مکہ مکرمہ میں مؤتمر المنظمات الاسلامیہ کے نام سے ایک بہت بڑی کانفرنس ہوئی تھی جس میں دنیا کے مختلف خطوں کی جماعتوں کے نمائندے شریک تھے اور مجھے بھی یہ فخر حاصل ہوا تھا کہ جماعت اسلامی کے ایک ادنیٰ نمائندے کی حیثیت سے میں اس میں شریک ہوا تھا۔ اور پھر یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے امیر جماعت اور جماعت کے دوسرے بہت سے ممتاز ارکان اس طرح کی متعدد کانفرنسوں میں جو اس سے پہلے باہر منعقد ہوتی رہی ہیں، شریک ہوتے رہے ہیں۔

بہر حال ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ مسلمانوں میں بیداری کی ایک خاص لہر پیدا ہو چکی ہے اور اس کے نتیجے میں ان کے اندر ایک دوسرے سے قریب آنے کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ ہمیں اس سے بہت کچھ توقعات بڑھتی ہیں اور ہمیں امید ہے کہ ان شاء اللہ اگر مسلمانوں میں یہ جذبہ باقی رہا تو اس کے بہت ہی دور رس نتائج پیدا ہوں گے۔ جو نہ صرف تمام مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام عالمِ اسلام کے لیے اور ساری دنیا کے لیے باعثِ خیر و برکت ثابت ہوں گے۔ اس لیے کہ اسلام وہ دین ہے جو تمام دنیا کے لیے باعثِ رحمت ہے اور اس کی رہنمائی کے تحت دنیا کا اس کے اصولوں کو قبول کر لینا اس کے لیے باعثِ رحمت و برکت ثابت ہو سکتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے جو معزز مہمان باہر کے ملکوں سے تشریف لائے ہیں وہ اس بات سے

واقف ہوسکیں گے کہ ہندوستان میں دین کے لیے کیا کیا خدمات انجام دی جارہی ہیں، ملک میں کتنی جماعتیں ہیں، ان کے کیا کارنامے ہیں، کیا کوششیں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو اس بات سے ناواقف ہو کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ جذبہ کچھ اس زمانے کی پیداوار نہیں ہے بلکہ اللہ کا فضل رہا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان علم دین کی خدمت میں شاید پیچھے نہیں رہے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے علماء و مصنفین پیدا ہوتے رہے ہیں جن کی کتابوں کو خود عرب ممالک میں بھی بہت ہی قدرو اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ان سب چیزوں سے واقفیت ان کے لیے مفید ہوگی اور وہ جو کچھ خدمت انجام دے رہے ہیں جو تھوڑی دیر میں یہ حضرات خود بتائیں گے۔ یہ بات تو ہم سب کے ذہن میں واضح ہی ہوگی کہ ہمارا اور ان کا ایک دوسرے سے یہ افادہ واستفادہ یہ معنی ہرگز نہیں رکھتا کہ ہم ان سے دین کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں معلوم کریں گے یا وہ اس کے ضرورت مند اور محتاج ہیں کہ وہ ہم سے اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کریں، ظاہر ہے کہ دین کی ساری باتیں جو کچھ بھی ہیں وہ سب کتاب وسنت میں محفوظ ہیں اور کتاب وسنت کا ذخیرہ دنیا کے ہر خطے میں بقدر وافر موجود ہے اور ان سے استفادہ کرنے والے لوگ ہر جگہ موجود ہیں۔ اسی طرح ہم اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے نہ وہ حضرات ہی اس کی ضرورت سمجھتے ہیں کہ اس دین کی نشرواشاعت کے سلسلے میں جو مناہج وطرق ہوسکتے ہیں وہ سب کے سب اس قابل ہیں کہ وہ انھیں اپنے ملک میں استعمال کریں یا وہ اپنے ملکوں میں جو مناہج وطریقِ دعوت اختیار کرتے ہیں ہم اس کے محتاج ہیں کہ انھیں اختیار کریں۔ ظاہر ہے کہ اس کا ماخذ بھی وہی قرآن وسنت ہیں اور ان سے جس طرح ہم استفادہ کرتے ہیں وہ بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ملک کے لوگ اپنے مخصوص حالات وظروف کے تحت جو طریقے اختیار کرتے ہیں اور ان کو اپنے حالات وظروف کی رعایت ہی سے دعوت وتبلیغ کے طریقے اختیار کرنے چاہییں، ضروری نہیں ہے کہ ہم جو طریقے تفصیلی طور سے اپنے ملک میں دعوت وتبلیغ کے لیے اختیار کررہے ہوں وہ بھی اختیار کریں یا وہ جو کچھ اختیار کررہے ہوں ہم بھی اختیار کریں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا ایک دوسرے کا ان سب چیزوں سے تفصیلی طور پر واقف

ہونا مفید ہی رہے گا۔ اورہم اس سے ان شاء اللہ پورا پورا فائدہ اٹھاسکیں گے۔ پھر اس کے ساتھ میں یہ اظہار کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ حضرات ملکی مفادات کے سلسلے میں چاہے اس لحاظ سے بہت زیادہ مفید نہ ثابت ہوں کہ بہرحال ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جو ملک کی حکومت کی طرف سے نمائندہ بن کر آیا ہو اور اس کے ذریعہ ان کی آمد سے ملکی مفادات کی تکمیل کے سلسلے میں کوئی مدد مل سکے لیکن اسی کے ساتھ یہ سب شخصیتیں وہ ہیں جن کا ایک حلقۂ اثر ہے۔ ان میں کتنے ہیں جو چھوٹی بڑی جماعتوں کے سربراہ اور راہ نما ہیں اس لیے ان کا یہاں کے صحیح حالات سے باخبر ہو کر کے واپس جانا ان شاء اللہ ملکی پہلو سے بھی مفید ہی ثابت ہوگا۔ بہرحال یہ گوناگوں فوائد ہیں کہ جن کے تحت ان حضرات کو یہاں تشریف لانے کی دعوت دی گئی اور ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں اور ان تمام حضرات کے بھی مشکور ہیں کہ انھوں نے زحمتِ سفر برداشت کی اور ہماری دعوت پر یہاں تشریف لائے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ان حضرات کا بھی شکر یہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ میں یہاں ایک بات کی وضاحت اور بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ ان حضرات کی یہاں تشریف آوری ظاہر ہے محض اخوتِ دینی کے جذبے کے تحت ہوئی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے اس اجتماع کے انعقاد کا ایک بڑا اور اہم مقصد یہ بھی ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے واقف ہوں اور ایک دوسرے کی معلومات سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں، لیکن یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ وحدت اور اتفاق بین المسلمین کا نام ماضی میں بہت سے حضرات نے بہت ہی غلط مقصد کے لیے استعمال کیا اور اس کے نتیجے میں یا بہت سے حضرات اپنی ناواقفیت کی بنا پر وحدتِ دین کے بارے میں خاص طور سے ہمارے ملک میں بہت زیادہ غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں، تفصیل میں جانے کا تو موقع نہیں ہے اس لیے کہ آپ حضرات اس موقع پر اس کے مشتاق ہوں گے کہ اپنے معزز مہمانوں کی زبانی کچھ باتیں سنیں لیکن اختصار کے ساتھ میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ وحدتِ دین کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کسی کے لیے بھی خطرے کا سبب بن سکتی ہو بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس سے دنیا کو فائدہ ہی پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے کہ دین جس وحدت کا داعی ہے، جس تعاون بین المسلمین کی دعوت دیتا ہے اس کے معنی ظلم کی حمایت کے نہیں ہیں بلکہ درحقیقت حق کی حمایت کرنا ہے۔ مسلمان قرآن کی رو سے بھی اس کے پابند ہیں

کہ ’تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ‘(جو کام نیکی اور خداترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو، اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اور پھر اسی کے ساتھ ہمیں امید ہے کہ مسلمانوں کا ایک دوسرے سے ملنا، بشرطیکہ دین کی خاطر ہو اور اس وحدتِ کلمہ کی بنیاد محض دین ہو تو اس سے ان شاء اللہ دین کو فائدہ ہی پہنچ سکتا ہے۔

اس مختصر گفتگو کے بعد چاہتا ہوں کہ یہی باتیں جو میں نے آپ کے سامنے اردو میں پیش کی ہیں، عربی میں بھی پیش کردوں۔

مجھے امید ہے وہ حضرات جو کچھ فرمائیں گے اسے آپ غور سے سماعت فرمائیں گے۔

اختتامی کلمات

مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی

محترم حاضرین!

اللہ تعالیٰ کا فضل اور شکر و احسان ہے کہ ہمارا یہ اجتماع خیر و خوبی کے ساتھ ختم ہورہا ہے۔ میں آپ حضرات کی طرف سے اور اپنی طرف سے اپنے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کر چکا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے اس احساس میں آپ تمام حضرات شریک ہوں گے کہ ان حضرات کی یہاں تشریف آوری ہمارے لیے خیر و برکت کا سبب ہے۔ پھر انھوں نے اپنی تقریروں کے ذریعہ جو معلومات پیش فرمائی ہیں اور جو قیمتی نصیحتیں ہمیں دی ہیں ان شاء اللہ وہ ہمارے لیے بہت مفید ثابت ہوں گی، ہم اپنے معاملات و مشکلات کو حل کرنے کے سلسلے میں اور ہندوستان میں جو دینی کام ہورہا ہے اس کے سلسلے میں، ان سے فائدہ اٹھاسکیں گے۔ ہم خاص طور پر اپنے مہمانوں کے اس لیے مشکور ہیں کہ محض دین اور اہل دین کے ساتھ محبت اور تعلق کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ اتنے دور دراز ممالک سے یہ حضرات کسی اور غرض سے نہیں بلکہ محض اس لیے کہ آپ حضرات سے ان کا ربط و تعلق قائم ہو، ایک دوسرے سے ملاقاتیں ہوں، ایک دوسرے کی معلومات سے فائدہ اٹھاسکیں۔ صرف اسی غرض کے لیے انھوں نے یہ زحمت برداشت کی ہے۔ ہم سب ان کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ آپ حضرات میرے اس احساس میں بھی شریک ہوں گے کہ ان کی اس تشریف آوری سے اور جو خیالات انھوں نے یہاں پیش فرمائے ہیں ان سے بھی آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ درحقیقت دین کا تعلق کتنا مضبوط تعلق

ہے اور اسی کے ساتھ آپ نے یہ بھی محسوس کیا ہوگا کہ دین بحمداللہ ایک زندہ قوت کی حیثیت سے تمام دنیا میں موجود ہے اور اس کے احیاء وتجدید کے لیے ہر جگہ مسلسل مخلصانہ کوششیں کی جارہی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دین پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے اور دین کی دعوت پیش کرنے اور دوسروں تک اس کو پہنچانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

یہ بات بھی ہمارے لیے مسرت کی موجب ہے کہ ہمارے ان معزز مہمانوں نے جو باتیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں ان میں سے، جیسا کہ آپ حضرات نے محسوس بھی کیا ہوگا، اکثر وہ باتیں ہیں جو پہلے ہی سے ہمارے پیش نظر رہی ہیں اور یہ کوئی اتفاق کی بات نہیں ہے اور نہ کوئی عجیب بات ہے۔ درحقیقت خیالات کی یکسانی، فکر کی وحدت یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ درحقیقت کتاب وسنت ان تمام لوگوں کے سامنے ہیں کہ جو دین کی خدمت کررہے ہیں خواہ وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں، وقت نہیں ہے کہ میں تفصیل کے ساتھ ان سب چیزوں پر روشنی ڈالوں، لیکن چند باتوں کی طرف اشارہ کردینا چاہتا ہوں۔ یہ بھی محض ان لوگوں کے پیش نظر کہ جو جماعتِ اسلامی اور اس کے طرزِ فکر سے واقف نہ ہوں۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ہمارے معزز مہمانوں کی اکثریت نے اس بات کے اوپر زور دیا ہے کہ مسلمانوں کا اصل فریضہ دنیا میں اقامتِ دین، شہادت حق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، یہ سب کا فرض ہے اور مقررین نے اس سلسلے میں آیتیں اور حدیثیں بھی آپ کے سامنے پیش فرمائی ہیں۔ یہ باتیں اگرچہ آپ کے لیے نئی نہیں ہیں لیکن میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ درحقیقت یہی وہ بات ہے جس کو جماعت اسلامی ہند نے اتنی اہمیت دی ہے کہ اس کو اس نے اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔
پھر اسی کے ساتھ آپ نے دوسری بات یہ بھی محسوس کی ہوگی کہ ان تمام حضرات نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کی بنیاد پر متحد ومجتمع ہونے کی ضرورت ہے۔ یہ خود ہماری دعوت کا بھی ایک نہایت ضروری جزء ہے، ہم مسلمانوں کو اس کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں اور انھوں نے بھی اس کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے کہ فروعی مسائلِ دین یہ اہمیت نہیں رکھتے کہ ان کی وجہ سے خود مسلمانوں میں تفریق قائم ہو اور ان کے اندر اختلافات پیدا ہوں۔ یہ فروعی مسائل بہرحال کفر واسلام کی بنیاد نہیں ہیں۔ ان مسائل کی حیثیت بہرحال یہی ہے اور ان میں لوگوں کو

زیادہ شدت نہیں اختیار کرنی چاہیے بلکہ جو جس مسلک پر بھی عمل کرتا ہے بہر حال وہ دائرۂ دین کے اندر ہی داخل ہے اور ان امور کے اندر زیادہ سے زیادہ رواداری اور مسامحت کا اظہار ہونا چاہیے اور اس کے سلسلے میں دوسروں کو معذور سمجھنا چاہیے۔ یہ ہماری دعوت کا بھی ایک ضروری جزء ہے، پھر اسی کے ساتھ میں آپ کو یہ بھی یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی صرف کہنے کی حد تک ہی نہیں اس دعوت کو پیش کر رہی ہے بلکہ عملاً بھی اس سلسلے میں اس نے بہت کچھ اقدامات کیے ہیں کہ مسلمان کم از کم اپنے مشترک مسائل و امور کے سلسلے میں مجمع ہو سکیں۔ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اس طرح کی جو کوششیں ہندوستان میں کی گئی ہیں ان کوششوں کا سب سے بہترین ثمرہ ــ اس میں بہر حال تھوڑا بہت کچھ ہمارا بھی حصہ ہے، اس کے ساتھ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں دینی تعلیم کی کتنی اہمیت ہے ــ خود اس کی تشکیل میں بھی جماعت کا بڑا ہاتھ رہا ہے اور اب بھی جو سرگرمیاں اس کے ذریعہ انجام پا رہی ہیں اس میں بہر حال ہمارا بھی حصہ ہے۔

میں ان باتوں کی طرف اس لیے اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے معزز مہمانوں نے جس اتحاد و تنظیم کی طرف ہم سب کو متوجہ کیا ہے وہ بات ٹھیک پہلے ہی سے ہمارے سامنے رہی ہے۔ ان باتوں کے حوالے دینے کا مقصد کچھ یہ نہیں ہے کہ میں جماعت کے کاموں کے سلسلے میں آپ کی طرف سے کچھ مدح وستائش کا خواہاں ہوں بلکہ اس سے محض آپ سب کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ایک اہم ترین ضرورت ہے جس کی طرف ہمیں پوری توجہ کرنی چاہیے۔ پھر اسی کے ساتھ ہمیں اس بات سے بھی بڑی خوشی ہوئی کہ ہمارے معزز مہمانوں نے ہندوستان کے مسائل پر اس طرح سے اظہار خیال کیا ہے، جیسے وہ ہمارے حالات سے بے خبر نہیں ہیں۔ وہ اس سے بھی ناواقف نہیں ہیں کہ یہاں کے مسلمان اکثریت کے تحت اقلیت میں ہوتے ہوئے اس طرح کے مسائل سے دوچار ہیں اور ان مسائل کے حل کرنے کا مسئلہ کتنا اہم، کتنا نازک اور کتنا پیچیدہ ہے، اس لیے ایسے ملک کے بارے میں جو کچھ اظہارِ خیال انھوں نے کیا ہے اس میں حکمت و تدبر اور دوراندیشی کا پورا پورا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

ہمیں اس سے بھی خوشی ہوئی ہے کہ انھوں نے جو باتیں اور جو اندازِ کار پیش فرمائے

ہیں وہ سب بھی قریب قریب وہی ہیں کہ جو ہم اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ہم بھی مسلمانانِ ہند کو دعوت دیتے ہیں کہ بلاشبہ ان کے اپنے مسائل ہیں جو حل ہونے چاہییں اور اس کے سلسلے میں کسی طرح کی کوتاہی کسی بھی حال میں روا اور جائز نہیں ہے لیکن اسی کے ساتھ مسلم قوم صرف اس لیے نہیں بھیجی گئی ہے کہ وہ صرف اپنے مسائل سے متعلق ہو کر رہ جائے ان کے اوپر ایک اہم تر ذمہ داری پوری انسانیت کی خدمت اور پوری انسانیت کی رہ نمائی کی عائد ہوتی ہے اور اس سلسلے میں ان کے اوپر وطن کے، اہل وطن کے حقوق ہیں۔اسلام کا حق ہے، دین کا حق ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کا حق ہے کہ اس کا پیغام لوگوں تک پہنچایا جائے اور وہ دین ہمارے عمل کے ذریعہ اپنی اصل شکل میں لوگوں کے سامنے آسکے۔تو جہاں ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام کی دعوت ملک کی مختلف زبانوں میں پیش کرسکیں وہیں اس بات کی بھی ہم کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان خود اس دین کا عملی نمونہ بن کر لوگوں کے سامنے آئیں۔اور اس زمانے میں تو درحقیقت لوگ باتوں سے زیادہ عمل ہی پر نگاہ رکھتے اور دھیان دیتے ہیں۔

چند بیرونی مہمانوں کے مختصر حالاتِ زندگی

۱۔ حاجی محمد عمر میتا ٹوکیو جاپان

SUNONSOSTI میں ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ وہیں پر ہائی کمرشیل اسکول میں تعلیم پائی۔ ۱۹۲۰ء میں چین گئے اور وہاں CHOUDHIACON میں مزید تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۰ء میں چین میں اسلام قبول کیا اور چین میں ۱۹۳۹ء تک قیام رہا۔

چین ہی میں جاپانی خاتون سے شادی ہوئی۔ اس نے بھی دو یا تین سال بعد اسلام قبول کیا۔

جاپان آنے کے بعد وہیں مستقل قیام رہا اور پندرہ سال تک مسلسل جدوجہد کے بعد کل جاپان مسلم ایسوسی ایشن کا قیام ۱۹۵۲ء میں عمل میں آیا۔

ٹوکیو میں ایک مسجد ہے اور ایک KEBEY میں، میری تنظیم کے ممبران اس سے متعلق ہیں، بہت سے جاپانیوں نے انڈونیشیا اور چین میں اسلام قبول کیا ہے جن کا ہماری تنظیم سے ابھی کوئی تعلق پیدا نہیں ہوسکا ہے۔ ۱۹۵۶ء کے بعد تبلیغی جماعت کے ساتھ پاکستان چار بار آئے اور بہت سے تبلیغی کام انجام دیے جس کے نتیجے میں ۱۵۰ افراد نے اسلام قبول کیا۔

مولانا عبدالرشید مکّی نے قرآن مجید کا جو ترجمہ انگریزی میں کیا ہے اس کا میں نے جاپانی میں ترجمہ کیا ہے۔ یہی تنہا ترجمہ ہے جو جاپانی زبان میں پایا جاتا ہے۔ اس پر نظر ثانی کر کے رابطہ عالم اسلامی مکہ کی طرف سے شائع کیا جا رہا ہے۔ تقریباً پندرہ سالوں سے میں اس میں لگا رہا اور اب یہ کام ختم ہوا ہے۔

ہماری تنظیم کے موجودہ صدر جناب WIKALI صاحب ہیں۔

۲۔ سید یوسف الہاشم الرفاعی

۱۹۳۲ء میں کویت میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۴ء، ۱۹۷۰ء میں پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف کے وزیر رہے۔ ۱۹۷۰ء میں MINISTER OF STATE FOR CABINET OFFAES ہوئے۔ ۱۹۷۳ء میں ممبر پارلیمنٹ، نیز مختلف اسلامی کانفرنسوں میں شرکت کی جو دنیا کے مختلف مما لک میں منعقد ہوئیں۔ کویت میں تعلیم پائی، بی۔ایس سی پاس کیا۔ کویت میں اسلامی مسائل پر بحث کے لیے کافی مشہور ہیں۔ البلاغ کے سابق چیرمین ہیں جو اسلامی جریدہ ہے۔ کویت میں علوم شرعیہ کے ایمان انسٹی ٹیوٹ کے موجودہ چیرمین ہیں۔

۳۔ شیخ یوسف الحجی

صدر جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی کویت، یہ ادارہ خواتین وطلبہ میں کام انجام دیتا ہے۔ اس میں زیادہ تر نوجوان ہیں۔ المجتمع کے نام سے ایک ہفتہ وار پرچہ نکالتے ہیں۔

جمعیۃ کے پاس ایک بہت بڑی لائبریری ہے جس میں مختلف زبانوں کی کتابیں ہیں اور مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ نقوش راہ سید قطب شہید کی کتاب کا ترجمہ اردو، ملیالم اور دیگر زبانوں میں بھی موجود ہے۔

۴۔ مولانا یوسف ابراہیم السوری

امام اور خطیب کویت، ۱۹۵۱ء سے وزارت اوقات میں ایک محنتی کارکن کی حیثیت سے ہیں۔ تبلیغ میں سخت کوشش کے عادی ہیں۔ ہندوستان ۱۹۶۲ء میں آئے تھے۔

۵۔ سید عبدالمجید الرفاعی

موصوف ایک سماجی کارکن ہیں، کویت کی رفاعی فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان انسٹی ٹیوٹ کے کیبنٹ ممبر ہیں۔

۶۔ حاجی شاہ مہر خاں جے، پی

جامع مسجد انڈسٹر فاسٹ ویسٹ کوسٹ (جنوبی امریکہ) کے امام ہیں۔ تنظیم کا نام DEMA UNITED SOUTHERN ISLAMIC ANJUMAN ہے۔

اس تنظیم کے آپ ممبر انتظامیہ ہیں۔اس تنظیم کے صدر محمد نیپار (MOHD NAPAR) ایم، پی ہیں۔اس تنظیم کو مولانا شمس الدین صاحب نے قائم کیا تھا۔گھانا میں اسی ہزار مسلمان ہیں اور یہ تنظیم مسلمانوں کے مفاد کے لیے کام کررہی ہے۔آپ ۱۶ سال سے امام جامع مسجد ہیں۔آباد اجداد کا تعلق دہلی سے تھا۔آپ ایک تاجر ہیں اور اسلام کی تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں۔ عمر ۴۷ سال ہے۔

۷۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ

شام سے تشریف لائے ہیں۔ازہر یونیورسٹی کے گریجویٹ اور اب شریعہ کالج میں استاد ہیں جو امام محمد ابن سعود یونیورسٹی ریاض سے متعلق ہے۔

۸۔ ہشام الطالب

عراق کے باشندے ہیں۔اور ۱۹۶۸ء میں امریکہ گئے، الیکٹریکل انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی کررہے ہیں۔

U.S.A میں دوسال سے مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے سکریٹری مالیات رہے ہیں۔۱۹۵۶ء میں انگلینڈ میں بی۔ایس سی کیا۔تنظیم کا مقصد اسلام کو بہتر طریقے سے سمجھانا ہے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں میں تبلیغ کرنا ہے تاکہ امریکہ میں اسلامی معاشرہ کا قیام عمل میں آسکے۔

۹۔ شیخ عبداللہ العقیل

مدیر شئون اسلامیہ ڈائریکٹر آف اسلامک ریفرس ان اوقاف وزارت، آپ جامعہ ازہر سے ۱۹۴۶ء میں فارغ ہوئے۔اسلام پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

۱۰۔ شیخ عبداللہ بن فنتوخ

شرعیہ کالج کے گریجویٹ ہیں، ریاض کے امام محمد بن سعود یونیورسٹی سے پھر کالج کے ڈین مقرر ہوئے۔اب ہمہ وقتی مبلغ دین ہیں۔وہ سعودی عرب کے کونسل آف دی ریسرچ اینڈ افتاء کی نمائندگی کررہے ہیں۔

۱۱— محمد عماد الدین رحیم الدین

لکچرر ہیں، بنڈونگ (انڈونیشیا) یونیورسٹی کے الیکٹریکل انجینئرنگ شعبہ میں یہ وہی یونیورسٹی ہے جہاں سورکانو نے بذات خود گریجویشن کیا۔ آپ وائس چیئرمین ہیں۔

بیرونِ ہند سے آنے والے وفود کے نام

۱۔	ڈاکٹر ہشام الطالب	مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن آف امریکہ وکناڈا
۲۔	الحاج عمر میتا	ڈائرکٹر مسلم ایسوسی ایشن، جاپان
۳۔	الحاج شہمیر خاں	گینیا اسلامک سوسائٹی جنوبی امریکہ
۴۔	الاستاذ عمادالدین	انڈونیشیا
۵۔	الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ	استاذ امام محمد بن سعود کالج، ریاض
۶۔	الشیخ عبداللہ بن فنتوخ	دارالافتاء، ریاض
۷۔	الشیخ استاد عبدالخالق احمد	طلباء کی تحریک اسلامی ماریشس
۸۔	ابرہیم محمود جوب	سینگال
۹۔	الشیخ یوسف ہاشم الرفاعی	ممبر پارلیمنٹ، کویت
۱۰۔	سید ابراہیم عبداللہ	کویت
۱۱۔	عبدالمجید احمد	کویت
۱۲۔	یوسف ہاشم محمد الجی	جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی کویت
۱۳۔	الشیخ عبداللہ العقیل	مدیر وزارت اوقاف والشئون الاسلامیہ، کویت
۱۴۔	الشیخ عبداللہ البسام	رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ
۱۵۔	الشیخ محمود الحافظ	رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ
۱۶۔	استاد عمر محمد	الجمعیۃ الزنجباریہ دبئی (خلیج عربی)

۱۷-	الشیخ ہاشم عبدالمطلب	الجمعیۃ الزنجباریہ دبئی (خلیج عربی)
۱۸-	الشیخ محمد سعید	الجمعیۃ الزنجباریہ دبئی (خلیج عربی)
۱۹-	شیر ازر حمۃ اللہ	الجمعیۃ الزنجباریہ دبئی (خلیج عربی)
۲۰-	الشیخ فاروق سلیم	فلسطین لبریشن آرگنائزیشن P.L.O بغداد (عراق)
۲۱-	الشیخ ابراہیم الطحاوی	صدر جمعیۃ الشبان المسلمین قاہرہ (مصر)
۲۲-	استاذ رضا نور سعیدی	دار التبلیغ الاسلامی قُم (ایران)
۲۳-	استاذ مسعود	دار التبلیغ الاسلامی قُم (ایران)
۲۴-	ڈاکٹر احمد تونجی	طلبہ کے بین الاقوامی فیڈریشن کے صدر، ریاض (سعودی عربیہ)
۲۵-	ڈاکٹر محمد زیان عمر	ڈین فیکلٹی آف آرٹس جامعہ ملک عبدالعزیز، جدہ (سعودیہ عربیہ)
۲۶-	ڈاکٹر محمد ابراہیم علی	استاذ کلیۂ شرعیہ جامعہ ملک عبدالعزیز، مکہ مکرمہ
۲۷-	استاذ عمر بن عبداللہ	جدہ (سعودی عربیہ)
۲۸-	الشیخ محمد حکیم	مفتی حلب (شام)
۲۹-	احمد کفتارو	مفتی الدیار السوریہ (شام)
۳۰-	استاذ محمد سعید بغدادی	سکریٹری مفتی دیار سوریہ
۳۱-	الشیخ محمد ابراہیم الصلیفیح	سکریٹری جنرل ہیئت التوعیۃ الاسلامیہ وزارت تعلیم ریاض (سعودی عربیہ)
۳۲-	جناب محمد یوسف	کھاٹمنڈو (نیپال)
۳۳-	استاذ انور بشیر	صدر جمعیۃ اسلامیہ فلپائن
۳۴-	محمد عبدالعزیز خاں	صدر جمعیۃ اسلامیہ گلاسکو (انگلینڈ)
۳۵-	استاد کامل الشریف	سکریٹری جنرل موتمر اسلامی عمان (اردن)
۳۶-	الشیخ ابراہیم منیر المدرس	رکن جمعیۃ کبار العلماء بغداد (عراق)
۳۷-	یاسین منصور السعدی	رکن جمعیۃ کبار العلماء بغداد (عراق)
۳۸-	نوری اکلاحویش	رکن جمعیۃ کبار العلماء بغداد (عراق)

ہندوستانی علماوزعما کے اجتماع کی مختصر روداد

۱۰/نومبر ۱۹۷۴ء شب کی آخری نشست میں ہندوستان کے متعدد علماء وزعماء نے تقریریں کیں۔ مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے شرکت سے معذرت کرتے ہوئے ایک خط بھیجا تھا وہ خط اس مجموعے میں شائع کیا جارہا ہے۔ مفتی برہان الحق صاحب نے ''محبت رسولؐ'' کے عنوان پر ایک مقالہ ارسال کیا تھا لیکن ڈاک کی خرابی کی وجہ سے وہ پہنچ نہیں سکا۔ جن علماء وزعماء نے تقریریں کیں ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا حکیم غلام نبی صاحب	قیم جماعت اسلامی، کشمیر
۲۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب	صدر مسلم مجلس مشاورت
۳۔ مولانا محمد ہاشم میاں فرنگی محلی	
۴۔ جناب ظفر احمد صدیقی	
۵۔ جناب عبدالکریم پاریکھ	

حکیم غلام نبی صاحب نے کلمہ لا الہ الا اللہ کی مفصل تشریح کرتے ہوئے اس کے تقاضے واضح کیے تھے۔ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے مسلم مجلس مشاورت کا تعارف کرایا اور اس کے کاموں کی کچھ تشریح کی اور اس سلسلے میں جماعت اسلامی کی کوشش کو بھی خراج تحسین ادا کیا۔ مولانا محمد ہاشم فرنگی محلی نے جماعت کے کامیاب کل ہند اجتماع پر جماعت کو مبارک باد دی اور مختلف مسالک کے اختلافات کی حدیں ٹوٹنے پر بھی خوشی کا اظہار کیا۔ جناب ظفر احمد صدیقی نے نئی نسل کی تعلیم وتربیت کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ جناب عبدالکریم پاریکھ نے عقیدۂ توحید کی وضاحت کی۔

مولانا محمد طیب صاحب کا مکتوبِ گرامی

گرامی خدمت عالی جناب محترم مولانا محمد یوسف صاحب
امیر جماعت اسلامی ہندزید شوقہم

سلام مسنون نیاز مقرون۔ جماعتِ اسلامی کی اس عظیم کانفرنس میں جناب محترم نے اس ناکارہ کو یاد فرما کر شرکتِ اجتماع کی دعوت دی۔ میں اس کے لیے تہِ دل سے سپاس گزار ہوں۔ ساتھ ہی اس اجتماع کے پروگرام میں پرسنل لا کے مسئلہ کو ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے رکھ کر جناب نے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا فرمایا ہے جس کے لیے میں بحیثیت ایک خادمِ مسلم پرسنل لا بورڈ ہونے کے مزید شکر گزار اور سراپا سپاس ہوں، اس مسئلہ کی کشش کا قدرتی تقاضا اور دلی داعیہ تھا کہ میں اس اجتماع میں حاضر ہوں لیکن انہی تاریخوں میں بعض ضروری پروگرام کافی عرصہ پہلے سے طے شدہ ہیں جو میرے ہی مقرر کردہ بھی ہیں اور مقامی طور پر ان کی تشہیر بھی کافی ہو چکی ہے اس لیے بہ افسوس حاضری سے قاصر رہوں گا، جس کی معذرت پیش کرتا ہوں، پھر بھی اپنی جگہ اپنی قلمی حاضری سے شریکِ اجتماع ہو کر سطورِ ذیل پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

پرسنل لا کے مسئلہ سے مسلمانانِ ہند کے تمام مکاتیبِ فکر کے حلقوں اور تمام مسلم تنظیموں میں جو مخلصانہ اتحاد قائم ہوا ہے وہ ایک فضلِ خداوندی ہے جس پر حق تعالیٰ کا جتنا بھی شکر

ادا کیا جائے کم ہے، قلوب کی تالیف اور انھیں ایک نقطے پر جمع فرما دینا اس کی قدرت کا کرشمہ ہے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ،فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ، ضرورت اس کی ہے کہ اس اتحاد کو برقرار رکھنے بلکہ ترقی دینے کے لیے جس قدر بھی مساعی کام میں لائی جاسکتی ہوں لائی جائیں اور لائی جاتی رہیں جو علاوہ مسئلہ کی اہمیت کے پوری مسلم قوم کی ایک عظیم خدمت ہوگی جو اس کے لیے فالِ نیک، مایۂ ناز وحدت کا نشان اور اس کے قوی تشخص کی بقا کے لیے ضامن ثابت ہوگی۔

اس سلسلے میں اپنا ناقص خیال یہ ہے کہ اس اتحاد کی برقراری اور استحکام کے لیے نظری پیش رفتوں سے زیادہ کچھ نہ کچھ عملی اقدامات کی بھی ضرورت ہے۔ محض نظریات مسئلہ کی معقولیت یا زیادہ ذہنی اور فکری عالم کی تسکین کے ضامن تو ہوسکتے ہیں لیکن خارجی بقا کا سامان نہیں بن سکتے اس کے لیے کم سے کم درجہ یہ ہے کہ ان عائلی مسائل کو عملاً جاری کرنے کے لیے فصل خصومات کی کمیٹیاں جگہ جگہ قائم کی جائیں جو ان مسائل کا شرعی اصول پر فیصلہ کرکے مسلمانوں کو تصفیہ معاملات کی حدتک اتباعِ اسوۂ حسنہ کا خوگر بنائیں اور نزاع واختلاف کے موقع پر خدا اور رسولؐ کے فیصلے ماننے کا ذوق ان میں بیدار کریں۔ ان میں اسلامی معاشرہ کی بنیاد بھی پڑ جائے گی جس سے وہ یکسر نابلد ہوتے جارہے ہیں اور انجام کار پھر یہی بنیاد ان کی قومی وحدت وسالمیت کی تعمیر کو اونچا اٹھانے کا ذریعہ بھی ثابت ہوگی۔ خدامِ دارالعلوم دیوبند نے اس بارے میں کچھ اقدامات کیے ہیں اور عدلیہ کمیٹیوں کی تشکیل کا پودا بوڈالا ہے جو وسعت پذیری کے ساتھ امید افزا ثابت ہورہا ہے۔

اندازہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں اس کی خاموش طلب موجزن ہے، لیکن عمل اور رجالِ علم کی قلت کی وجہ سے وہ طلب ابھری ہوئی نہیں ہے، اس لیے یہاں ایسے افراد تیار کرنے کی سعی بھی کی جارہی ہے جو اس سلسلۂ خاص میں اپنی علمی قوت سے ان ضرورتوں کو بصیرت کے ساتھ پورا کرسکیں۔ اپنی یہی آرزو جناب محترم کی وساطت سے اس عظیم اجتماع کے سامنے بھی پیش کرنے کی جرأت کررہا ہوں۔

پرسنل لا کے سلسلے میں جماعت اسلامی کی تحریری اور تقریری مساعی نیز مسلمانوں کے اجتماعی مسائل کو اسلامی انداز سے حل کرنے کی جو تدابیر اختیار کی ہیں قابلِ قدر اور لائق ستائش

ہیں جن کو پوری لگن کے ساتھ اس نے انجام دیا ہے۔ واجرہم علی اللہ۔

ماضی کے تجربات سے امید ہے کہ آئندہ بھی وہ ترقی پذیر رہیں گی، اس اجتماعِ عظیم کے موقع پر اگر میں بعذرِ شدید حاضر نہیں ہوسکا جس کا مجھے افسوس ہے تو شاید یہ چند سطریں بطور پیغام کے میری حاضری کے قائم مقام ہوکر عدم حاضری کی کچھ تلافی کرسکیں گی۔

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوگا۔ زیادہ احترامات

(دستخط) محمد طیب
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۸رشوال ۹۴ ۱۳ھ (۶رنومبر ۱۹۷۴ء)

قراردادیں

جماعت اسلامی ہند کے پانچویں کل ہند اجتماع منعقدہ دہلی ۸؍تا ۱۱؍نومبر ۱۹۷۴ء کے آخری عام اجلاس ۱۰؍نومبر بوقت ۱۰ بجے شب مندرجہ ذیل تین قراردادیں صدر جلسہ امیر جماعت اسلامی ہند، جناب مولانا محمد یوسف صاحب کی طرف سے پیش ہو کر منظور قرار پائیں۔

قرارداد نمبر ۱ ہمارا ملک آج جن بحرانی حالات سے گزر رہا ہے اور ہمارے عوام کو اشیاء ضرورت کی کم یابی اور گرانی، رشوت، بددیانتی، کام چوری اور انتظامیہ کی نااہلی اور غیر ذمہ دارانہ سیاست بازی کے سبب جن شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس پر ہر دردمند انسان کا دل رو رہا ہے۔ جماعتِ اسلامی ہند اس صورتِ حال پر گہری تشویش کا اظہار کرتی ہے۔ اس کے نزدیک ملک کو اس حال تک پہنچانے میں جہاں بدتدبیریوں اور اندازِ فکر کی کجی کا دخل ہے، وہاں اخلاقی زوال اور کردار کی گراوٹ کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے۔ ہم اہل ملک کو اس حقیقت کی طرف مسلسل متوجہ کرتے چلے آرہے ہیں کہ ہمارا سماج اس وقت تک متوازن ترقی اور سکون وراحت سے آشنا نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تعمیر اس کائنات کے خالق و پروردگار کی ہدایات کے مطابق نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان ہدایات کو پس پشت ڈال دینے کے بعد نہ وحدتِ انسانیت کا تصور ہماری اجتماعی زندگی کی عملی بنیاد بن سکتا ہے، نہ اس میں اعلیٰ اخلاقی قدروں کی موثر کارفرمائی ہو سکتی ہے، حالانکہ یہی وہ چیزیں ہیں جو حقیقی اجتماعی عدل اور سماجی مساوات کی بنیاد ہیں۔

آج ہمارے ملک میں ذاتی، جماعتی، گروہی اور علاقائی اغراض پر اخلاقی ضابطوں اور ملکی مفادات کو قربان کر دینے کی جو عام روش ہو چکی ہے وہ اس حقیقت سے مسلسل غفلت کا نتیجہ ہے۔ ہم ہندوستان کے دانشوروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ باشندگانِ ملک میں بھائی چارہ، مساوات، سماجی عدل اور جمہوریت کی اعلیٰ قدروں کے ساتھ مخلصانہ وابستگی پیدا کرنے کے لیے سیکولرزم کو بنیاد بنانے کے ناکام تجربے پر غور کریں۔ ہماری رائے کا گہرائی میں اتر کر جائزہ لیں کہ ایک خدا کی بندگی، انسانی وحدت اور آخرت کی جواب دہی کے تصور کو بنیاد بنا کر ہی ملک کو اخلاق و کردار کے زوال اور اس کے پیدا کیے ہوئے ہمہ جہتی فساد کی دلدل سے نکالا جا سکتا ہے۔

اس بنیادی اور حقیقی اصلاح کے پہلو بہ پہلو وقت کی فوری ضرورت یہ بھی ہے کہ سیاسی جماعتیں اور سماجی گروہ اپنے اپنے مفادات کے لیے باہم لڑتے رہنے کے بجائے ملک کے مجموعی مفادات کو ترجیح دیں اور عوام کی اہم اور فوری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے باہمی مشورے سے کوئی متفقہ لائحہ عمل بنا کر آگے بڑھیں۔

جماعتِ اسلامی ہند اس بات پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کرتی ہے کہ حکمراں جماعت اور حزب اختلاف دونوں نے حالات کے اس واضح تقاضے سے انحراف کی روش اختیار کر رکھی ہے جس کے نتیجے میں ہمارا ملک تیزی کے ساتھ تصادم اور خانہ جنگی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ایسے حالات میں جو لوگ بھی سیاسی گروہ بندیوں اور جماعتی اختلافات سے بلند ہو کر عوام کے حقیقی مفادات کو سامنے رکھ کر سوچنے اور اقدام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنے ملک کو ایک نیا راستہ دکھائیں جو اہل ملک کی قوتوں کو باہمی آویزشوں میں ضائع ہونے سے بچا کر ان کو تعمیر واصلاح کے کام میں لگا سکے۔ جماعتِ اسلامی ہند یہ تمنا کرتی ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے باشعور اور دردمند افراد اس سلسلے میں پہل کریں اور سماج کے دوسرے ہم خیال اور صالح افراد کا تعاون حاصل کر کے ایک ایسا تعمیری محاذ بنائیں جو رفتہ رفتہ اپنے اخلاص، خدمت اور حسنِ تدبیر کے نتیجے میں عوام کا سچا اعتماد حاصل کر لے۔

قرارداد نمبر۲ ملتِ اسلامیہ ہند کی تاریخ میں گزشتہ ستائیس سال کافی کٹھن اور آزمائشی دور کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن اس دور کا ایک خوش آئند پہلو بھی ہے کہ اس نے مسلمانوں کے

اندر فرض شناسی، ایثار، جد وجہد اور حوصلہ مندی کی دبی ہوئی خصوصیات کو ابھار دیا ہے جو ان کے لیے ایک بہتر مستقبل کی آئینہ دار ہیں۔

جماعت اسلامی ہند پانچویں کل ہند اجتماع کے موقع پر ملت اسلامیہ ہند کو یہ یاد دلانا چاہتی ہے کہ وہ عام معنی میں ایک فرقہ نہیں ہیں بلکہ ایک اصولی زندگی کی حامل جماعت ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بھیجے ہوئے دین اسلام کے مطابق خود زندگی گزارنے اور تمام انسانوں تک قول وعمل کے ذریعہ اسے پہنچانے پر مامور فرمایا ہے۔ ہمارا منصب یہ ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کے مطابق گزار کر بندگان خدا کے سامنے اس دین کا عملی نمونہ بن کر رہیں۔ ان کو خدا کی بندگی کی دعوت دیں، خدا کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعارف کرائیں اور انھیں اس حیثیت پر مطمئن کرنے کی کوشش کریں کہ یہ دین آخرت میں کامیابی کے ساتھ دنیوی زندگی میں بھی فلاح کا ضامن ہے۔

ہندوستان میں اس فریضے کی انجام دہی کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں دین کا علم عام ہو اور اسے اپنی نسلوں تک منتقل کریں اور ان کی اس کے مطابق تربیت کا اہتمام کریں۔ گزشتہ ستائیس سال میں ملت نے ابتدائی دینی تعلیم کے سلسلے میں قابلِ لحاظ اہتمام کیا ہے مگر ابھی اس کی مزید تنظیم وتوسیع کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پانے والے طلبہ اور عام شہریوں کو اسلامی نظام زندگی کی تعلیم دینے کا اہتمام کیا جائے۔ تعلیم بالغان کا ایسا پروگرام جس کے تحت ناخواندگی بھی دور ہو اور اسلامی تعلیمات بھی سکھلائی جائیں۔ ہماری دیہی آبادیوں کے پیش نظر بالخصوص بہت مفید ہوگا۔

دین کی صحیح تعلیمات سے ناواقفیت کے سبب آج مسلمان نہ اپنے دین کی صحیح نمائندگی کررہے ہیں نہ دنیوی اعتبار سے ان کی حالت قابل اطمینان ہے، ان کی توجہات تعمیری کاموں پر مرکوز ہیں، نہ ان میں فکر وعمل کا اتحاد موجود ہے حالانکہ اسلامی فریضے کی ادائیگی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ مسلمان اپنے جملہ اختلافات کو ختم کرکے قرآن وسنت کی اصل تعلیمات کی بنیاد پر منظم ومتحد ہوجائیں اور اپنی قوتوں کو مجتمع کرکے اس فریضے کی ادائیگی میں لگادیں۔

اس فریضے کی ادائیگی کی راہ میں مسلمانوں کی اقتصادی، سماجی اور سیاسی پسماندگی بھی

ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ داعیانہ کردار ادا کرنے کے لیے ملت کو اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ وہ ملک کے سامنے محتاج اور دوسروں کے سہارے کی طالب بن کر نہ آئے۔ بلکہ پوری خود اعتمادی کے ساتھ مادی وسائل کے لحاظ سے مطمئن ہو کر آئے تاکہ وہ اہل ملک کی توجہ ان اصولی، اخلاقی اور روحانی امور کی طرف کامیابی کے ساتھ مبذول کرا سکے جو انسانی زندگی میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ہمارے موجودہ سماج میں بھی اولین توجہ کے مستحق ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمان اپنے اصل فریضے کی ادائیگی کے لیے اس طرح یکسو ہو جائیں کہ وقتی سیاسی مسائل اور گروہی و جماعتی اختلافات اس یکسوئی میں خلل نہ ڈال سکیں۔

جماعت اسلامی ہند کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ ستائیس سال گزر جانے کے باوجود مسلمانوں سے متعلق بعض اہم مسائل کے ضمن میں حق وانصاف کے تقاضے ابھی تک پورے نہیں کیے جا سکے ہیں۔ جماعت ملت کی مختلف جماعتوں اور حلقوں کی جانب سے کی جانے والی ان کوششوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے جو اس ملک میں اسلام کے عمومی مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے ان مسائل کے حل کے سلسلے میں کی جاتی رہی ہیں۔ وہ خود بھی اس کوشش میں حصہ لیتی رہی ہے اور انشاء اللہ لیتی رہے گی لیکن اس موقع پر وہ مسلمانوں کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرانا بھی ضروری سمجھتی ہے کہ پرسنل لا کا مسئلہ ہو یا اوقاف کا، زبان کا مسئلہ ہو یا تعلیمی اداروں کا، ان کے حل کا انحصار بڑی حد تک ان کی اپنی جدوجہد پر ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ منظم طور پر ایسی کوششیں زیر عمل لائیں، اور جس قدر ان مسائل کا تعلق حکومتِ ہند اور اس کے فیصلوں سے ہے، ملک کی رائے عامہ کو اپنے موقف پر مطمئن کریں۔ اور اپنے منصفانہ مطالبات کو حکومت سے منوانے کی کوشش جاری رکھیں۔

آج ہمارا ملک انتہائی نازک حالات سے گزر رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل اور ان کی ترجمانی کو اپنا شعار بنا کر ملک کی تعمیر کے کام میں لگ جائیں تو وہ ملک کو اس انتشار اور خانہ جنگی سے بچالیں گے جس کے آثار آج ہر طرف دکھائی دے رہے ہیں۔ اس اہم کام میں ہر مسلمان کو حصہ لینا اور اپنا فرض ادا کرنا چاہیے اور اس تاریکی بھرے ماحول میں ایک روشن چراغ بن جانا چاہیے۔ انسانی تاریخ کے مدوجزر میں بااصول وباکردار افراد

اور گروہوں نے ہمیشہ اہم رول ادا کیا ہے۔ انھیں لوگوں کی انسان دوست اور عہد ساز کوششوں سے تاریخ بنتی ہے جو اپنی ہی مشکلات ومسائل میں الجھ کر رہ جانے یا حالات سے گھبرا کر بیٹھ جانے کے بجائے پورے سماج کو بدل دینے اور اسے خیر وصلاح سے ہم کنار کر دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

قرارداد نمبر ۳ جماعتِ اسلامی ہند کا یہ اجتماع عالمِ انسانیت کی موجودہ پریشانیوں پر انتہائی فکر والم کا اظہار کرتا ہے کیونکہ اللہ نے انسانی زندگی کو جن وسائل سے مالا مال کر دیا ہے اور ذہنِ انسانی کو سائنس اور ٹکنالوجی کی جتنی زبردست ترقی کی توفیق دی ہے اس کی بدولت یہ ممکن ہو گیا ہے کہ اگر انسان ایک خاندان بن کر رہیں تو دنیا سے بھوک اور خوف کا ازالہ ہو جائے۔ یہ انسانی اخلاق وکردار کے زوال اور وحدتِ انسانی کے تصور کے فقدان کا نتیجہ ہے کہ آج انسان اپنے ہی ہاتھوں پریشان ہے۔ اس صورتِ حال کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ وحدتِ الٰہ کی بنیاد پر وحدتِ انسانیت کا تصور بحال ہو۔ انسان ہدایتِ الٰہی کی طرف رجوع کریں۔ اور اس کے مطابق بین الاقوامی تعلقات عدل ومساوات اور بھائی چارہ وتعاونِ باہمی کی بنیادوں پر ازسرِ نو استوار کیے جائیں۔

اس سلسلے میں ہم ان مختلف کوششوں کی قدر کرتے ہیں جو مجلسِ اقوام متحدہ اور اس کے تحت کام کرنے والے ادارے انجام دے رہے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک مطلوبہ مقاصد کو حاصل کرنے میں پوری کامیابی اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ خدا پرستی کی عالم گیر اور حقیقی بنیادوں پر انھیں منظم کیا جائے۔

دنیائے انسانیت کے لیے یہ امر از حد باعثِ تشویش ہے کہ اسلحہ سازی کی دوڑ میں وسائلِ قدرت کا ضیاع اب بھی جاری ہے اور اس کے سبب ہر آن اس بات کا خطرہ ہے کہ کوئی جنگ چھڑ جائے تو یہ اسلحے انسانیت کی تباہی کے لیے استعمال کر ڈالے جائیں۔ جلد از جلد عالمی سطح پر کوئی ایسا فیصلہ کرنا اور اسے موثر طور پر نافذ کرنا ضروری ہے جس سے ایٹمی توانائی کے تخریبی استعمال اور تخریب کرنے والے اسلحوں کی تیاری اور ان کے استعمال کا سدباب ہو سکے۔

آج دنیا کو جنگ کا سب سے بڑا خطرہ اس مسئلے کی وجہ سے درپیش ہے جسے استعماری

طاقتوں نے صیہونیت کی پشت پناہی کر کے اسرائیل کی صورت میں کھڑا کیا ہے۔ ان طاقتوں نے اسلحے فراہم کر کے اسرائیلی جارحیت میں برابر اضافہ کیا ہے جس کے نتیجے میں ماضی قریب میں دو جنگیں ہو چکی ہیں اور اب بھی اسرائیل مقبوضہ علاقوں کو خالی کرنے سے انکار اور سرزمین فلسطین کے باشندوں کو اپنے ملک میں بسنے کے حق سے محروم کر رہا ہے۔ عرب ممالک نے متفقہ طور پر تنظیم آزادیِ فلسطین (P.L.O) کو فلسطینی عوام کا واحد نمائندہ اور فلسطینی حکومت قائم کرنے کا مجاز تسلیم کر کے اس بات کو ضروری بنا دیا ہے کہ ان سے گفت وشنید کے ذریعہ منصفانہ تصفیہ کر لیا جائے جو یہی ہو سکتا ہے کہ اسرائیل غصب کردہ علاقے خالی کر لے اور فلسطینیوں کی آزاد حکومت قائم ہو جائے۔ دنیا کے تمام مسلمانوں کی طرح ہم مسلمانانِ ہند بھی اپنے قبلۂ اولیٰ اور بیت المقدس کی بازیابی کے لیے دعا گو ہیں۔ اس کی خاطر ہر قربانی کے لیے تیار ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کی رائے عامہ مجلس اقوام متحدہ اور دوسرے ممکن ذرائع سے اسرائیل کو بیت المقدس پر غاصبانہ قبضے سے بلا تاخیر دست بردار ہو جانے پر مجبور کرے۔

مسئلہ فلسطین کے علاوہ بھی دنیائے اسلام کو مختلف علاقوں میں ایسے مسائل درپیش ہیں جن میں مسلمانوں کے ساتھ کی جانے والی ظلم وزیادتی اور حق تلفی کو ختم کرانا اور انھیں ان کے جائز حقوق دلوانا مسلمانوں کا اہم فریضہ ہے۔ فلپائن کے مسلمانوں کے جائز حقوق کی پامالی بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ ان مسلمانوں کو اپنی سرزمین میں آزادی، عزت اور جملہ سیاسی ومذہبی حقوق کے ساتھ رہنے کا موقع نہیں دیا جا رہا ہے۔ ہم عالمی رائے عامہ کو مسلمانوں کے ساتھ کی جانے والی اس کھلی ہوئی ناانصافی کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ متعلقہ حکومت کو ان مسلمانوں کے حقوق ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

جماعتِ اسلامی ہند اس امر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہے کہ متعدد مسائل کے ہجوم میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود دنیا کے مسلمانوں کے لیے یہ ممکن ہو سکا ہے کہ وہ ایسے ایجابی اقدامات کریں جو آئندہ چل کر مسلمانانِ عالم اور انسانیتِ عامہ کے لیے مفید نتائج کے حامل ہو سکتے ہیں۔ اس کی ایک تازہ مثال اسلامی ترقیاتی بنک کا قیام ہے جو سود سے پاک ہوگا۔ اور مسلم ممالک کی معاشی ترقی اور مسلم گروہوں کی امداد کا کام کرے گا۔ جماعت اسلامی

ہند یقین رکھتی ہے کہ اگر اسلامی بنک کے عملی پروگراموں کو اسلامی ہدایات کی روشنی میں چلایا گیا تو اس کے مفید نتائج مسلمانوں اور تمام انسانوں کے لیے برآمد ہوں گے۔ ایک طرف تو اس بات کا مظاہرہ کیا جاسکے گا کہ سود کے بغیر بھی بین الاقوامی مالی ومعاشی تعلقات کی تنظیم ممکن ہے، دوسری طرف ایشیا اور افریقہ کے پڑوسی ممالک کو بھی معاشی امداد اور تعاون باہمی کے دائرے میں شامل کرکے پڑوسی کے ساتھ حسن تعلقات کی اسلامی تعلیم کا حق ادا کیا جاسکے گا۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ اس طرح اس پورے علاقے میں جس میں زیادہ تر مسلمان ممالک اور معتد بہ تعداد میں مسلمان اقلیت رکھنے والے ممالک شامل ہیں، اسلام کے بارے میں حسن ظن اور محبت کی فضا پیدا ہوسکے گی۔

مختلف ممالک میں تعلیم و تبلیغ اسلام کی سرگرمیاں

اسلامک پارٹی شمالی امریکہ

اسلام کسی دوسرے نظام زندگی کے تحت رہنے کے لیے نہیں آیا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا ﴿۲۸﴾ (الفتح:۲۸)

''وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے پیغمبروں کو رہ نمائی اور سچے ضابطۂ حیات کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ وہ اسے دوسرے نظاموں پر غالب کر دے۔ اللہ اس کی شہادت کے لیے کافی ہے۔''

اس لیے اگر ہم مخلصانہ طور پر اسلام کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسے تمام دوسرے ضابطہ ہائے حیات پر غالب کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔ تمام پیغمبر اس پہلو سے انقلابی رہ نما تھے کہ انھوں نے خدائی قانون کے غلبہ کے لیے جدوجہد کی۔ ان میں سے کوئی بھی انسان کے وضع کردہ نظام حیات سے وفاداری کے لیے تیار نہیں تھا۔ ابراہیم علیہ السلام اور نمرود، موسیٰ علیہ السلام اور فرعون، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب کے جاہلی رہ نماؤں کے درمیان کشمکش کی بنیادی وجہ یہی تھی۔

یہ بات بالکل فطری ہے کہ آج بھی ان لوگوں کے درمیان جو اسلامی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں اور جو حکمراں بنے ہوئے ہیں یا حکمراں بن کر اپنی خواہشات یا انسان کے وضع کردہ قوانین کے تحت حکومت کرنا چاہتے ہیں اسی نوعیت کی کشمکش ہو۔

یہاں یہ تذکرہ کرنا بے محل نہ ہوگا کہ لادینیت کے علم برداروں اور محض مذہب' کے رہ نماؤں یا ان تنظیموں کے درمیان جن کا تصور مذہب چند عبادات کی ادائیگی سے آگے نہیں جاتا اور جنھیں اس سے دل چسپی نہیں ہے کہ کون سا سیاسی و معاشرتی نظام ان کی زندگیوں پر حکمرانی کر رہا ہے۔ شاید ہی کبھی کوئی کشمکش ہوتی ہو۔ اس تصور مذہب کے علم بردار عموماً اسلامی انقلاب کی جدو جہد میں تعاون کے بجائے اس کی مخالفت ہی کرتے ہیں۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کا غلبہ اسلامی تحریک کے بغیر ممکن نہیں ہے، صرف جری کارکن ہی اس طرح کی جدو جہد شروع کر سکتے ہیں۔ موقع پرست اور دنیاوی لذات اور آسائشوں کے طالب، اخلاقی جرأت سے محروم، سہولت پسندی کے پرستار اس انقلابی تحریک کی آزمائشوں میں ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔ خواہ وہ اپنی نجی زندگی میں اپنے کو کتنا ہی مذہبی ظاہر کرتے ہوں۔

تاریخ

اسلامک پارٹی شمالی امریکہ کا قیام یکم جنوری ۱۹۷۲ء کو مسجد الامۃ (COMMUNITY MASJID) واشنگٹن میں عمل میں آیا۔ جناب وائی۔ مظفر الدین حامد (امام مسجد الامۃ اور اسلامک پارٹی کے موجودہ امیر) کی تحریک پر اختتام ہفتہ پر ۳۱/دسمبر ۱۹۷۱ء کو مختلف شہروں کے مسلمان کارکنوں کے ایک مختصر سے گروہ کا اجتماع مسجد الامۃ میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع کا مقصد اسلامی تحریک کے لیے ایک باقاعدہ پروگرام اور طریقۂ کار کے تحت ایک ہمہ وقتی ملک گیر جماعت کے قیام کی ضرورت پر غور و خوض کرنا تھا۔

مقصد یہ نہیں تھا کہ جلدی سے بڑی تعداد میں لوگوں کو جمع کر لیا جائے چاہے اسلام سے ان کی وابستگی برائے نام ہی کیوں نہ ہو۔ مدعا یہ تھا کہ ایسے کارکنوں کا ایک چھوٹا سا گروہ تیار کیا جائے جو خدا کی راہ میں جدو جہد کے ہراول دستہ کا کام کر سکے۔

مقصد

اسلام کا اصل مقصد انسان کو انسان کی اور قوموں کو قوموں کی غلامی سے نجات دلا کر

پوری انسانیت کو ایک ایسی آزاد برادری میں تبدیل کرنا ہے جو اللہ کے فرماں بردار بندوں پر مشتمل ہو۔

آزادی کا اسلامی تصور یہ ہے کہ انسانیت اپنے خالق اللہ کے سوا کسی کی مطیع نہ ہو صرف وہی ان کا حقیقی اور قانونی مقتدرِ اعلیٰ ہے اس کے سوا کسی مخلوق کو انسانیت پر قانونی حکمرانی کا حق نہیں ہے اور نہ کسی مخلوق کو اپنے خالق کے احکام (AUTHORITY) کی خلاف ورزی کرنے کا حق ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس کے احکام کے منافی کسی قانون یا کسی اور فلسفۂ زندگی یا نظام حیات کی پیروی اسی طرح کی بت پرستی ہے جس طرح مٹی کے بتوں کی پرستش۔

انسان نے آج دنیوی دائرے میں قوم، زبان، رنگ، طبقہ اور سیاسی نظریہ کے کتنے ہی بت تراش لیے ہیں۔ اسلام عوام کو صرف خدا کے قانون کا پیرو بنا کر ان کے وقار و شرف کو بحال کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کے تمام پیغمبروں کا یہی مشن تھا اور یہی وہ مشن ہے جسے اسلامک پارٹی اپنی صلاحیتوں اور وسائل کے مطابق لے کر چلی ہے۔

طریقۂ کار

سوسائٹی میں اپنی مطلوبہ تبدیلیوں کے لانے کے لیے ہر تحریک کا اپنا طریقۂ کار ہوتا ہے۔ اسلامی تحریک کا اسلامی قوم کی تشکیل کے لیے اپنا مخصوص طریقۂ کار ہے۔

جب ہم قرآن اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں تعلیم، تبلیغ، تنظیم و تعمیر کی ایک مخصوص حکمتِ عملی نظر آتی ہے جو الٰہی طریقۂ کار کا حصہ ہے۔

اسلامی ''تھیوری'' کی تعلیم کا مرحلہ عمل اور عملی تنظیم کے مرحلے سے کبھی بھی جدا نہیں کیا گیا۔ اسلامی عقائد نے ایک زندہ اور متحرک سوسائٹی میں جو جاہلی سوسائٹی سے برسرِ پیکار تھی تشکیل پائی اور ساتھ ہی اپنے پیروؤں پر سے جاہلی اثرات کو ختم کیا۔

اسلامک پارٹی کا عقیدہ ہے کہ اس ملک میں اسلام کا مستقبل اس مسلم گروہ سے وابستہ ہے جو اسی طریقۂ کار پر عمل کرے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ کار ہے۔ انھیں سماجی تبدیلی کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو آج کی صورتِ حال پر منطبق کرنا

چاہیے۔ انھیں انسانی طریقوں کے وضع کردہ اثرات سے بچنا چاہیے اوراپنے کوجاہلیت کے اثرات سے آزاد کرنا چاہیے۔

اسلامک پارٹی اللہ کی توفیق سے اسلام کے عملی قیام کے لیے جدوجہد کررہی ہے تاکہ نظریہ اورعمل میں توازن پیدا ہواورلوگ اسلام کے بارے میں صرف سنیں ہی نہیں بلکہ اس کوعملی شکل میں دیکھ بھی سکیں۔

پارٹی کی کوششیں ملک کے قومی مستقر واشنگٹن پر مرتکز ہیں کیونکہ یہ امریکی عوام کا مستقل مرکز توجہ ہے۔ پارٹی اس پہلو سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتی ہے تاکہ عوام کی توجہ کومرکوز کرسکے۔

پروگرام اور عملی سرگرمیاں

پارٹی کے کارکن کے لیے اولین شرط اسلام کا فہم اور منضبط کردار ہے۔ جماعت فکری تربیت اور کردار سازی کا پروگرام چلاتی ہے۔ اسلام کی مبادیات کا علم حاصل کرنے کے علاوہ کارکن قرآن کریم، سیرتِ نبویؐ اور عالمی اسلامی تحریک کے رہنماؤں شہید سید قطبؒ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ مطالعہ محض فکری نقطۂ نظر سے نہیں کیا جاتا بلکہ اس سے مکمل متحرک اور ذمہ دارانہ زندگی گزارنے اور مخالف ماحول میں اسلامی جدوجہد کے لیے حصولِ استقامت میں مدد لی جاتی ہے۔

پارٹی انسانوں کواسلام کا پیغام پہنچانے اوراس کے مشن کی دعوت پر سب سے زیادہ زور دیتی ہے۔ لٹریچر کی تقسیم، عوامی تقریروں، ریڈیو پروگراموں اور ذاتی روابط کے ذریعہ ہم اسلامی نظام حیات اور اسلامی تحریک کوعوام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

دعوت سے قریبی تعلق رکھنے والا کام ''اسلامک پارٹی پبلیکیشنز'' کا ہے۔ فی الوقت اس شعبہ میں خاص کام اسلامی تحریک کے جریدہ ''الاسلام'' کی اشاعت ہے۔ یہ جریدہ عالمی پیمانے پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ سیاسی بدعنوانیوں، اقتصادی استحصال، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی زوال جیسے مسائل کا جوموجودہ معاشرے میں بہت عام ہیں اسلامی حل پیش کرتا ہے۔ ہماری دوسری مطبوعات میں اسلام کے مختلف پہلوؤں سے متعلق کتابچے اور دوورقے شامل ہیں۔ یہ شعبہ ان

مطبوعات کے جوانگریزی میں نہیں ہیں ترجمے کے کام کو COORDINATE کرتا ہے۔

پارٹی مسلمانوں کی متعدد خدمات انجام دیتی ہے۔ رمضان، عید اور دوسرے مواقع پر سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔ مسلمان طالبِ علموں کو مفت لٹریچر مہیا کرنے کے لیے ایک بک فنڈ (Book Fund) کام کر رہا ہے۔ تازہ حلال گوشت معقول قیمت پر فراہم کیا جاتا ہے۔ ایک غیر اسلامی معاشرے میں زندگی گزارنے سے پیدا شدہ مسائل میں مشورہ فراہم کرنے کی خدمت بھی انجام دی جاتی ہے۔ ہر سال ''بھوکوں کو کھانا کھلانے کا مہینہ'' FEED THE HUNGRY MONTH رمضان کے مہینہ منایا جاتا ہے۔

جماعت کے ارکان کے بچوں کو مستقبل میں اسلام کے کارکن تصور کیا جاتا ہے۔ پبلک اسکول سسٹم کے غیر اسلامی اثرات سے بچانے کے لیے اور ان کی مناسب تعلیم و تربیت کے لیے پارٹی خود اپنے ڈے اسکول چلاتی ہے۔

مالی وسائل

اسلامک پارٹی نے تحریک کو مالی وسائل فراہم کرنے اور اپنے کارکنوں کو اقتصادی تحفظ دینے کے لیے خود اپنی اقتصادی حکمتِ عملی وضع کی ہے۔

''نیشنل سیکورٹی اینڈ ڈیولپمنٹ بنک'' بنیادی طور پر جماعت کو مادی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے فنڈ مہیا کرتا ہے۔ SERVIVAL FOR ISLAMIC WORK SCHEME ہمہ وقتی کارکنوں اور ان کے کارکنوں کی بہبود کے لیے اشتراک باہمی کی ایک کوشش ہے۔ اس پروگرام کے تحت اس وقت پارٹی کئی کاروبار کر رہی ہے۔ ان میں CABBA SIVESS بیکری کتابوں کا اسٹور، ریسٹورنٹ، پوشاک کی فیکٹری، ایک زراعتی فارم، عمارتوں کی مرمت کی کمپنی اور کئی ہاؤسنگ یونٹ شامل ہیں۔

ایک خود کفیل ادارے کی حیثیت سے اسلامک پارٹی حکومت اور دوسرے غرض مند حلقوں کے اثرات سے بچ سکی ہے۔

تنظیمی ڈھانچہ اور رکنیت

اسلامک پارٹی کے تنظیمی ڈھانچے کے دستوری اصول وہ ہیں جو قرآن اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بتائے گئے ہیں۔

پارٹی کا روزمرہ کام مختلف شعبوں میں منظم کیا گیا ہے۔ بحیثیت مجموعی اس پورے نظم کی نگرانی اور رہ نمائی کے فرائض امیر انجام دیتا ہے۔ اس کے دو نائب امیر اور مجلس شوریٰ ہے۔ جماعت کے ارکان مختلف یونٹوں میں تقسیم ہیں یہ یونٹ دعوت، داخلی ترسیل اور لیڈر شپ ٹریننگ سے متعلق ہیں۔

پارٹی درون خانہ عورت کے اصل رول پر زور دیتی ہے لیکن اسلامی حدود کے اندر دوسرے شعبوں میں بھی اس کے لیے گنجائش ہے۔ جماعت میں عورتوں کی ایک خصوصی برانچ ہے۔ ان کے STUDY SESSION اور SERVICE PROJECTS کی نگرانی اور رہ نمائی کے لیے تین منتظم مقرر ہیں جو امیر کے سامنے جواب دہ ہیں۔

اسلامک پارٹی میں رکنیت کی بنیاد فرد کے ذاتی عہد و وابستگی پر ہے۔ ہم اپنے رکن سے اس کے علاوہ کچھ مطالبہ نہیں کرتے جو اسلام ایک مسلمان سے کرتا ہے۔ ہم اسلام کے مطالبات اور تقاضوں میں نہ تو ایک شوشہ کا اضافہ کرتے ہیں اور نہ کوئی کمی۔ ہم اسلام کو ایک کل اور وحدت کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور ہر شخص سے کہتے ہیں کہ وہ پورے شعور اور فہم کے ساتھ اسے قبول کرے۔ ہم اس سے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور صدق دلی سے انھیں ادا کرنے پر زور دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ اپنے خیال، قول و عمل سے ان تمام چیزوں کو خارج کر دے جو ہمارے عقیدہ کے قانون اور روح کے خلاف ہو اور وہ اپنے اعمال سے اسلام کی حقانیت کی شہادت دے۔

انڈونیشیا میں اسلام

اقلیتی گروپوں اورقوم پرستوں کی حکمتِ عملی، چالوں اوراسلامی سیاسی جماعتوں کی پسپائیوں کے باوجودتقریباًان کے خاتمے پرمنتج ہوئی ہیں۔انڈونیشیا کی اسلامی زندگی کے ہر پہلو میں ترقی ہوئی ہے۔ایسامحسوس ہوتا ہے کہ ہردھچکے کے بعداسلام ایک نئی قوت کے ساتھ ابھرتا ہے۔مختلف نقطۂ نظر رکھنے والی سیاسی جماعتیں آتی جاتی رہتی ہیں لیکن اسلام ایک مشترکہ قدرکی حیثیت سے باقی رہنے والا ہے۔ایسا ہونا تو ایک فطری بات ہے۔ایک ایسے ملک میں جس کی عظیم اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔(انڈونیشیا میں ۱۲ کروڑ کی آبادی میں تقریباً ۸۰ فیصدی مسلمان ہیں) یہ محض حماقت اوروقت ضائع کرنا ہے کہ اکثریت کے مفاد کے خلاف۔مثلاًبرسرپیکار رہاجائے موجودہ حکومت تدریجی طور پر اس حقیقت کوتسلیم کرتی جارہی ہے ۔ عالمی کرسچین کانگریس کی منسوخی جوحکومت کی منظوری سے جکارتہ میں منعقد ہونے والی تھی،اس کی ایک علامت ہے۔جکارتہ میں عالمی کرسچین کانگریس کاانعقاد بالکل ایساہی ہوتا جیسے منیلامیں عالمی مسلم کانگریس منعقد کی جائے لیکن مسلم ممالک اتنے ہوش مند ہیں کہ انھوں نے ایسی جرأت مندانہ تجویز پیش نہیں کی کہ کہیں اس سے عیسائیت کے جذبات مجروح نہ ہوں۔انھوں نے لاہوریا کوالالمپور میں اس قسم کی کانفرنسوں کے انعقاد پرقناعت کی۔مسلم اقلیت کی حالتِ زار کے پیش نظر منیلا کی حکومت بھی اس کو پسند نہیں کرتی چونکہ اس سے اس کی بدنامی ہوسکتی تھی۔انڈونیشیااقلیتوں کے لیے نسبتاً ایک جنت ہے۔ اس کی ۳ فیصدی چینی اقلیت ملک کی تقریباً اسی فیصدی اقتصادیات پر چھائی ہوئی ہے۔حکومتی ڈھانچے میں عیسائی اقلیت کافی اچھی پوزیشن میں ہے۔

سب سے ممتاز عیسائی لیڈر جنرل سھاتو پانگ نے خود یہ اعتراف کیا ہے کہ ماشومی پارٹی کی حکومت میں بھی جو مسلمانوں کی سیاسی قوت کا دورِ عروج خیال کیا جاتا ہے، مسلمانوں کی سیاسی آواز کو ۵۰ فیصدی سے زیادہ اہمیت حاصل نہیں رہی۔ ماشومی وزارتوں کے بعد قوم پرستوں، عیسائیوں اور چینی اقلیت کی مشترکہ قوتوں کی جو ہمیشہ اکثریت کے مفادات کے خلاف برسرِ عمل رہتی ہیں، ترکیبوں اور جوڑ توڑ سے مسلمانوں کی سیاسی حیثیت مسلسل روبہ زوال ہے۔ جمہوریت کا اصل جوہر اکثریت کی حکومت ہے۔ انڈونیشیا کی غالب اکثریت مسلمان ہیں اور جب تک اسے سیاسی زندگی میں اس کے جائز مقام سے محروم رکھا جائے گا، ملک میں حقیقی جمہوریت قائم نہیں ہوسکتی۔ انڈونیشی مسلمانوں کی تعریف کی جانی چاہیے کہ اقلیتوں کے ساتھ برتاؤ کے معاملے میں دنیا کے تمام مسلمانوں سے زیادہ روادار اور فیاض واقع ہوئے ہیں۔ وہ اقلیتوں کی منہ بھرائی کرتے ہیں اور انھیں خوش رکھنے کے لیے نقصان اٹھاتے ہیں۔ بظاہر انڈونیشی مسلمان اپنے حقوق کے معاملے میں سب سے کم جدوجہد کرنے والے ہیں۔ لیکن تدریجاً محسوس طور پر صورتِ حال میں تبدیلی آرہی ہے۔ اس طرح کی غیر مساویانہ صورتِ حال میں تبدیلی آرہی ہے۔ اس طرح کی غیر مساویانہ صورت حال ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ یہ بالکل مصنوعی ہے۔ جس طرح انڈونیشیا کی حریص کمیونسٹ پارٹی جو اپنی استعداد سے زیادہ طاقت حاصل کرنا چاہتی تھی۔ ۱۹۶۵ء کے ناکام انقلاب کے نتیجے میں تباہی کا شکار ہوئی۔ اسی طرح ان عناصر کا بھی وہی انجام ہوگا جو اپنے استحقاق سے زیادہ اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی کے شرم ناک زوال کے بعد انڈونیشیا میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی راہ میں کوئی خاص رکاوٹ باقی نہیں رہی ہے۔ کمیونسٹ پارٹی ہی اس ملک میں اسلام کے لیے سب سے اہم مزاحم تھی۔ اگرچہ انڈونیشیا میں مساجد اور دوسرے اسلامی اداروں کی عمارات بہت پرشکوہ اور ممتاز نہیں ہیں لیکن اسلامی علم و فضل کا معیار حیرت انگیز طور پر بلند ہے۔ اسلام پر عمل کا بھی یہی معاملہ ہے۔ پندرہ سو میل کے فاصلے میں منتشر ہزاروں جزیروں میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک خواہ آپ فیکٹری میں ہوں خواہ فارم پر، جنگل میں ہوں یا دفتر میں آپ کو خوش الحان موذنوں کی آواز سنائی دے گی۔

انڈونیشی مسلمان ضرورت سے زیادہ قدامت پسند نہیں ہیں۔ انھوں نے بہت عرصہ

قبل مائیکروفون کا استعمال شروع کردیا تھا۔ بڑے شہروں سے لے کر چھوٹے سے گاؤں تک میں مذہبی اجتماعات میں مائیکروفون کا استعمال کیا جاتا ہے۔ حکومت کی امداد یا اس کے بغیر اقامتی مذہبی مدارس جنھیں PASANTRENS کہا جاتا ہے کہ تعداد پورے ملک میں تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ حج پر غیر معمولی مصارف کے باوجود کمیونسٹ حکومت کے زوال کے بعد سے عازمین حج کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ (ہوائی جہاز سے فی کس ۵۲۴۰۰۰ انڈونیشی روپیہ، بحری جہاز سے فی کس ۱۵۲۰۰۰ انڈونیشی روپیہ۔ ایک انڈونیشی روپیہ ۵۰ ہندوستانی روپیہ کے مساوی ہے۔) ۱۹۷۲ء میں حاجیوں کی تعداد ۲۰۰۰۰، ۱۹۷۳ء میں ۴۰۰۰۰ اور ۱۹۷۴ء میں ۷۰۰۰۰ ہزار تھی۔ اگر پوری اور مناسب سہولتیں فراہم کی جائیں تو یہ تعداد چند سال میں کم ازکم دو لاکھ تک پہنچ سکتی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے مقابلے میں انڈونیشیا عرب ملکوں سے بہت فاصلے پر واقع ہے لیکن وہاں کی زبان اور کلچر پر عربی زبان کا کہیں زیادہ اثر ہے۔ برصغیر ہندوپاک کا اسلام فارسی اثرات کا حامل ہے جب کہ انڈونیشیا میں عربی اثر ہے۔ یہاں کوئی بھی ''نماز'' کے لفظ سے واقف نہیں ہے۔ یہاں عبادت کو ''صلوٰۃ'' کہا جاتا ہے۔ ہفتہ کہا جاتا ہے۔ ہفتہ کے دن اور اعداد عربی سے ماخوذ ہیں۔ انڈونیشی زبان میں جسے بھاشا کہا جاتا ہے ۳۰ فیصدی سنسکرت ہے۔ لیکن خود لفظ بھاشا عربی سے ماخوذ ہے۔ قرآن کی قرأت اور تلفظ اصل عربی کی طرح ہے جب کہ برصغیر ہندوپاک میں جو مشرقِ وسطیٰ سے اس قدر قریب ہے، قرآن کی اصل قرأت اور تلفظ سے اس قدر دور ہے کہ بعض اوقات اس کی شناخت مشکل ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اکثریت کے خلاف جو گروپ بھی جوڑ توڑ اور سازشیں کریں گے بالآخر انھیں شرم ناک ناکامی کا منہ دیکھنا اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حقیقی جمہوریت اور اس طرح اسلام کی آخری فتح یقینی ہے۔

بنگلہ دیش میں اسلامی تحریک

غلام حسین ڈھاکہ

بنگلہ دیش جب پاکستان کا حصہ تھا اس وقت وہاں جو قابل ذکر جماعتیں اسلام کے لیے کام کررہی تھیں ان میں جماعتِ اسلامی، نظام اسلام، جماعتِ تبلیغ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ تمدنِ مجلس میں جو ایک ثقافتی تنظیم تھی متعدد دانشور شامل تھے۔ بنگلہ دیش کے قیام کی جدو جہد اور اس کی کام یابی کے بعد اسلامی قوتوں کو سنگین نوعیت کی پسپائیوں کا سامنا کرنا پڑا اور اسلامی طرز فکر کے دانشوروں اور کارکنوں کے لیے کوئی تنظیم کھڑی کرنا بہت مشکل ہوگیا۔

موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ اسلامی سیاسی جماعتوں پر پابندی ہے۔ یہ پابندی دستور کی عائد کردہ ہے۔ بنگلہ دیش کے دستور کی دفعہ ۳۸ میں لکھا گیا ہے کہ ''ہر شہری کو جماعت بنانے کا حق حاصل ہوگا بشرطیکہ وہ مذہب کے نام پر یا مذہب کی بنیاد پر سیاسی مقصد سے قائم نہ کی گئی ہو۔'' جب تک دستور میں ترمیم نہیں ہوتی صورتِ حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ بلاشبہ جلد یا بدیر دستور کی اس دفعہ میں ترمیم کے لیے تحریک اٹھے گی کیونکہ یہ اسلام اور جمہوری آزادیوں دونوں کے منافی ہے۔

قبل اس کے کہ بنگلہ دیش میں اسلامی جدو جہد کے امکانات پر گفتگو کروں میں وہاں کے مسائل پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی رکاوٹ کا میں پہلے ہی تذکرہ کرچکا ہوں۔ دوسری بڑی مشکل بنگالی زبان میں اسلامی لٹریچر کی کمی ہے۔ بدقسمتی سے بنگالی زبان میں اسلامی لٹریچر کا سرمایہ ہمیشہ کم رہا ہے۔ بنگال میں چند ہی وقیع اسلامی مصنف ہیں۔ پاکستانی دور میں اسلام پر متعدد تصانیف کا اردو سے بنگلہ زبان میں ترجمہ ہوا۔ جن مصنفین کی

کتابوں کے ترجمے ہوئے ان میں ڈاکٹر اقبال، مولانا مودودی، مولانا سلیمان ندوی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا صدرالدین اصلاحی وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن ان کتابوں کا اسٹاک ختم ہو چکا ہے اور ان کی طباعت واشاعت کا اب کوئی انتظام نہیں۔

تیسری اہم مشکل جس کا تعلق بنگلہ دیش کی حالیہ تاریخ سے ہے، یہ ہے کہ بیشتر اسلامی رہنما یا تو ملک سے باہر ہیں یا اس موقف میں نہیں کہ عوامی زندگی میں آسکیں۔ اس کی وجہ سے بنگلہ دیش میں اسلامی تحریک کو قیادت کے بحران کا سامنا ہے۔

ایک اور سنگین مسئلہ اسلامی جرائد اور اخبارات کا فقدان ہے۔ نہ تو بنگلہ زبان میں کوئی اخبار ہے اور نہ انگریزی میں کوئی جریدہ۔ اس کی اہم وجہ مالی وسائل کی کمی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مالیات کی کمی تمام اسلامی منصوبوں کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور اس کی وجہ عام غربت وافلاس ہے۔ سیاسی پلیٹ فارم کے نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی عناصر ثقافتی وتمدنی اداروں میں منظم ہو رہے ہیں۔ ان اداروں کا مقصد سماجی خدمت اور معاشرے کی اصلاح ہے۔ کچھ لوگ یا تو اسلامی موضوعات پر لکھ رہے ہیں یا اسلام سے متعلق تصانیف کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ ان میں سے مولانا صدرالدین اصلاحی کی کتاب ''اسلام ایک نظر میں'' شائع ہو چکی ہے۔

بنگلہ دیش میں اسلامی تحریک کے مستقبل کے بارے میں کوئی پیش گوئی کرنا مشکل ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ ۷۲-۱۹۷۱ء میں اسلام اور اسلامی تہذیب کو جو خطرہ درپیش تھا وہ ٹل گیا ہے۔ اسلامی تہذیب سے عوام میں پھر سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے اور اگر اسلامی کارکن پوری لگن اور تن دہی سے کام کریں اور کھل کر کام کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے تو اسلام ملک کی سیاست اور تمدن میں فیصلہ کن رول ادا کرتا رہے گا۔ اس سلسلے میں ہندوستان کی مسلم قیادت اہم رول ادا کرسکتی ہے۔

ہندوستان کے ادارے بنگلہ دیش کے طلبہ کو وظائف دے سکتے ہیں۔ مسلم جماعتیں بنگلہ اور انگریزی زبانوں میں بنگلہ دیش کی لائبریریوں، مدرسوں، یونیورسٹیوں اور پریس کلبوں کو اسلامی لٹریچر بھیج سکتی ہیں۔

اسلامک سرکل ماریشس

اسلامک سرکل ماریشس بحیثیت ایک نظام حیات کے اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف ہے۔ جناب ملک محمد حسین ایم۔اے بی۔ٹی کی رہنمائی اور سرپرستی میں ۱۹۵۹ء میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا مقصد مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں میں اور خصوصیت سے نوجوانوں میں اسلام کا پیغام پہنچانا، ان میں اپنے رب کے حضور احساس جواب دہی اور اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کے قوانین کی پیروی کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔

اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سرکل اسلامی لٹریچر خصوصاً مولانا مودودی، پروفیسر خورشید احمد، سید قطب شہید اور ڈاکٹر حمید اللہ جیسے عالموں کی تصانیف سے جو جماعت اسلامی ہند، جماعت اسلامی پاکستان، اسلامک فاؤنڈیشن فرانس اسلام کی شائع کردہ ہیں استفادہ کرتا ہے۔ باہر سے کتابیں منگانے کے علاوہ سرکل خود اپنا لٹریچر بک اور پمفلٹس فرنچ میں شائع کرتا ہے۔ ان میں سے کچھ انگریزی اور اردو سے ترجمہ کی گئی ہیں۔

قرآن کے اجتماعی مطالعہ کے لیے ہفتہ وار اجتماعات ہوتے ہیں۔ اس طرح کے اجتماعات میں غیر مسلموں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے۔ اس کے نتائج حوصلہ افزا ہیں۔

تین مساجد میں جن میں پورٹ لوئس کی مسجد بھی شامل ہے جمعہ کو پابندی سے تقاریر کی جاتی ہیں۔ اس کے بھی بہت اچھے نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ یہ تقاریر مقامی بولی میں کی جاتی ہیں۔

نوجوان مسلمانوں کو شبینہ درجات میں عربی کی مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ ابھی تک ہمارے پاس کوئی مستند استاد نہیں ہے لیکن جو بھی تھوڑی بہت عربی سیکھ رہے ہیں وہ اپنا محدود

علم دوسروں کو بھی منتقل کرر ہے ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی نے جو انسٹی ٹیوٹ حاصل کیا ہے اب اسے متحرک کیا جارہا ہے۔ رابطہ کے سکریٹریٹ نے حال ہی میں اپنے ایک نمائندہ پروفیسر عبدالوہاب ڈکورے کا تقرر کیا ہے، وہ ماریشس پہنچ گئے ہیں۔ توقع کی جاتی ہے کہ اب عربی کی تعلیم میں تیزی سے توسیع ہوگی۔

سرکل تدریجی طور پر ایک مختصر سی لائبریری بنارہا ہے۔ اس میں عربی، انگلش، اردو اور فرنچ تصانیف ہوں گی۔

اسلام کی تبلیغ کے علاوہ ہم براہ راست بھی اور بالواسطہ بھی دوسرے اداروں کے ذریعہ معاشرتی اور تعلیمی کام بھی کرر ہے ہیں۔ مساجد اور ضرورت مند افراد کی اپنے وسائل کی حدود میں مدد کی جاتی ہے۔

اسلامک سرکل قادیانیوں اور دوسرے جارح گروپوں کے مقابلے میں اسلام کی مدافعت کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے۔ مقامی آبادی اور بہت سی اسلامی تنظیموں کے لیے جن سے ہم مسلسل رابطہ رکھتے ہیں وہ اس پہلو سے معلومات فراہم کرنے کا وسیلہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا سب سے اہم مسئلہ مناسب اسلامی تعلیم کا انتظام ہے۔ اس کی وجہ مناسب اساتذہ کا فقدان ہے۔ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سرکل نے اسلامی یونیورسٹی مدینہ اور کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ سے وظائف حاصل کیے ہیں۔ دارالافتاء ریاض نے حال ہی میں ہماری درخواست پر ایک ہندوستانی عالم شیخ اخلاص احمد کا ماریشس میں تقرر کیا ہے۔

ہم یہاں یہ بھی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہم خود اپنا فرنچ لٹریچر افریقہ کی فرنچ بولنے والی آبادیوں کو بھیج رہے ہیں اور وہ موثر ثابت ہورہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضؓ کی سوانح عمریاں اور مقامی مدرسوں کے لیے کچھ نصابی کتابوں کی اشاعت کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔

اسلام کے لیے مستقبل روشن نظر آتا ہے۔ اللہ کی مدد اور دوسری فعال اسلامی تنظیموں کی مدد سے ہم اعتماد کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔

جاپان میں اسلامی تحریک

مولوی سمیع اللہ مکرانی، بہرائچ

کئی سال ہوئے دنیا کے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی ایک عظیم الشان کانفرنس جاپان کے پر فضا شہر شمیزو میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں ہندوستان کے ایک وفد نے شرکت کی، اس وفد کا میں بھی ایک رکن تھا۔

کانفرنس ختم ہونے کے بعد مجھے دو ماہ تک جاپان میں ٹھہرنے کا موقع ملا۔ اس مدت میں مجھے ایسے ترقی پسند جاپانیوں سے ملنے اور گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا جو اپنی اخلاقی، روحانی، مادی وسماجی ترقیات وبہبودی کے لیے مختلف مذاہب کے مطالعہ میں خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کو ایک ایسے مذہب کی تلاش ہے جو ان کی دینی ودنیاوی فلاح کے لیے صحیح وسائل وطریقے بتا سکے۔ میں نے دیکھا کہ قریب قریب ہر ایک راسخ العقیدہ جاپانی خاندان میں ایک نجی عبادت گاہ ہوتی ہے۔ وہاں کے دو خاص مذہب ہیں ایک بدھ مت اور دوسرا جاپانی شنتو ازم جس کو شہنشاہ پرستی بھی کہا جا سکتا ہے۔

جاپان کا سب سے بڑا تجارتی شہر اوساکا ہے اور کوبے اس کی بندرگاہ ہے۔ ان دنوں اوساکا شہر میں ایک بہت بڑی بین الاقوامی نمائش ہو رہی تھی جس میں ہندوستان کا اسٹال بھی تھا۔ نمائش دیکھنے کی غرض سے میں اپنے نوجوان جاپانی ترجمان کے ساتھ لڑکیواسے اوساکا پہنچا۔ یہاں جس ہوٹل میں ٹھہرا تھا اس کے منیجر ایک جاپانی نومسلم مسٹر تاردیاماموٹو تھے جو جاپانی زبان کے عالم تھے اور ان کی انگریزی قابلیت بھی اچھی تھی۔ کوبے سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر تحصیل

(پریفکچر) تکارازوکا میں رہتے تھے۔ ان کا خاندان بہت بڑا تھا۔ کئی بھائی تھے سب کا کاروبار مشترکہ تھا مگر مذہبی عقائد کے اعتبار سے مختلف تھے۔ ایک بھائی بدھ مت کا پیرو تھا۔ دوسرا بھائی عیسائی تھا۔ تحصیل تکارازوکا ایک نہایت پر فضا مقام ہے۔ یہاں علم موسیقی اور رقص کا بہت بڑا ادارہ ہے۔ مسٹر یاماموٹو نے مجھے جمعہ کے دن اپنے دولت کدہ پر مدعو کیا، کار پر صبح سات ہی بجے مجھے لے گئے ناشتہ پر اپنے خاندان کے لوگوں سے فرداً فرداً تعارف کرایا۔ دوپہر کا کھانا جب ایک بجے ختم ہوا تو میں نے اپنے میزبانوں سے جلد جدا ہونے کا اصرار کیا کیونکہ میری خواہش تھی کہ کوبے کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھوں۔ جناب یاماموٹو صاحب نے فرمایا کہ عجلت کرنے کی ضرورت نہیں جمعہ کی نماز یہیں پڑھیے۔ میں خاموشی سے سوچنے لگا کہ یہاں نہ تو کوئی مسجد دکھائی دیتی ہے اور نہ کوئی نمازی۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں مکان کے ایک گوشے سے اذان کی صدا کان میں پڑی۔ میزبان موصوف مجھے علیحدہ کمرہ میں لے گئے داخل ہوتے ہی کمرہ کی مغربی دیوار پر نظر پڑی دیکھا کہ ایک خوبصورت مسجد دیوار پر منقش تھی چند اسلامی کلنڈر اور طغرے لگے ہوئے تھے صاف ستھرے مخملی مصلے سے عبادت گاہ کا فرش مزین تھا دس بارہ نمازی سنتیں ادا کر رہے تھے ہم سبھوں نے باجماعت نماز جمعہ ادا کیا اور رب العالمین کی بارگاہ میں نوع انسانی کی عمومی فلاح وبہبودی کی دعا مانگی گئی۔

اس کے بعد مسٹر یاماموٹو نے ہمیں اپنے گھرانے کی بودھ اور عیسائی عبادت گاہیں بھی دکھائیں۔ میرے جاپانی ترجمان نے میزبانوں سے کہا کہ آپ کے مہمان ہندوستان میں اس مقدس مقام کے رہنے والے ہیں جہاں مہاتما گوتم بدھ نے متواتر پچیس سال تک بدھ مت کا پرچار کیا۔ یہ مقام ہند کے سب سے بڑے صوبے اتر پردیش میں شہر بہرائچ کی جانب پورب میں سولہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس جگہ مہاتما گوتم بدھ کے تبلیغی ادارے کی عمارتیں اب بھی کھنڈر کی شکل میں موجود ہیں جو سراوستی یا سہیٹ میٹ کے نام سے مشہور ہے۔ ہر سال بودھ جاپانی سیاح اس مقام کو زیارت کرنے کے لیے ہندوستان جاتے ہیں۔ ترجمان کا قطع کلام کرتے ہوئے مسٹر یاموٹو موصوف نے میری طرف مخاطب ہو کر پوچھا تو آپ کے بہرائچ میں بودھ مذہب کے ماننے والے کافی تعداد میں آباد ہوں گے۔ میں نے جواب دیا کہ زمانہ قدیم سے بہرائچ کی

آبادی ہندو مسلم پر مشتمل ہے۔ بودھ دھرم کا ایک باشندہ بھی نہیں ہے البتہ حال ہی میں کچھ جینی ،سکھ اور عیسائی آباد ہو گئے ہیں۔ ہمارے ضلع کی خاص بات یہ ہے کہ عرصہ نو صدی سے سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار درگاہ شہر بہرائچ کی جانب اتر میں قریب دو میل کے فاصلہ پر ہے، ہر سال موسم گرما میں یہاں بہت بڑا میلہ ہوتا ہے۔زائرین کی تعداد اوسطاً ڈیڑھ لاکھ ہو جاتی ہے جس میں ۸۰ فیصدی سے زیادہ ہندو یاتری ہوتے ہیں۔ سارے ہندوستان میں یہ میلہ ہندو مسلم اتحاد کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ بہرائچ ضلع میں مسجد، مندر، گوردوارہ، پگوڈا اور گرجا گھر ہیں لہٰذا مذہبی لحاظ سے ہم بہرائچ کو کاسا پولٹین شہر کہہ سکتے ہیں۔

شام کی چائے پینے کے بعد دینی موضوع پر تبادلہ خیال ہوا۔ میں نے میزبان موصوف سے پوچھا کہ آپ نے اسلام کو کب سے اپنایا ہے اور اس مذہب میں کیا خاص بات پائی۔ انہوں نے جواب میں اسلام کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک عالمگیر انقلابی مذہب ہے جس نے انسانی دماغ و ذہن کو بدل دیا ہے۔ وہی انسان جو اسلام کے قبل خود غرضی، باطل پرستی، جہالت وغیرہ میں مبتلا تھے اسلام نے اس کے اندر دوسروں کے لیے ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ بلا امتیاز مذہب و ملت اور قومیت کے دوسروں کے درد اور دکھ کو اسی طرح محسوس کرنے لگا ہے، جیسے وہ اپنے دکھ اور تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ بین الاقوامی اخوت، امن و انصاف اور حق پرستی اسلامی عمارت کی سنگ بنیاد ہیں۔ قرآن پاک انسانی زندگی و عاقبت کا مکمل الہامی دستور العمل ہے۔ ظاہری نمود و نمائش جسے مذہب کے تنگ نظر پیروکار بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں ہمارے خیال سے کوئی مذہبی تقاضا نہیں ہے۔ بعض مذہبی رسوم کو ایک خاص مذہبی طریقے سے انجام دے لینا یا خاص طرز کا لباس پہن لینا اور کچھ خاص قسم کے نام رکھ لینا کسی مذہبی فریضہ کا خاص مقصود نہیں ہو سکتا۔ سچا مذہب درحقیقت ذہن و فکر اور قول و عمل کی پاکیزگی ہے۔ اسلام انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں کامیابی اور ترقی کی پرزور حمایت کرتا ہے۔ گروہ بندی یا فرقہ پرستی کی جگہ اسلام میں نہیں ہے برخلاف اس کے ایک اچھا شہری بنے اور تمام لوگوں کو اپنے ہی خاندان کے افراد سمجھنے اور عملی سلوک کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ خوبی اسلام کے علاوہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ہے۔ اسی خوبی سے متاثر ہو کر میں نے یہ سچا دین قبول کیا اور ایک

مجھ ہی پر موقوف نہیں بلکہ جو جاپانی اسلام کا گہری نگاہ سے مطالعہ کر رہے ہیں وہ سب کے سب اسلام کی خوبیوں سے متعارف ہو رہے ہیں۔ اسلام کے متعلق جناب یاموٹو کے مذکورہ بالا اظہار خیال کی تعریف کرتے ہوئے ان سے جدا ہوا۔

اپنے قیام کے دوران میں نے جاپان کے مختلف شہروں اور علاقوں میں گھوم پھر کر یہ بات محسوس کی کہ جاپانیوں میں مذہبی شغل اور دلچسپی بڑھ رہی ہے۔ وہ اسلام کی افادیت کو سمجھنے لگے ہیں۔ جاپان میں تبلیغ اسلام کے لیے وسیع میدان موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہمارے وسیع النظر اور قابل مسلم مشنری مبلغ صاحبان تھوڑی توجہ اس طرف کر دیں تو جاپان میں اسلامی تحریک کامیاب ہو سکتی ہے۔

مورخہ ۲۳ رجون ۱۹۷۴ء کو زیر اہتمام رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ جاپانی مسلمانوں کی ایک عام میٹنگ ٹوکیو میں منعقد ہوئی۔ گھنٹوں بحث ومباحثہ کے بعد جاپانی مرکزی اسلامی بورڈ کی تشکیل ہوئی جس کے ڈائرکٹر و دیگر اراکین حسب ذیل منتخب ہوئے:

۱۔ پروفیسر الحاج عبدالکریم سیتو (جاپان) سکریٹری جنرل
۲۔ ڈاکٹر صالح مسماری (عرب) نائب سکریٹری جنرل
۳۔ جناب موسیٰ محمد عمر (چین) خزانچی
۴۔ جناب ٹی محیط (ترکی)
۵۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر اے حسین السایی (مصر)
۶۔ جناب حسن خاں (پاکستان)
۷۔ جناب ہر منتو صاحب (انڈونیشیا)
۸۔ جناب الہادی ریب (سیریا)
۹۔ جناب ابو بقر چو (چین)
۱۰۔ جناب محمد عمر (سوڈان)
۱۱۔ جناب سید جمادی تقتدیر (ایران) ڈائرکٹر

ان میٹنگ مذکور میں ایک قرارداد پاس ہوئی جس کے مقاصد درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) جاپان میں جو اسلامی پرچار کرنے والے ادارے ہیں ان کو از سر نو منظم کیا جائے اور جدید ترقیات کی روشنی میں اسلامی تبلیغ کا کام شروع کیا جائے۔

(۲) جاپان کی راجدھانی ٹوکیو میں ادارہ اسلامی کی ایک مرکزی میٹنگ اور میٹنگ ہال تعمیر کیا جائے۔ نروٹو، شکوکو، کیوٹو وغیرہ میں مساجد کی تعمیر کی جائے اور اسلامی مرکز کی شاخیں قائم کی جائیں۔

(۳) اسلامی لٹریچر، کتب وغیرہ کے ترجمے عام فہم جاپانی زبان میں کیے جائیں، انسان کی زندگی سدھارنے والی قرآن پاک کی خاص خاص آیات کے ترجمے سلیس جاپانی زبان میں کر کے مفت تقسیم کیے جائیں۔ غیر مسلم جاپانیوں نے اسلام کے متعلق جو کتب تصنیف کی ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے اگر اسلامی تعلیمات کے برخلاف کوئی بات ان تصنیفات میں پائی جائے تو اس کی درستی وصحت کے لیے مناسب لٹریچر شائع کیے جائیں۔

(۴) ایک اعلیٰ پیمانہ پر مرکزی کتب خانہ ٹوکیو میں قائم کیا جائے جو اسلامی کتب، لٹریچر، رسالے وغیرہ سے آراستہ ہو، جاپانی مسلم طلبہ کو اعلیٰ اسلامی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے دیگر اسلامی تعلیمی اداروں میں وظیفے عطا کر کے بھیجا جائے تاکہ وہ حصول تعلیم کے بعد اپنے وطن کی خدمت بطور مسلم مشنری کے کرسکیں۔ فی الحال دیگر ممالک کے ان قابل وتجربہ کار مسلم مبلغین سے جو صاحب اقتدار وحیثیت ہوں اپیل کی جائے کہ وہ جاپان جا کر اسلامی خدمت کریں کار ثواب ہوگا ان کی آمد ورفت قیام وطعام وغیرہ کے اخراجات کا انتظام جاپان کا مسلم بورڈ کرے گا۔

لنکا میں تحریکِ اسلامی

سری لنکا سے بھی مسلمان لیڈروں کا ایک وفد جماعت اسلامی ہند کے اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے آیا تھا۔ انہی میں جماعت اسلامی سری لنکا کا بھی ایک وفد تھا۔

نمائندہ دعوت کی خواہش پر جماعت اسلامی سری لنکا کے قائم مقام جنرل سکریٹری مسٹر اے۔آر۔ایم مبارک نے وہاں کے حالات اور اپنی تنظیم کے سلسلے میں حسب ذیل خیالات ظاہر فرمائے۔

جماعت اسلامی سری لنکا کا قیام ۱۹۵۴ء میں عمل میں آیا۔ اس مملکت میں رہنے والے مسلمان اسلام کی حقیقی تعلیم سے بڑی حد تک نا آشنا رہے ہیں اس لیے ہماری تنظیم کا ایک خاص کام یہ تھا کہ مسلمانوں کے سامنے اسلام کو اس کی صحیح شکل میں لایا جائے۔ جماعت کو اپنے کاموں کے سلسلے میں شدید جدو جہد کرنا پڑی تاہم اب بحمداللہ اس کے قدم اپنی مملکت میں مضبوطی کے ساتھ جم گئے ہیں۔

جماعت اسلامی سری لنکا کے کل ۲۶ ارکان ہیں جو بحمدہ پورے کے پورے اسلام کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہیں۔ جماعت نے اسلامی اسٹڈی سرکل قائم کیے ہیں اور پورے جزیرے میں اس ادارے کی ۳۰ شاخیں قائم ہیں اور کام کر رہی ہیں۔ اسٹڈی سرکل کے ایک ہزار ممبر ہیں اور اس کا خاص کام یہ ہے کہ نوجوانوں کی تبلیغ اسلام کے لیے تربیت دی جائے۔ ان میں سے تربیت یافتہ اصحاب "رفیق" کی رکنیت حاصل کر لیتے ہیں جو اسلامی اسٹڈی سرکل کا بلند درجہ ہے اور پھر انہی میں سے لوگ جماعت کے رکن بنتے ہیں۔ جماعت کی کوشش ہے کہ سماج کے مکھن کو جمع کیا جائے

تا کہ وہ سری لنکا میں اسلام کے استحکام کے لیے قیادت کا فرض انجام دے سکے۔

سری لنکا کی حکومت کی جو پالیسیاں اسلامی نظریات کے لیے مضرت رساں ہیں یا اسلام دشمن عناصر کی مخالفانہ سرگرمیوں کے خلاف جماعت اسلامی سری لنکا نے ان کے خلاف احتجاج کیا ہے اس طرح جماعت اسلامی اپنی مملکت میں رہنے والے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے سرگرم عمل ہے۔ جماعت نے تامل اور سنہالی زبانوں میں ایک ماہانہ جریدہ ''الحسنات'' تامل زبان میں شائع کرنا شروع کیا ہے جو اسلامی نظریات کی ترجمانی کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

سری لنکا کی اقتصادی حالت روز بروز خراب تر ہوتی جارہی ہے اور اس کی بنا پر وہاں کے لوگ شدید مشکلات میں مبتلا ہیں اور جماعت بھی ان سے مستثنیٰ نہیں ہے، جماعت اسلامی کے معطی حضرات بھی اپنی مشکلات میں مبتلا ہیں ان حالات میں مسلم ملت کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے جماعت کو شدید دشواریوں سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ کتابوں کی اشاعت بھی رک گئی ہے۔ ماہنامہ الحسنات کی مالیاتی حالت بہت نازک ہے اور اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت بھی کہیں نہ رک جائے۔

جماعت اسلامی سری لنکا جماعت اسلامی ہند اور دنیا کی دوسری حقیقی اسلامی تنظیموں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ موجودہ دشواریوں پر قابو پانے میں تعاون کریں۔ جماعت اسلامی کے بنیادی ستون اس کے ارکان ہیں۔ اگر ہم ان ارکان کو کارکنوں میں اور کارکنوں کو لیڈروں میں بدل سکیں تو جماعت اسلامی کے لیے سری لنکا کے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بننے کی راہیں نکل کر رہیں گی اور اسی کے بعد ہم اس لائق بن سکیں گے کہ غیر مسلموں پر توجہ کر سکیں۔

جماعت اسلامی معاشرہ کو بڑے سنگلاخ حالات میں قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے۔

ہم آپ سے عاجزانہ درخواست کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا مشکلات پر قابو پانے کے لیے ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔

مکتوب روم

[دیارِ مغرب میں دعوتی سرگرمیاں]

[یہ مکتوب روم (اٹلی) سے ڈاکٹر محمد علی صبری ڈائرکٹر ادارہ شیزی (اسلامی نیوز ایجنسی) نے اجتماع کے موقع پر روانہ فرمایا ہے۔ اصل مکتوب عربی میں ہے۔ اس کا ترجمہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔]

میری آرزو تو یہ تھی کہ میں آپ کے کل ہند اجتماع میں شریک ہوتا اور کیتھولک مسیحی مذہب کے مرکز اٹلی کے رہنے والے مسلمانوں کی دینی سرگرمیوں اور وہاں کے حالات کے بارے میں آپ سے بات چیت کرتا۔ لیکن میرے ذاتی حالات میری راہ میں رکاوٹ بن گئے ہیں اور میں اپنی خواہش کے باوجود حاضر نہیں ہوسکتا، اب اس آرزو کو پوری کرنے کی ایک ہی شکل ہے اور میں اس کو اپناتے ہوئے اس مضمون کے سہارے آپ سے بات چیت کر رہا ہوں اور عالمی مسیحی مرکز روما (اٹلی) کے مسلمانوں کی آواز آپ تک پہنچا رہا ہوں۔ آپ اٹلی کے محل وقوع سے آگاہ ہیں، قدیم اسلامی ملکوں سے متصل اس ملک میں ۵۰ ملین افراد رہتے ہیں اور اشتراکیت کے پھیلاؤ کے باوجود سب کے سب کیتھولک مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے جنوبی حصے میں اسلامی تہذیب وتمدن کی ترقی کے آثار آج تک پائے جاتے ہیں۔ روم ہی میں وٹیکین سٹی ہے جہاں عالمی مسیحی رہنما پوپ کا مرکز ہے۔ اٹلی میں آج کل تقریباً ۵۰ ہزار مسلمان رہ بس رہے ہیں۔ ان میں بڑی تعداد البانیہ، یوگوسلاویہ اور بلغاریہ کے مسلمانوں کی ہے۔ یہ دوسری عالمی جنگ

کے بعد اشترا کی یلغار کے باعث بھاگ کر یہاں آئے اور اب ترسینا، میلانو، جنیوا، روم اور نابولی کے علاقے میں آباد ہیں ۔ یہاں ان کے علاوہ اٹلی کی مختلف یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں میں ۸ ہزار مسلم طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں ۔ مزید براں پانچ ہزار مسلمان بھی ہیں جن کا تعلق کسی آزاد پیشہ سے ہے یا بین الاقوامی اداروں میں ملازم ہیں یا مختلف ایرلائنوں یا اٹلی ویٹیکین سٹی کے سیاسی حلقوں میں کام کرتے ہیں، ان کے علاوہ ایک مسلم گروہ اور بھی پایا جاتا ہے خاص بات یہ ہے کہ وہی اٹلی کے باشندے ہیں ۔ ان کی تعداد بھی ہزاروں سے اوپر ہے ۔ ان لوگوں نے پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کے بعد اسلام قبول کیا ۔ ان میں کچھ لوگ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہیں کچھ لوگ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں کچھ لوگ بحیثیت ادیب اور مفکر کے ممتاز ہیں ۔ ان مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی انجمنیں مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی ہیں انہی انجمنوں کی زیر نگرانی اسلامی سرگرمیاں جاری رہتی ہیں ۔ یہاں ایک عرب اٹلی دوستی انجمن ہے ۔ اسی کے ساتھ ساتھ دونوں خطوں میں تعلقات کو بڑھانے کے لیے ثقافتی، تجارتی، دینی اور دوسری انجمنیں بھی ہیں، ابھی پچھلے دنوں حکومت اٹلی نے مسلمانوں کو دارالحکومت میں مسجد بنانے کے لیے زمین کا ایک وسیع قطعہ ہدیہ دیا، اسی طرح روم میں مسلمانوں کے قبرستان کے لیے ایک قطعہ زمین عطا کیا، اب مسجد اور قبرستان کی تعمیر کے سلسلے میں بعض مال دار ملکوں سے ربط قائم کیا گیا ۔ اور بعض مسلم ملکوں کی مدد سے اٹلی کے مختلف اسلامی مراکز میں اجتماعی خدمت کے کام انجام پائے ہوئے ہیں، دینی اور اسلامی جلسے ہوتے رہتے ہیں، جب تک مسجد تعمیر نہیں ہوجاتی ہے تب تک انھیں مرکزوں میں نماز کا نظم بھی اور قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ بھی ہوتی ہے ۔ شہر میلانو میں بھی ایک مسجد بنانے کا پروگرام ہے ۔ یہاں کے مسلمان اس کی تعمیر کے لیے خود سرمایہ اکٹھا کر رہے ہیں ۔

یہ اٹلی میں رہنے والے مسلمانوں کے حالات کا ایک سرسری جائزہ ہے ۔ اب رہی بات اسلامی دعوت کی تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ مغربی دنیا خصوصاً اٹلی میں لوگ اسلام اور عالم اسلام کے بارے میں بہت کم معلومات رکھتے ہیں اس لیے کہ یہ ماضی بعید کی اسلامی فتوحات سے خوف زدہ رہتے ہیں اور جو تھوڑی بہت معلومات رکھتے ہیں وہ بھی غلط سلط ہیں اس لیے کہ

یہ ماضی بعید میں ان معلومات میں صلیبی جنگجوں سے پیدا شدہ جذبات کی چھاپ پڑی ہوئی ہے۔
ان قدیم لڑائیوں سے جو عصبیت پیدا ہوئی ہے وہ سماوی ادیان سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان اچھے تعلقات کی راہ میں روک بن گئی، مسلمانوں کو صلیبی جنگوں کے دوران عیسائیوں کا تعارف حاصل ہوا۔ اسی طرح عیسائیوں نے ترقی فتوحات اور جنوبی یورپ پر بری حملوں کے دوران مسلمانوں کو دیکھا ان دونوں قوموں کے لیے تعارف کے یہ دونوں مواقع بہتر مواقع نہ تھے ہر ایک کی نگاہ میں دوسرے کی تصویر بگڑ گئی اسی لیے اسلامی تہذیب جب اسپین اور سسلی میں مٹ گئی تو کسی نے اس پر دھیان نہ دیا۔ اسلام نے اپنے سنہرے دور میں جو کچھ کارنامے انجام دیے وہ بھی نگاہوں سے اوجھل ہیں یہاں تک کہ خود اٹلی کو فکری تاریکی سے نکلنے میں اسلام کی بدولت جو مدد ملی اس کا احساس بھی نہیں رہا۔

حالات کے اس پس منظر میں صیہونیت اور اشتراکیت کو بھی آگے بڑھنے کا موقع ملا۔ ان دونوں تحریکوں نے بھی خدا پر یقین رکھنے والوں کے روابط کو کمزور سے کمزورتر کرنے کی کوشش کی۔ ان دونوں تحریکوں نے کبھی مسلمانوں میں تفرقہ تو کبھی یہودیوں اور مسلمانوں کی سلگائی اور کبھی مسلمانوں عیسائیوں کے تعلقات کی صورت مسخ کی، ساتھ ہی ساتھ بیرونی یلغار اور بیشتر مسلم ملکوں پر مغربی اقتدار نے مسلمانوں کو الگ تھلگ کر دیا اور وہ تہذیبی دوڑ میں بھی پیچھے رہ گئے اس سے ان کی نیک نامی بھی متاثر ہوئی اور ان باطل خیالات اور اعتقاد کو فروغ بھی حاصل ہوا جو بیرونی اقتدار اپنے ساتھ لایا تھا پھر اس زہریلے ماحول میں جب تک کہ فضا صاف نہ ہو جائے اور اسلام کے متعلق جو بدگمانیاں ہیں وہ دور نہ کر لی جائیں کوئی بھی اسلام کی دعوت دینے کی بات سوچ سکتا ہے؟ اس مقصد کے پیش نظر مرکز بعوث اسلامیہ نے تالیف و ترجمہ اور اشاعت کا کام اٹلی میں شروع کیا ہے۔ اس مرکز کا قیام اپریل ۱۹۷۲ء میں عمل میں آیا تا کہ اٹلی کے عوام کا ذہن اسلام کے بارے میں صاف کیا جائے۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں صحیح معلومات پہنچائی جائیں اور صیہونی پروپیگنڈہ مشنری جن بے بنیاد و غلط خیالات کی اشاعت کرتی ہے ان کی تردید کی جائے تا کہ لوگوں سے بہتر تعلقات قائم ہوں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مرکز نے ایک دعوتی بلیٹن شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اٹلی سرکار سے اس کی اجازت

بھی مل گئی ہے جس کا نام ہے اسلامی نیوز ایجنسی (CESI) یہ مرکز کے نام کا اختصار ہے۔ اٹالین زبان میں اس بلیٹن کی اشاعت ۳۰/۶/۱۹۷۲ء سے شروع ہوگئی ہے۔ اٹلی سرکار نے اس ایجنسی کو صحافتی نمائندگی کی اجازت دیدی ہے اور اب اسے یہ حق حاصل ہوگیا ہے کہ وہ دینی رائے کا اظہار کرے۔ ان میں شریک اور اسے اٹالین کتابوں کے شائع کرنے اور اسلامی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے حقوق بھی مل گئے ہیں غرض کہ اس طرح اب ایجنسی کو نشر واشاعت کے جدید طریقے حاصل ہوگئے ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں یہ ایجنسی اپنی عمر کے چوتھے سال میں داخل ہوجائے گی اور اس کے ارکان کی تعداد دس گنا اور اس طرح ہمیں یہ یقین ہوتا جارہا ہے کہ ہم نے جو قدم اٹھایا ہے وہ کامیابی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سیاسی حلقے اور ثقافتی تنظیمیں بھی اب اس رائے کا اظہار کرتی ہیں کہ CESI اسلامی نشریات کا ایک ایسا ذریعہ بن گیا ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اس ایجنسی سے عربی زبان میں بھی ایک بلیٹن شائع کیا جاتا ہے، اٹالین زبان میں شائع ہونے والی خبروں کا اس میں خلاصہ ہوتا ہے۔ اسلامی مسائل سے متعلق اٹلی پرچوں میں جو مقالات اور مضامین اور تنقیدیں شائع ہوتی ہیں انھیں بھی اس عربی بلیٹن میں شائع کیا جاتا ہے تاکہ جس عرب ملک سے ان مقالات وتنقیدات کا تعلق ہو اس سے اس کے سرکاری حلقے جلد آگاہ ہوجائیں۔ ٹیکا نگ سرکار یں بھی شیز یٔ اٹلی پریس کا بھی ممبر ہے۔ غیر ملکی صحافیوں کی انجمن کی رکنیت بھی اسے حاصل ہے، ساتھ ہی ساتھ اٹلی قومیت حاصل ہونے کی وجہ سے اسے مزید حقوق اور آسانیاں بھی نشریاتی میدان میں حاصل ہیں۔ اٹلی سرکار ہماری سرگرمیوں میں روک بن جاتی ہے اور نہ ہمارے پیچھے بھاگتی پھرتی ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ مثبت نشریات اور پرسکون فضا اور مناسب ماحول ان برے اور غلط افکار کے ازالہ کا ذریعہ بن رہے ہیں جو اٹلی کے باشندوں میں مسلمانوں کے بارے میں چلے آرہے تھے، اس کے نتیجہ میں انشاء اللہ فضا بھی صاف ہوگی، سیاسی لحاظ سے مفاہمت کا ماحول پیدا ہوگا اس لیے کہ دین اور سیاست دونوں ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور آخری صحیح اسلامی دعوت کے لیے دروازہ بھی کھل جائے گا جو ہمارا اولین مقصد ہے۔

اور آخر میں ہم یہ کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ حقائق کی اشاعت کے لیے کسی پارٹی یا سرکار کا دم چھلا بن کر کام کرنا ہم غلط سمجھتے ہیں اس لیے جمہوری ملکوں میں پارٹیاں اور سرکاریں بدلتی رہتی ہیں اس لیے ہم نے مفید ہی سمجھا کہ کسی وطنی یا غیر وطنی تنظیم سے مربوط نہ ہوں اور نہ کسی طاقت سے وابستہ ہوں اور اسی بنیاد پر ہمیں اٹلی میں اور عالم اسلامی میں دونوں جگہ سے مدد ملی ہم اس ساخت کو برقرار رکھتے ہوئے امداد و تعاون حاصل کرتے ہیں اور اس طرح سے ہم اپنے ان اخراجات کو پورا کرتے ہیں جو دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں، ہمارا مقصد مادی فائدہ حاصل کرنا نہیں ہے۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اللہ کے لیے کر رہے ہیں اور جو کچھ سالانہ خسارہ ہوتا ہے وہ اپنی جیبوں سے پورا کرتے ہیں۔

ہم کانفرنس میں شریک ہونے والے اپنے دہلی کے مسلمان بھائیوں سے بھی امید رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے ان مقاصد میں ہماری مدد کریں گے خصوصاً مالی پہلو سے اگر مناسب سمجھیں تو ہمارے اس اچھے کام میں دست تعاون بڑھائیں جو ہم اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں دنیا کے ایک حساس ترین خطے میں انجام دے رہے ہیں۔

اللہ کی آپ پر رحمت و برکت ہو۔